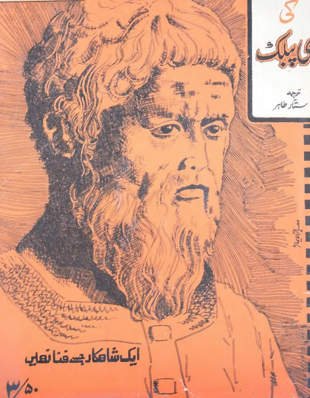
شاہکار کتاب ۴۴
زیر ادارت: سید قاسم محمود

افلاطون کی ری پبلک

ترجمہ
ستار طاہر



ایک شاہکار جسے فنا نہیں

۳/۵۰

شاہکاریہ

خالی جگہ پُر کیجئے:

شاہکار ...... کُتب؟

جنوری ۱۹۷۵ء میں جب شاہکار جریدی کتب شائع ہونا شروع ہوئیں تو ہمارے ایک معزز قاری جناب عبدالرحمان (راولپنڈی) نے ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ پاکستان میں اب تک صرف دو ایجادیں ہوئی ہیں۔ سوئی گیس اور شاہکار جریدی کتب۔ ایک قدرت کی کرشمہ سازی ہے اور دوسری پاکستانی ذہن کی کارفرمائی۔ رحمان صاحب "شاہکار" کے اُن قارئین میں سے ہیں جنہوں نے بڑی شدومد کے ساتھ اس نظریے کی تائید کی تھی کہ بجائے جریدی سائز کے ڈائجسٹ سائز میں شاہکار کتب شائع کی جائیں۔ اس زمانے میں ہم نے انہیں ایک خط لکھا تھا جس کی نقل اُن سے حاصل کر کے یہاں من و عن پیش کی جا رہی ہے۔

"۲۰ فروری ۱۹۷۵ء"

"..... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ کتابیں پیارہ اور سب رنگ ڈائجسٹ میں شائع کی جائیں تو بہتر ہے۔ —— مجھے اس سے انکار نہیں ہے لیکن اگر آپ ہماری (پبلشنگ) انڈسٹری کے موجودہ حالات، ابتری، انتشار، بدعنوانیوں اور مجبوریوں سے پوری طرح واقف ہوں تو آپ بھی اتفاق کریں گے کہ ابتدا میں "انتہائی راست اقدام" کا خطرہ مول لینا پڑے گا جو میں لے چکا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جریدی کتب ہمارے یہاں بہت مقبول ہوں گی۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت جلد ہمارے ناشرین "شاہکار" کی تقلید پر مجبور ہو جائیں گے۔ جب ناشرین کا یہ عام چلن ہوگا تو مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ اُن کی کج اندر طبیعت اس میدان میں بھی گل کھلائے گی اور جن بدعنوانیوں میں آج کی کتابی صنعت مبتلا ہے، وہی بدعنوانیاں جریدی کتابوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیں گی۔ کتابیں یعنی جریدی کتابیں بھی مہنگی ہونا شروع ہو جائیں گی۔ میں نے ڈائجسٹ سائز کی کتابیں اس وقت کے لیے اٹھا رکھی ہیں۔ اور جب خود ڈائجسٹ کی کتابیں بھی یہ لوگ مہنگا کر دیں گے اور قیمتوں کا فارمولا بگاڑ دیں گے تو پھر میں کیا کروں گا، زندہ رہا تو میں وقت پر بتاؤں گا..."

میرے خیال میں وہ وقت اب آن پہنچا ہے۔ ۱۹۷۵ء تنہا "شاہکار" کا سال تھا۔ ۱۹۷۶ء "شاہکار" کی تقلید کا سال تھا۔ ۱۹۷۷ء میں شاہکار کو ایک قدم اور آگے بڑھانا ہوگا۔ جنوری سے انشاءاللہ ڈائجسٹ سائز میں ہر مہینے دو شاہکار کتابیں پیش کی جایا کریں گی۔ موجودہ جریدی سائز میں صرف علمی، وقتی، اور دینی کتابیں (نان فکشن) پیش کی جائیں گی اور ڈائجسٹ سائز کتابیں ناول، افسانے، ڈرامے، سفرنامے، طنز و مزاح (فکشن) کے لیے وقف ہوں گی۔

لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان کا نام کیا رکھا جائے گا۔ براہ کرم آپ ہماری رہنمائی کیجئے۔ جس شاہکار قاری کا تجویز کردہ نام پسند آئے گا، اُسے یہ نئی شاہکار کتابیں دو سال کے لیے اعزازی پیش کی جائیں گی۔

آپ کا
سید قاسم محمود

ایک شاہکار جسے فنا نہیں

افلاطون کی ری پبلک

حسن، عدل، نیکی، خوشی، اخلاق اور سیاست

کے بارے میں

افلاطون

کا ایک مثالی خواب

تصنیف: افلاطون ترجمہ: ستار طاہر

تعارف

"مکالماتِ افلاطون" میں "ری پبلک" کو اس کا شاہکار قرار دیا جاتا ہے۔ صدیوں سے اس مکالمہ نے انسانی ذہن کی آبیاری کی ہے۔ اور اُسے بہت کچھ سکھایا ہے۔

افلاطون کی عظمت اور اُس کے فلسفہ کے بارے میں مَیں کچھ نہیں لکھوں گا۔ صدیوں سے اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اور ہمیشہ لکھا جاتا رہے گا۔ میں اپنے آپ کو افلاطون کے سچے شاگردوں میں سے سمجھتا ہوں۔ وہ عظیم فلسفی شاعر اور ادیب جنہوں نے مجھے متاثر کیا ہے۔ مَیں اُنہیں روحانی مرشدوں کا درجہ دیتا ہوں اور ان میں سے ایک افلاطون بھی ہے۔

"ری پبلک" کو اُردو میں منتقل کرنے کی خواہش میرے دل میں ایک مدّت سے تھی۔ اُردو میں اس کا چالیس پچاس برس پہلے ایک ترجمہ ہوا تھا۔ اس ترجمے کے بارے میں بھی مَیں کچھ نہ لکھوں گا۔ مَیں اپنے اس ترجمہ سے متعلق چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

افلاطون کے تمام مکالمات (جو انگریزی میں ہیں) کو مَیں نے اپنی زندگی میں بارہا پڑھا ہے۔ "ری پبلک" کو بطورِ خاص مَیں نے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔ اور اس سلسلے میں علماء نے ری پبلک کے بارے میں جو کچھ لکھا۔ اس کا وافر حصّہ میری نظروں سے گزر چکا ہے جب مَیں نے "ری پبلک" کو اُردو میں منتقل کرنے کا ارادہ باندھا تو میں نے ایک نقشہ پہلے سے ذہن میں بنا لیا تھا۔ کہ میں اسے آج کے دَور کے قارئین کے لئے اُردو میں منتقل کروں گا۔ بالخصوص وہ حضرات جنہیں بعض وجوہات کی بناء پر افلاطون کی ری پبلک پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ فلسفہ سے ویسے ہی ہمارے ہاں لوگوں کو زیادہ شغف نہیں رہا۔ اسے خشک مضمون سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ میرے سامنے بڑا مقصد یہ رہا کہ میں اس کتاب کو اُردو کے عام قارئین تک پہنچا دوں۔ جس نے صدیوں سے انسانی افکار پر بڑے دُور رس اور انقلاب آفریں اثرات مرتب کئے ہیں۔ اس مقصد کے تحت میں نے "ری پبلک" کا ترجمہ شروع کیا۔

ری پبلک کا یہ مکمل ترجمہ نہیں ہے۔ میں نے اس کی تلخیص بھی کی ہے۔ اور بعض جگہ اسے خلاصہ کی صورت بھی دے دی ہے۔ لیکن اس کے بنیادی خیال اور ڈھانچے کو پوری طرح افلاطون کے نئے قارئین کے لئے سامنے رکھا ہے۔ مکالمات کا جو ڈرامائی عنصر ہے۔ وہ بھی بدرجۂ اتم نظر آئے گا۔ بعض جگہ اس کا بھی اضافہ کیا ہے۔ تاکہ مسائل و مطالب کو سمجھنے میں کسی قسم کی کوئی دُشواری نہ ہو۔ اور افلاطون "ری پبلک" کے حوالے سے جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ پڑھنے والے تک بغیر کسی اُلجھن کے پہنچ جائے۔ اور اس کے بعد خود قاری کے ذہن میں یہ اُمنگ پیدا ہو کر وہ افلاطون کے تمام مکالمات کا مطالعہ کرے۔

"ری پبلک" کی روح ایک لفظ میں بیان کی جا سکتی ہے۔ اور وہ ہے "انصاف"۔ انصاف پر مبنی ریاست کا قیام۔ اسی ایک مسئلہ سے سارے مسائل شروع ہوتے ہیں۔ اور اسی کے حوالے سے تمام پہلوؤں کو سقراط کے حوالے سے افلاطون نے پیش کیا ہے۔

اُردو میں افلاطون کے نئے قارئین کو مَیں کم از کم یہ یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ آج کے مصروف ترین صنعتی دَور میں قاری کے مسائل کو سامنے رکھ کر ری پبلک کی جو تلخیص اور ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس سے میں نے پورا انصاف کیا ہے۔ اور انصاف کی روح جو ایک ریاست کا جوہر ہوتی ہے۔ اس تلخیص اور ترجمہ میں موجود ہے!!

ستّار طاہر

کتاب اوّل

منظر میں کرداروں کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ اس مکالمے کا موضوع انصاف یا حق ہے۔ کفلس اس کی تعریف کرتا ہے۔ یہ گویا بحث کا نقطۂ آغاز ہے۔ منظر کا آغاز حسب دستور سقراط کرتا ہے۔ میں سے مراد سقراط ہے۔

"میں کل ارسٹون کے بیٹے گلکن کے ساتھ پائیریس گیا۔ جہاں میں اس دیوی کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ دیوی کا جشن کس شان سے منایا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا۔ کہ اس تقریب کا آغاز ہوا۔ میرا خیال ہے کہ مقامی لوگوں نے بڑی گہری دلچسپی اور انہماک سے اس جشن میں حصہ لیا تھا۔ پھر بھی تھریکین لوگوں کا اہتمام کہیں زیادہ تھا۔ ہم نے دیوی کے معبد میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ جشن میں گھومے پھرے، اور قصبے کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔ کہ کفلس کے بیٹے پولی مرقس نے ہمیں کافی فاصلے سے دیکھا، اور اپنے غلام کو اشارہ کیا کہ وہ بھاگا جائے اور ہمیں رکنے کا پیغام دے۔ غلام نے میرے چغے کا پچھلا حصہ پکڑ لیا۔ اور بولا "پولی مرقس نے کہا ہے کہ آپ اُن کا انتظار کریں۔" میں مڑا۔ اور اس سے پوچھا کہ اس کا آقا کہاں ہے؟ "وہ آپ کے پیچھے آرہا ہے۔" وہ بولا "اور انہوں نے کہا تھا۔ کہ آپ اُن کا انتظار کریں۔" گلکن نے جواب دیا "اچھا تو ہم ان کا انتظار کرتے ہیں"۔ اس کے کچھ عرصے بعد پولی مرقس وہاں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ایڈمنطس، گلکن کا بھائی، نقراطس، نکیاس کا بیٹا اور دوسرے کئی لوگ تھے۔ جو اس میلے کو دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ "سقراط" پولی مرقس نے کہا "مجھے یقین ہے۔ کہ تم اب شہر واپس جا رہے ہوگے۔" "ہاں" میں نے جواب دیا، "تم ٹھیک کہتے ہو۔" "کیا تم دیکھ رہے ہو کہ ہم کتنے لوگ یہاں موجود ہیں۔" اس نے پوچھا۔ "ہاں، میں دیکھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو کیا یہ بہتر نہیں ہے، تم ہم لوگوں کے ساتھ یہاں ٹھہرو۔"

"اور لیکن اس کا ایک اور راستہ بھی تو نکالا جا سکتا ہے۔ کہ ہم لوگ تم سے اجازت لے کر شہر چلے جائیں" میں نے کہا۔

"لیکن ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔" پولی مرقس نے جواب دیا "نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے" گلکن نے کہا۔

"اچھا۔ تو یوں سمجھ لو کہ ہم نے تمہاری درخواست سنی ہی نہیں ہے۔" پولی مرقس نے کہا۔ "اور ہاں ..... " ایڈمنطس نے بات بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہیں علم نہیں ہے۔ کہ شام کو مشعل بردار گھڑ سواروں کی دوڑ کا مقابلہ ہوگا۔ یہ دوڑ دیوی کے اعزاز میں ہوگی۔"

"گھوڑوں کی مشعل بردار دوڑ ۔۔۔ خوب نظارہ ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ہاں ... اور ساری رات یہاں کئی دوسرے کھیل ہوتے رہیں گے۔ کئی تقریبات منعقد ہوں گی۔ جو قابل دید ہیں۔ ہم کھانے کے بعد ان تقریبات میں شامل ہوں گے۔ اور وہاں کئی نوجوانوں سے ملاقات ہوگی۔ جن سے تمہیں گفت و شنید کرنے کا سنہری موقع ملے گا۔[1] اسی لئے تمہارا ہمارے ساتھ ٹھہرنا بہتر رہے گا۔"

اس پر گلکن نے جواب دیا "اب تو یہی محسوس ہوتا ہے۔ کہ ہمیں ٹھہرنا ہی پڑے گا۔"

[1] سقراط کے لئے یہ بہت بڑی ترغیب بن چکی تھی۔ بلکہ ایک طرح سے اس کی کمزوری کیونکہ وہ نوجوانوں سے گفتگو کرنے کا انتہائی خواہاں رہتا تھا۔ مترجم (س۔ ط)

"اچھا، اگر تمہارا ابھی یہی خیال ہے۔ تو ہم ضرور ٹھہریں گے۔" میں نے جواب دیا۔

اسی طرح ہم پولی مرقس کے گھر چلے گئے۔ جہاں ہم اُس کے بھائیوں لیساس اور یتھیڈیمس سے ملے۔ ان کے علاوہ وہاں طرسمقس، کلاکیڈن کا رہنے والا، پینیا کا قرمینطدیس، ارسطونس کا بیٹا قلیطوفن اور پولی مرقس کا باپ کفلس بھی موجود تھے۔ یہ شخص مجھے بہت بوڑھا نظر آیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں اسے بہت عرصے کے بعد ملا تھا۔ وہ ہار پہنے، ایک آرام کرسی سے ملتی جلتی نشست پر براجمان تھا۔ جیسے وہ ابھی صحن میں قربانی کی رسم ادا کر رہا ہے۔ اس کے آس پاس کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہم ان پر اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ جونہی اس نے مجھے دیکھا، بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا اور کہا "سقراط، تم ہمیں ملنے کبھی پائیریس نہیں آتے۔ اگر میں پہلے کی طرح قوی اور صحت مند ہوتا تو تمہیں بار بار ملنے کے لئے شہر آتا۔ تمہیں چاہیئے کہ تم یہاں پوری بے تکلفی کے ساتھ، آتے جاتے رہا کرو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عمر کی زیادتی انسان کی جسمانی لطف اندوزیوں اور مسرتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اور اس عمر میں اچھی گفت و شنید اور تبادلۂ خیالات سے بڑا لطف ملتا ہے۔ اس لئے میری دعوت اور بے تکلفی کا بُرا نہ ماننا۔ اور نہ ہی انکار کرنا۔ اس لئے میاں اگر نوجوانوں سے بات چیت کیا کرو، مجھے ایک پرانا دوست سمجھ کر ملنے آیا کرو۔"

"کفلس .. مجھے اصل مزہ تو معمر لوگوں سے تبادلۂ خیالات کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔" میں نے کہا "کیونکہ وہ ہم سے بہت آگے جا چکے ہوتے ہیں۔ جیسے سڑک پر ایک آدمی سفر طے کر چکا ہو۔ وہ اپنے پیچھے آنے والے کو بتا سکتا ہے۔ کہ راستہ کیسا ہے۔ ہموار، ڈھلوان یا دشوار۔ اب تم عمر کے اس دور سے گزر رہے ہو۔ جسے شاعر "زنجیروں سے آزاد ہو جانے کی عمر" کہتے ہیں۔ اس لئے میں تو اس امر کا اشتیاق رکھتا ہوں، کہ تم ہمیں کیا کچھ بتا سکتے ہو، کیا عمر کا یہ حصہ مشکل اور غیر تسلی بخش نہیں ہوتا؟

"سقراط، میں پوری صحت اور صداقت سے بتاؤں گا: کہ اس عمر کے متعلق میرے کیا خیالات ہیں۔" اس نے جواب دیا "ہم بوڑھے لوگ اکثر اوقات ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے ہیں۔ جیسے پرانی کہاوتوں کے ایک رنگ اور پر و بال کے پرندے ہوں، اور جب ہم ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ تو ہم میں سے بیشتر رنج و اندوہ سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جوانی کی لذتوں اور مسرتوں کو یاد کرتے ہیں۔ وہ یاد کرتے ہیں کہ وہ کس طرح پیار کیا کرتے تھے، شراب پیتے اور رنگین مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور پھر افسوس کرتے ہیں۔ کہ یہ کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ اس قسم کی دلچسپیوں میں اب شریک نہیں ہو سکتے۔ وہ سوچتے ہیں۔ اس زمانے میں زندگی کتنی رنگین اور خوش گوار تھی۔ جب کہ اس موجودہ زندگی کو وہ موت سے بدتر سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بعض شکوہ کرتے ہیں۔ کہ اُن کے خاندان کے افراد ان کی عزت اور تکریم نہیں کرتے۔ اور اُن کے بڑھاپے کے مطالبات اور ضروریات سے گریزاں رہتے ہیں۔ اس طرح وہ بڑھاپے کے مصائب اور تکالیف کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن سقراط، میری نظر میں یہ لوگ غلط الزام عائد کرتے ہیں۔ جہاں تک میرا تجربہ ہے اگر بڑھاپا قابلِ الزام ہوتا تو پھر میں بھی انہی کی طرح ہوتا۔ میرے اور ان کے تجربات یکساں ہوتے اور تمام معمر لوگوں کے احساسات اور کیفیات بھی ایک طرح کی ہوتیں۔ لیکن میں ایسے لوگوں سے بھی ملا ہوں۔ جن کے احساسات ان لوگوں کے احساسات سے قطعاً مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ کہ ایک جگہ میں کہیں موجود تھا۔ تو سفوکلیز[1] سے کسی نے جنس کے متعلق سوال کر دیا، کہ کیا اس میں اب بھی عورت سے پیار کرنے کی سکت موجود ہے یا نہیں؟ اس کا جواب سفوکلیز نے دیا۔ "اس قسم کی باتیں نہ کرو، میں اس عمر

[1] یونان کا عظیم شاعر اور طربیہ نگار۔ کنگ اوڈیپس اور انتی گونی وغیرہ کا مصنف (س۔ ط)

اور دور سے بچ نکلا ہوں۔ اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ جب میں اس قسم کے جنون اور جذبے کا غلام تھا۔" مجھے اس وقت اس جواب پر خوشی ہوئی تھی۔ کہ یہ کتنا مناسب جواب تھا۔ اب بھی سفوکلیز کے جواب کو میں پہلے جیسی قدر و قیمت سے دیکھتا ہوں۔ کیونکہ بڑھاپے میں انسان کی اس قسم کی خواہشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان ان خواہشوں کے غلبے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور ایک پرسکون احساس سے بھر جاتا ہے۔ جب ہمارے جذبات کی شدت اور تناؤ ختم ہو جاتا ہے۔ تو ہمیں وہی چیز حاصل ہوتی ہے۔ جس کا ذکر سفوکلیز نے کیا تھا۔ یعنی انسان کے بہت سے جذبات سے رہائی اور آزادی — اور ہاں، جہاں تک یہ الزام لگایا جاتا ہے، کہ ان کے خاندان کے افراد ان کی عزت و تکریم نہیں کرتے، تو پھر قابلِ الزام چیز ایک اور صرف ایک ہے، اور یہ اُن کا بڑھاپا نہیں ہے۔ بلکہ — سقراط اُن کے چال چلن اور کردار ہیں۔ کیونکہ اگر انسان معقول، اور خوش مزاج ہوں، تو بڑھاپے کو بڑے اچھے طریقے سے برداشت کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے۔ تو پھر جوانی بھی ایک بوجھ ہے۔"

میں اس کی اس گفتگو سے بڑا لطف اندوز ہوا۔ اور بات کو اور آگے بڑھانے کے لئے کہا "گفلس، مجھے ڈر ہے، کہ بہت سارے لوگ تمہارے خیالات سے اتفاق نہیں کریں گے۔ اور یہ کہیں گے کہ تم اس بڑھاپے کو اس لئے بوجھ نہیں سمجھتے کہ تمہارا کردار اور رویہ بہتر ہے۔ بلکہ اس لئے کہ تم دولت مند ہو۔ اور دولت کی وجہ سے تمہیں بے شمار آسائشیں میسر ہیں۔" "بلاشبہ وہ میرے خیالات سے اتفاق کریں گے۔" وہ بولا "اور ہاں جو کچھ وہ سوچتے ہیں، اس کا کچھ حصہ وہ ظاہر بھی کریں گے۔ طمسطوقلس کی کہانی اس موقع کے لئے بڑی مناسب ہے۔

سیرفیا کا ایک باشندہ اُسے گالیاں دے رہا تھا۔ اور ساتھ ہی کہہ رہا تھا۔ کہ اس کی شہرت، نام و نمود، اور وقار اس کے ذاتی اوصاف کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ ایتھنز کا باسی ہے۔ طمسطوقلس نے جواب دیا "یقیناً اگر میں سیرفیا کا رہنے والا ہوتا تو مجھے یہ عزت و شہرت نصیب نہ ہوتی۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر تم ایتھنز کے بھی رہنے والے ہوتے تو تمہیں عزت و وقار نصیب نہ ہوتے"۔ یہی رائے ان لوگوں پر پوری اترتی ہے۔ جو دولت مند نہیں ہیں۔ اور بڑھاپے کو ایک بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ ایک اچھا آدمی بڑھاپے کو آسان اور قابلِ برداشت نہ پائے گا۔ لیکن ایک برا آدمی بھی بڑھاپے سے مطمئن اور آسودہ خاطر نہ ہوگا، خواہ وہ امیر ہی کیوں نہ ہو۔"

"کیا تمہیں یہ مال و دولت ورثے میں ملے تھے؟" میں نے پوچھا "یا تمہاری اپنی پیدا کردہ ہے؟"

"سقراط کیا میں نے یہ دولت خود پیدا کی ہے؟" اس نے کہا "ایک تاجر کی حیثیت سے میں اپنے باپ اور دادا کے مقابل کا کاروباری ہوں۔ میں نام کے لحاظ سے اپنے دادا سے منسوب ہوں۔ میں نے اس سے ورثے میں اتنی دولت حاصل کی، جتنی اس وقت میرے پاس ہے۔ اور اس میں اس سے بھی کئی گنا زیادہ اضافہ کیا۔ ہاں میرے والد نے اس دولت میں خاصی کمی کر دی تھی جہاں تک میری خواہش کا سوال ہے۔ میری خواہش یہی ہے۔ کہ میں ان لڑکوں کے لئے اتنی دولت تو چھوڑ جاؤں، جتنی مجھے ورثے میں ملی تھی۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی......"

"میں نے یہ سوال صرف اس لئے پوچھا تھا کہ میرے خیال میں تمہیں دولت سے اتنی دلچسپی نظر نہیں آتی" میں نے کہا "اور یہ عموماً ان لوگوں کی فطرت ہوتی ہے، جنہوں نے خود دولت کو پیدا نہ کیا ہو۔ جب کہ وہ لوگ جو خود دولت پیدا کرتے ہیں۔ دولت کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی..... جیسے شاعروں کو اپنی نظموں کا بڑا خیال ہوتا ہے۔ ان سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ یا جیسے والدین اپنے بچوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ اسی طرح روپیہ پیدا کرنے والے روپے کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح دولت کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اُن سے کچھ زیادہ ہی، کیونکہ ان کی اپنی پیداوار ہوتی ہے۔ اسی لئے اُن کی صحبت اور رفاقت تھکا دینے والی ہوتی ہے کیونکہ روپے اور دولت کے علاوہ ان کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔

"یہ سچ ہے" اس نے کہا۔

> جب
> برسرِ اقتدار طبقہ
> قوانین کی تشکیل کرتا ہے تو کبھی
> کبھار اُس سے غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہے جس
> سے اس کا بہترین مفاد کمزور ہو جاتا ہے۔

"ہاں یہ تو مسلمہ حقیقت ہے" میں نے کہا "لیکن میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اتنے دولت مند ہونے کی وجہ سے تمہیں سب سے زیادہ فائدہ کیا پہنچا ہے۔"

"ایک بہت بڑا فائدہ......" اس نے جواب دیا "جس کا ذکر شاید دوسرے لوگ نہ کریں گے۔ سقراط، تم بخوبی جانتے ہو، کہ جب ایک آدمی موت کا سامنا کرنے والا ہوتا ہے، یا اس عمر میں اُسے موت کا خیال آتا ہے۔ تو اُسے وہ تفکرات اور پریشانیاں گھیر لیتی ہیں۔ جن سے اس کا سابقہ پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ دوسری دنیا کے متعلق کہانیاں اور روایتیں، اس عمر — اور دنیا میں جو غلطیاں کی ہیں۔ جن پر کبھی وہ قہقہے لگاتا تھا... ان کی سزا اور مکافات کا خوف.... اب اس کے ذہن پر پوری طرح غلبہ پا لیتی ہیں کہ وہ تمام باتیں.... سزائیں سچ ہوں گی۔ ہو سکتا ہے، اس یقین کا سرچشمہ وہ کمزوریاں ہوں، جو بڑھاپے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ یا دوسری دنیا میں پہنچنے کا خوف و گمان، اب اس کا تصور واضح اور روشن ہو جاتا ہے، وہ شک و شبہات سے بھر جاتا ہے، خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس تلاش و کاوش میں رہتا ہے کہ اس نے کس کس شخص سے بے انصافی کی تھی، زیادتی کی تھی۔ وہ شخص جس پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے، کہ اس نے دورانِ حیات بہت زیادہ غلط کاریاں کی ہیں، تو وہ اکثر راتوں کو ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھتا ہے۔ جیسے کوئی بچہ کسی خوفناک خواب سے ڈر گیا ہو۔ اب اس کی زندگی رنج و اندوہ سے لبریز ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ شخص جو اس حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے۔ کہ اس نے کوئی غلط کاری نہیں کی تو اپنی زندگی کو پُر مسرت اور اطمینان سے دیکھتا ہے۔ اور اسے اس امر کی تسکین و امید ہوتی ہے۔ جسے پنڈار[1] "بڑھاپے کا سکون" کہتا ہے۔ مجھے اس کے وہ اشعار بے حد پسند ہیں جس میں اس نے اس شخص کا ذکر کیا ہے۔ جس نے بھلائی اور خدا خوفی کرتے ہوئے اپنی عمر بسر کی تھی۔

شیریں اُمید

جو انسانوں کے سرگرداں مقاصد کی رہنمائی کرتی ہے۔
تجارت اور کاروبار اس کے ایک ہاتھ میں، دل میں
مسرت، اور بڑھاپے کا سکون و اطمینان۔

کتنے عظیم مصرعے ہیں۔ اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ دولت انہی لوگوں کے لئے قیمتی اور قابلِ قدر ہے جو اچھے اور معقول لوگ ہیں۔ کیونکہ دولت کسی بھی شخص کی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیتی ہے۔ وہ غیر ارادی طور پر بھی کسی سے دغابازی نہیں کرتا، نہ جھوٹ بولتا ہے، نہ اُسے یہ خوف ہوتا ہے، کہ وہ دیوتاؤں کی خدمت میں بروقت قربانی کا ہدیہ نہیں پیش کر سکا۔ نہ ہی اُسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ مرنے سے پہلے وہ کسی شخص کا قرضہ ادا نہ کر سکے گا۔ دولت کے اس کے علاوہ اور بھی کئی فوائد اور استعمال ہیں۔ اس لئے مختصراً یہی کہوں گا کہ کسی بھی معقول آدمی کے لئے یہ فوائد کم نہیں ہوتے۔"

---

[1] مشہور یونانی شاعر۔ (س۔ ط)

"ہاں اتنا ہی کافی ہے" میں نے جواب دیا۔ "لیکن کیا ہم حقیقت میں یہی کہہ رہے تھے۔ کہ حق یا انصاف صرف انہی امور پر مشتمل ہے۔ کہ سچائی برقرار رکھی جائے اور کسی کو اس سے لی ہوئی چیز واپس کر دی جائے؟ کیا یہ درست اعمال نہیں ہیں۔ جو کسی وقت جائز اور کسی وقت غلط ہو سکتے ہیں؟ فرض کرو، کہ ایک شخص اپنے کسی دوست سے ایک خطرناک آلہ عاریتاً لیتا ہے، جو بعد میں مخبوط الحواس ہو جائے، اور اپنے ہتھیار کی واپسی کا مطالبہ کر بیٹھے، یقیناً عمومی طور پر سبھی اس امر سے اتفاق کریں گے۔ کہ اب اسے یہ خطرناک ہتھیار نہیں لوٹانا چاہیئے۔ اور ایسا کرنا کسی طرح بھی درست نہ ہو گا۔ یا یہ کہ اس پاگل اور مجنون کو اس صداقت سے آگاہ کیا جائے؟

"ہاں یہ سچ ہے" اس نے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر سچ کا اظہار کرنا اور جو کچھ ہم نے عاریتاً لیا ہے اسے لوٹانا سچائی اور درست فعل کی صحیح تعریف نہیں ہے۔"

"اوہ کیوں نہیں.... لازماً ہے" پولی مرقس نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا "لیکن شرط یہ ہے کہ ہم سیمنوڈس کے قول پر یقین کر لیں۔"

"اچھا... تو میں بحث اور دلائل کو تم دونوں پر چھوڑتا ہوں" کفلس نے کہا "کیونکہ مجھے لابدی طور پر قربانی کی رسم پر جانا ہے۔"

"اچھا تو میں آپ کی طرف سے بات بڑھا سکتا ہوں" پولی مرقس نے پوچھا۔

"ہاں" کفلس نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اور قربانی کے فرض سے عہدہ برا ہونے کے لئے چل دیا۔

پولی مرقس دلائل دیتا ہے۔ اور اس پر اصرار کرتا ہے۔ کہ انصاف..... ایک آدمی کو اس کا حصہ دینا ہے۔ سقراط اس سلسلے میں کئی مختلف دلائل دیتا ہے، تاکہ اس سرسری اور رسمی نظریئے کے نقائص اور ناپختگی کو ظاہر کر سکے۔

"اچھا تو یہ دلیل اور بحث تمہیں ورثے میں منتقل ہو گئی ہے۔ اس لئے مجھے بتاؤ کہ سیمنوڈس نے وہ کیا بات کہی ہے۔ جس کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ اس نے ہمارے درست اعمال کی صداقت بیان کی ہے۔"

"جائز فعل اور انصاف یہی ہے۔ کہ ہر شخص کو اس کا حصہ دیا جائے۔ اور اس قول میں میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس نے اس مسئلے کو بڑی خوبی سے سلجھا دیا ہے۔" پولی مرقس نے کہا

"بلاشبہ یہ بڑا کٹھن مرحلہ ہے کہ آدمی سیمنوڈس سے اتفاق نہ کرے" میں نے کہا۔ "اس کے پاس شاعرانہ دانش اور وجدان ہے۔ اور اگرچہ تم اس کے مطالب و مفہوم سے واقف ہو۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی بات کی تہہ میں نہیں پہنچ سکا ہوں۔ کیونکہ میرے خیال میں اُس نے صاف لفظوں میں اس موضوع کے متعلق کچھ نہیں کہا ہے۔ جو ہمارے زیرِ بحث ہے۔ اور بات یہاں آ پہنچی ہے کہ ہم اُس چیز کو اس شخص کے حوالے کر دیں۔ جس سے ہم نے وہ چیز لی تھی۔ اور اب وہ پاگل ہو گیا ہے۔ تاہم، ایک شخص نے اگر بھروسے پر کوئی چیز دی ہے۔ یا بھروسہ کیا ہے۔ تو اس پر بھی بھروسہ کرنا چاہیئے کیا یہی بات نہیں؟

"ہاں"

"اور اگر حالات مناسب نہ ہوں۔ تو پھر پاگل آدمی کو وہ اعتبار نہ دینا چاہیئے۔ یا وہ چیز واپس نہ کرنی چاہیئے، جو اس کی ہے۔ جو اس کا حصہ ہے؟"

"یہ سچ ہے۔"

"تو پھر سیمنوڈس نے جو کچھ کہا ہے۔ اس سے اس کا مطلب قطعی مختلف ہو گا جبکہ وہ یہ کہتا ہے، ایک شخص کو اس کا حصہ دینا ہی انصاف ہے" میں نے کہا۔

"یقیناً اس نے یہی کہا ہے" پولی مرقس نے جواب دیا۔ "اس کا مفہوم یہی ہے کہ ایک دوست کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ دوسرے دوست کی بھلائی کا خیال رکھے۔ جو اس کا حصہ ہے اُسے دے اور اسے تکلیف نہ پہنچائے۔"

"اچھا تو میں سمجھ گیا" میں نے کہا "تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کی رقم اس لئے ہی واپس نہیں کرتا۔ کہ اُسے علم ہے۔ کہ اگر اس نے یہ رقم واپس کر دی۔ تو کسی نقصان اور خطرے کا باعث بن جائے گی۔ حالانکہ اس کے دوست نے اس پر اعتبار کرتے ہوئے یہ رقم دی تھی —— کیا سیمنوڈس کا کہیں یہی تو مطلب نہیں ہے؟

"یقیناً"

"تو کیا اس سے یہ بھی مطلب نہیں نکلتا، کہ ہمیں اپنے دشمنوں کو بھی کچھ دینا چاہیئے جو ان کا حصہ ہے، ہماری طرف واجب الادا ہے؟

"لازماً" اس نے کہا "ان کا بھی حصہ بنتا ہے۔ لیکن ان کا کیا حصہ ہے... اور یہ میرے خیال میں.... وہی چیز ہے۔ جو دشمنوں کے درمیان مشترک ہوتی ہے، کوئی نقصان اور چرکا پہنچانا، یا اسی قسم کی کوئی اور چیز۔"

"یہ تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے سیمنوڈس شاعرانہ رمز کے ساتھ بتا رہا ہے۔ کہ درست عمل کیا ہے۔ کیونکہ اس کے فقرے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اس کا حصہ دینا درست فعل ہے لیکن وہ اسے 'واجب الادا' کا نام دیتا ہے۔"

"بے شک"

"ہاں" لیکن یہ بھی تو دیکھو۔ اگر کوئی شخص اس سے یہ سوال کرتا "ایک دوائی کس طرح اپنا نام پاتی ہے سیمنوڈس؟ اور وہ کون سی چیز پیش کرتی ہے جو کہ واجب الادا ہے۔ اور پھر یہ ادائیگی کس کو ہو گی؟ تمہارے خیال میں اس کا وہ کیا جواب دیتا؟" "غالباً یہی کہ سائنس جسم کو علاج کے ساتھ، اور خوراک اور مشروبات کے ساتھ ایسی اشیاء پیش کرتی ہے۔"

"اور اگر یہی سوال خورد و نوش کی اشیاء کے متعلق کیا جائے تو پھر؟"

"تو جواب یہ ہو گا کہ یہ ذائقہ اور غذائیت ہے، جو ہماری خوراک کو خوراک بناتے ہیں۔"

"تو پھر انصاف کا خاصہ کیا ہے؟ یہ کون سی شے مہیا کرتا ہے؟"

"سقراط اگر ہم اسی سوال پر مصر ہیں تو پھر اس کے خاصے میں یہی عناصر شامل ہیں، کہ دوستوں کو فائدہ اور دشمنوں کو سزا دی جائے۔"

"تو سیمنوڈس کا مطلب یہ ہے کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ کہ دوستوں کے لئے فیض رساں اور دشمنوں کے لئے مضر ہو"

"ہاں میرے خیال میں اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے۔"

"اچھا تو پھر وہ کون شخص ہو سکتا ہے جو صحت کے معاملے میں دوست کو فائدہ اور دشمن کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

"ایک ڈاکٹر"

"اور ایک خطرناک سمندری سفر میں؟"

"ایک کپتان"

"اور اسی طرح ایک انصاف پسند شخص کے متعلق کیا کہو گے؟ وہ کن مواقع پر اپنے دوستوں کو بہترین طریقے سے فائدہ اور دشمنوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

"جنگ کے ایام میں؟ وہ دوستوں کے لئے دشمنوں کے خلاف جنگ آزما ہو گا"

"خوب، تاہم بعض ایسے لوگ بھی ہیں، جو صحت مند ہوتے ہیں اور انہیں کسی معالج کی

ضرورت محسوس نہیں ہوتی، کیا ایسے لوگ نہیں ہوتے ، پولی مرقس ؟"

"ہوتے ہیں "

"اور ایسے بھی جو صرف خشکی پر ہی گزر اوقات کرتے ہیں۔ انہیں کوئی بحری کپتان فائدہ نہیں پہنچا سکتا ؟"

"ہاں یہ ٹھیک ہے"

"تو کیا پھر ایسا بھی ممکن نہیں ہے۔ کہ وہ لوگ جو جنگ میں شامل نہیں ہوتے، انصاف پسند آدمی اُن کے کام نہیں آسکتے ؟"

"واقعی یہ ٹھیک ہے"

"تو پھر انصاف زمانہ امن میں مفید ہے ؟"

"ہے"

"تو پھر زراعت کا مطلب فصلیں پیدا کرنے اور جوتے سازی کا فن، جوتے بنانے کے لئے ہو سکتا ہے۔"

"ہاں"

> تمام دنیا کی کتابیں ایک طرف اور مکالماتِ افلاطون ایک طرف ـــــ (ایمرسن)

"تو پھر زمانۂ امن میں انصاف کی کیا ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ اور ہمیں اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے ؟"

"یہ کاروبار میں فائدہ بخش ہے۔"

"اس سے تمہارا مطلب لوگوں کے درمیان لین دین سے ہوگا ؟"

"ہاں"

"اچھا، تو اگر ہمارا لین دین شطرنج کی کھیل کی طرح ہو تو کیا انصاف پسند ایک مفید اور کارآمد ساتھی ہوتا ہے یا شطرنج کا ایک کھلاڑی ؟"

"شطرنج کا کھلاڑی"

"اگر معاملہ اینٹوں اور عمارتی مصالحہ سے متعلق ہو، تو کیا انصاف پسند شخص اینٹیں بنانے والے سے زیادہ کارآمد یا مفید ثابت ہو سکتا ہے ؟"

"نہیں"

"اچھا.... تو پھر کس قسم کا لین دین ایسا ہے، جس میں ایک انصاف پسند شخص کسی اینٹیں بنانے والے سے زیادہ بہتر اور مفید ثابت ہو سکتا ہے ؟ کونسا ایسا موقع ہوتا ہے، جب وہ کسی موسیقار کی طرح بہتر راگ تخلیق کر سکتا ہے ؟"

"جہاں روپے پیسے کا مسئلہ ہوگا"

"سوائے اس کے کہ جب کسی چیز کی خرید و فروخت کا موقع ہو، فرض کرو کہ ہم ایک گھوڑے کو خرید یا بیچ رہے ہیں، تو کیا گھوڑوں کو سدھانے اور پرورش کرنے والا ایسے موقع پر بہتر اور مفید ساتھی ثابت نہ ہوگا ؟ یا اگر معاملہ کسی جہاز کا ہو تو پھر ملاح یا جہاز ساز میں سے کون بہتر ہوگا ؟" میرے خیال میں تو جہاز بنانے والا زیادہ مفید ثابت ہوگا ؟

"میرا بھی یہی خیال ہے"

"تو پھر ایسے کون سے معاشی یا اقتصادی لین دین کے مسائل ہو سکتے ہیں جب ایک انصاف پسند شخص ایک بہتر ساتھی ثابت ہو سکتا ہے ؟"

"سقراط جس وقت ہم اپنے روپے کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ کسی ساہوکار کے پاس رکھتے ہیں۔"

"یعنی اس وقت جب ہم دولت کو کہیں استعمال کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، بلکہ اسے جامد اور محفوظ رکھنا چاہتے ہیں ؟"

"ہاں"

"اچھا تو جب ہم اپنے روپے کو کہیں استعمال کرنا نہیں چاہتے تو پھر انصاف ہمارے لئے کارآمد ثابت ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ تو کچھ ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔"

"اچھا تو جب تم کسی ہتھیار یا چیر پھاڑ کے آلے کو محفوظ کرنا چاہتے ہو تو انصاف سماج اور فردِ واحد کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جب تم اسے استعمال کرتے ہو پھر معالج بن جاتے ہو۔ گویا جب تم اپنے کسی ساز یا ڈھال کو محفوظ کرنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں کسی منصف آدمی کی تلاش ہوتی ہے، لیکن جب تم اسے استعمال کرتے ہو تو پھر تم سپاہی یا موسیقار بن جاتے ہو۔"

"اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے۔"

"تو پھر اس لحاظ سے تمام شعبوں میں انصاف اس وقت بےکار ہوتا ہے۔ جب تم کسی چیز کو استعمال کرتے ہو، اور اس وقت مفید ثابت ہوتا ہے۔ جب اسے استعمال نہیں کر رہے ہوتے ؟"

"اغلباً"

"اگر انصاف کے مقاصد اور استعمال یہی ہیں۔ تو پھر انصاف کوئی ٹھوس یا سنجیدہ چیز نہیں ہے۔ لیکن ایک نکتہ اس سے بھی آگے پیدا ہوتا ہے۔ مکہ بازی یا لڑائی میں جسم اور طاقت ایک دوسرے کا دو بدو مقابلہ کرتے ہیں، کیا ایسا ہی نہیں ہوتا ؟"

"بےشک"

"تو پھر، کسی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک یہ راستہ بھی ہوتا ہے۔ کہ اسی راستے اور طریقے کو اس کے مخالف معانی میں استعمال کیا جائے۔ اور وہ صلاحیت جو کسی فوج کو کسی جنگ سے محفوظ و آباد جگہ واپس لانے کی ذمہ دار ہے، وہی صلاحیت اس طرح بھی کام میں آتی ہے کہ دشمن کو لوٹا جائے، اس کے راز حاصل کئے جائیں اور اس پر غضب ناک طریقے سے حملہ کیا جائے ؟"

"یقیناً میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"اچھا تو ایک آدمی جو ایک چیز کو محفوظ رکھنے میں بہترین ثابت ہو سکتا ہے، ، سے چرانے میں بھی ایسے ہی تاک ہوگا ؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے"

"اچھا تو اگر ایک منصف آدمی روپے کو بہتر طریقے سے محفوظ کر سکتا ہے، سنبھال سکتا ہے۔ تو وہی شخص اسے بڑی خوبی سے چرا بھی سکتا ہوگا ؟"

"اچھا تو ہم جو معاملہ طے کرنے والے تھے، اس کا حاصل تو یہی محسوس ہوتا ہے۔"

"اچھا تو منصف آدمی ایک طرح سے چور بھی ہوتا ہے۔ اور یہ نظریہ جو تم نے ہومر سے اخذ کیا ہوگا۔ جس نے اوڈیسیس کے دادا آٹولکس کے متعلق کہا تھا۔ کہ وہ چوری کرنے اور جھوٹ بولنے میں دنیا کے تمام آدمیوں سے آگے بڑھ گیا تھا۔ انصاف، تمہاری، ہومر اور سیمونڈس کی نظر میں دراصل چوری کی ایک قسم ہے۔ اگرچہ اسے ایک دوست کی مدد اور دشمن کے نقصان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیا تمہارا یہی مطلب ہے ؟"

"یقیناً میرا یہ مطلب نہیں ہے" اس نے جواب دیا "لیکن میں خود نہیں جانتا ہوں۔ کہ میرا اصل مطلب کیا ہے۔ تاہم اب بھی میرا خیال یہی ہے۔ کہ دوست کی مدد کرنا اور

"دشمن کو نقصان پہنچانا انصاف ہے۔"

"لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو، کہ کون کس کا دوست اور دشمن ہے؟ وہ جو اچھے خیالات رکھتے ہیں، اور ایماندار آدمی ہیں یا وہ جو کہ ایسی باتوں کے متعلق کوئی خیال نہیں رکھتے؟"

"ایک شخص کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا معیار تو اس آدمی کے خیالات پر منحصر ہے"

"تو کیا آدمی اکثر اوقات غلطی نہیں کر بیٹھتے، اور اسے ایماندار سمجھ لیا جاتا ہے۔ جب کہ وہ نہیں ہے، اور اسی طرح کی دوسری باتیں؟"

"ہاں، ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"تو اس صورت میں ان کے دشمن اچھے اور دوست بُرے بھی ہو سکتے ہیں۔" "تو کیا انصاف یہی نہیں کہ ہم اچھے کی مدد کریں اور بُرے کو سزا دیں۔"

"ہاں میرا خیال بھی یہی ہے"

"اور اچھے آدمی برائی کرنے سے احتراز کرتے ہیں؟"

"ہاں یہ ٹھیک ہے"

"تو کیا اس سے تمہارا مطلب یہی نہیں نکلتا کہ ان لوگوں کو جو برائی نہیں کرتے نقصان پہنچانا جائز اور انصاف ہے۔"

"اوہ نہیں سقراط، میرا خیال ہے۔ کہ میری بات غلط تھی۔ یا میں اسے صحیح طریقے سے بیان نہیں کر سکا ہوں۔"

"اچھا تو پھر تمہارا مطلب یہی ہو گا۔ کہ وہ لوگ جو برائی کرتے ہیں، انہیں اس کی سزا ملنی چاہیئے۔ اور اچھے لوگوں کو جزا؟"

"ہاں یہ بات بڑی متوازن اور معقول نظر آتی ہے۔"

"اچھا تو جب انسان انصاف کرتے ہوئے غلطی کر بیٹھتا ہے۔ تو ان کے نزدیک اکثر اوقات یہ جائز ہوتا ہو گا۔ کہ وہ اپنے دوستوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جو کہ حقیقت میں ہوتے ہی غلط کار ہیں۔ اور دشمنوں کی مدد کر بیٹھتے ہیں۔ جو اچھے ہوتے ہیں۔ تو پھر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ اسے سامنے رکھ کر سیمونڈس کے الفاظ کے کیا معانی برآمد ہوتے ہیں؟"

"بات جس طرح آگے بڑھی ہے اس سے تو یہی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ لیکن کیوں نہ ہم اسے قدرے مختلف طریقے سے لیں، شاید ہم نے دوست اور دشمن کی غلط تعریف کی ہے؟"

"کیسے ...؟" میں نے پوچھا۔

"اس طرح کہ ہم نے دوست کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ اچھا اور ایماندار نظر آتا ہے؟"

"اچھا تو ہم نے دوست کی جو یہ تعریف کی ہے تو اسے کس طرح تبدیل کرنا چاہیئے؟"

"دوست کے لئے ایماندار یا اچھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح دشمن کی اچھائی یا برائی اس کی صفت یا تعریف قرار نہیں دی جا سکتی۔"

"اچھا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اچھا وہ ہے جو دوست ہے۔ اور بُرا وہ جو دشمن ہے۔ اور اس کے ساتھ تم اپنی سابقہ تعریف کو، منفی کرنا چاہتے ہو۔ جو تم نے انصاف کے متعلق کی تھی (یعنی انصاف یہی ہے کہ دوست کی مدد کی جائے اور دشمن کو نقصان پہنچایا جائے) یہ کہتے ہو کہ انصاف یہ ہے کہ آدمی ایک دوست کی مدد کرے، جو اچھا ہے۔ اور اپنے دشمن کو نقصان پہنچائے، اگر وہ بُرا ہے۔"

"ہاں ... اس سے پوری بات واضح ہو جاتی ہے۔"

"لیکن کیا حقیقت میں یہ جائز ہے کہ کسی بھی شخص کو تکلیف پہنچائی جائے؟"

"یقیناً ہمیں اُن لوگوں کو نقصان پہنچانا ہی پڑے گا، جو بُرے آدمی ہیں، جو ہمارے دشمن ہیں۔"

"اگر ہم کسی گھوڑے کو تکلیف دیتے ہیں۔ تو کیا یہ بہتر ہے یا بدتر؟"

"بدتر"

"بدتر، اچھا تو یہی معیار اور پیمانہ ہے جس سے ہم گھوڑوں کو مدِنظر رکھتے ہیں؟"

"ہاں"

اور اگر ہم کسی کتے کو تنگ کریں، اور وہ ایک بدتر کتا بن جائے تو کیا یہ پیمانہ اور رویہ مناسب ہے، اور وہ کتوں کے معیار اور خاصے سے گر جائے گا؟"

"یقیناً"

"تو کیا ہم یہی بات ایک آدمی کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اگر اُسے نقصان پہنچایا تو وہ انسانی معیار کے لحاظ سے اور زیادہ بدتر بن جائے گا؟"

"یقیناً"

"تو کیا انصاف انسانی جوہر کے معیار کا پیمانہ نہیں ہے؟"

"یقیناً ایسا ہی ہے"

"خوب، تو پھر موسیقار اپنی ذہانت کو کبھی بھی اس ضمن میں صرف نہیں کریں گے۔ کہ ان کے شاگرد بےسُرے ہو جائیں، یا شہسواری سکھلانے والے استاد کبھی بھی یہ کوشش نہیں کریں گے، کہ اُن کے شاگرد بُرے گھڑسوار بن جائیں؟"

"ایسا تو وہ شاذ و نادر ہی کریں گے"

"تو کیا پھر منصف اپنے انصاف کا استعمال یہی کریں گے۔ کہ دوسرے لوگ بےانصاف ہو جائیں۔ یا اجمالاً یہ کہا جائے کہ اچھے آدمی اپنی اچھائیوں کو اس طرح استعمال کریں کہ دوسرے لوگ بُرے بن جائیں؟"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا؟"

"کیونکہ آگ یا گرمی کا کام یہ نہیں ہے۔ کہ وہ اشیاء کو ٹھنڈا کر دے، بلکہ اس کا خاصہ اس کے اُلٹ ہے۔ نہ خشکی کا یہ جوہر ہے۔ کہ وہ اشیاء کو گیلا کر دے، بلکہ اس کا عمل اس سے قطعی مختلف ہے۔"

"ٹھیک"

"تو کیا منصف اور انصاف پسند کا فرض یہ نہیں۔ کہ لوگوں کو نقصان کے اُلٹ عمل سے نوازے۔"

"یہ تو واضح ہے"

"تو جب منصف شخص اچھا آدمی ہوتا ہے، تو پولی مرقس کیا یہ اس کا فرض نہیں ہے۔ کہ وہ نہ تو اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائے، اور نہ کسی اور کو، بلکہ اس شخص کو جو اس کا تضاد ہے یعنی بےانصاف اور ظالم شخص۔"

"سقراط تم نے جو کچھ کہا ہے، یہ ایک مکمل صداقت ہے۔"

"تو پھر وہ شخص عقلمند نہیں تھا، جس نے یہ کہا تھا، کہ انصاف یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا حصہ دیا جائے۔ یا یہ کہ اس کا مطلب تھا۔ کہ منصف انسان کو اپنے دوستوں کو فائدہ اور دشمنوں کو نقصان پہنچانا چاہیئے۔ یہ قول بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ کسی شخص کو کسی وقت بھی نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔"

"گویا میں اور تم، دونوں، اس شخص سے جھگڑیں گے، جس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا خواہ وہ سیمونڈس ہو، بیاس یا پٹیکس یا کوئی بھی بزرگ یا ولی"

"جہاں تک میرا سوال ہے۔ میں اس مسئلے پر تمہارے پہلو بہ پہلو کھڑا ہو کر لڑائی لڑوں گا۔"

کیا تم جانتے ہو کہ ہمیں یہ بات کس نے بتائی ہے کہ انصاف یہ ہے کہ

ایک شخص اپنے دوست کو فائدہ اور دشمن کو نقصان پہنچائے۔ میرے خیال میں یہ خیال پیریینڈر، یا پرڈیکس یا ژرکس یا تھیبس کے اسماتیز کا ہے۔ یا پھر ایسے شخص کا نظریہ ہے۔ جو امیر اور متکبر تھا۔"

"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"اچھا! اچھا" میں نے کہا۔" اب ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔ کہ انصاف کا یہ تصور اور تعریف غلط ہے۔ کیا کوئی اور صاحب اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

۱۔ پہلا بیان اور تنقید یں۔

سقراط بتاتا ہے کہ ابتدائی اخلاقیات بڑا الجھا ہوا موضوع ہے۔ تھریسمکس اس سے انحراف کرنے کے بعد بتاتا ہے کہ ذاتی مفاد ہی سب سے بڑی بات ہے وہ ایک ایسا نظریہ پیش کرتا ہے، جو پانچویں صدی میں غیر معروف نہ تھا۔ بالخصوص تھیسوفسٹ میں تو عام تھا۔ اور وہ اس کے پرچار سے تھکتے نہ تھے۔ ان کی یہ پیش کش بڑی بلند بانگ ہے۔ افلاطون نے بھی اس کو بڑی وضاحت (اور قدرے ضرورت سے زیادہ) بیان کیا ہے۔ وہ اس کا آغاز یہاں سے کرتا ہے۔ کہ انصاف اور حق "مضبوط اور قوی کا مفاد" ہے اور کسی بھی ملک کا حکمران طبقہ جس طرح چاہے، اپنے مفادات کو حاصل کر سکتا ہے۔ اخلاقیات کا کوئی جواز نہیں ہے۔

جب ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ تو تھریسمکس نے کئی بار گفتگو میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ لوگ جو اس کے پاس بیٹھے تھے، وہ اُسے منع کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ بحث کا نتیجہ سننا چاہتے تھے۔ لیکن جب ہم نے بحث ختم کی۔ اور میں نے اپنا سوال پوچھا۔ تو وہ ضبط نہ کر سکا۔ اُس نے اُچھل کر بات شروع کی اور ہم پر یوں لپکا۔ جیسے وہ کوئی وحشی جانور ہو۔ جو ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا ہو۔ میں اور پولی مرکس اس کے اس عمل پر خاصے حیران ہوئے۔ تھریسمکس چیخ پڑا "سقراط یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے۔ تم بچوں کی طرح ہر شخص کی رائے کو بڑے تحمل سے سنتے ہو۔ اگر تم واقعی یہ جاننے کے مشتاق ہو۔ کہ انصاف کیا ہے۔ تو پھر سوالات کا سلسلہ ختم کرو۔ کیونکہ جو شخص تمہارے سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ تم اس کی تردید کرنا شروع کر دیتے ہو۔ تم یہ بخوبی جانتے ہو۔ کہ کسی چیز کا جواب یا حل بتانے سے سوال پوچھنا کہیں بہتر اور آسان ہے۔ تم خود ہمیں بتاؤ۔ کہ تمہارے ذہن میں انصاف کا کیا تصور ہے۔ خود ہی ان سوالوں کا حل بتاؤ۔ اور ہاں خبردار، مجھے یہ نہ بتانا کہ یہ فرض، نقصان، مفاد، نفع یا جائز ہے۔ میں اس قسم کی فضولیات میں سر کھپانا نہیں چاہتا۔ مجھے واضح اور ٹھوس الفاظ میں بتاؤ۔ کہ انصاف کیا ہے۔ تم اس کی کیا تعریف کرتے ہو؟"

میں اس کے اس جملے سے پریشان ہو گیا۔ اور اس کی طرف بے بسی اور مایوسی سے دیکھنے لگا۔ اگر میں اسے پہلے سے نہ جانتا ہوتا۔ تو میں اس کے الفاظ کی بوچھاڑ سے بے حس اور گونگا ہو جاتا۔ بہرحال میں اس شخص کے تاثرات کو اسی وقت سے دیکھ رہا تھا۔ جب ہماری بحث کا آغاز ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تھریسمکس اتنی درشتی سے گفتگو نہ کرو۔ اگر ہم نے بحث کے دوران یا دلائل دیتے ہوئے کوئی غلطی کی ہے۔ تو یقین رکھو۔ کہ ہم نے یہ غلطی کسی مقصد کے تحت نہیں کی ہے۔ کیونکہ اگر ہم سونے کی تلاش میں نکلے ہیں۔ تو تم ہم پر یہ الزام نہیں لگا سکتے ہو کہ ہم نے ارادتاً کوتاہی کی ہو گی۔ یا کوئی کوشش فروگذاشت کی ہو گی۔ کہ ہمیں سونا دستیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ ہم ہر طرح سے کوشش کریں گے۔ کہ ہمیں سونا مل جائے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم نے اپنی طرف سے بہترین کوشش کی ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے۔ کہ ذہانت کی کمی کی وجہ سے ہم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے ہوں۔ اور تمہارے جیسے ہونہار اور ذہین نوجوانوں کو اس پر افسوس کرنا چاہیئے۔ نہ کہ ہم پر خفگی کرنی چاہیئے۔

تھریسمکس بڑی فراخدلی سے ہنسا۔ اور بولا "بس تم اپنے پرانے طور طریقوں پر آ گئے ہو، سقراط، میں انہیں بخوبی جانتا ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ تم کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص تم سے کوئی سوال پوچھے، تم تو اپنی لاعلمی اور جہالت پر شرمندگی کا اظہار شروع کر دیتے ہو۔ اور کسی بات کا واضح جواب دینے کی بجائے، ہر دوسرا حربہ استعمال کرتے ہو،" اور یہ اس لئے کہ تم بہت ہی چالاک ہو۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو۔ کہ تم کسی سے پوچھتے ہو کہ بارہ کے عدد کی وضاحت کرو۔ اور ساتھ یہ شرط بھی لگا دیتے ہو۔" میں سُننا نہیں چاہتا ہوں۔ چھ جمع چھ مل کر بارہ بن جاتے ہیں۔ یا ۳ ضرب ۴ یا چھ ضرب دو یا ۴ ضرب ۳ کا حاصل بارہ ہوتا ہے۔" اب تم خود ہی جانتے ہو۔ کہ ان شرائط اور پابندیوں کے تحت، کوئی شخص تمہارے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا ہے۔ اور وہ یہی کہے گا۔ کہ تھریسمکس، جس طرح تم جواب چاہتے ہو، وہ تو میرے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے میں جواب دینے سے قاصر ہوں۔ اور اگر جواب پہلے ہی صحیح صورت میں پیش ہو چکا ہے۔ تو کیا تم یہ چاہتے ہو۔ کہ میں کوئی غلط جواب دوں۔ اب تم ہی بتاؤ۔ کہ اگر کوئی شخص تم سے اسی طرح سوالات کرے تو تم کیا جواب دو گے؟"

"یہ تو کوئی بات نہ بنی (یہ تو کوئی متوازی اور ہم آہنگ مثال نہیں ہے)" اُس نے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو، لیکن ہمیں سے یہ مقام تو نہیں آتا۔ کہ کوئی دوسرا شخص بھی اس موضوع پر گفتگو نہ کرے۔ ہم تو یہی خواہش رکھیں گے کہ اس موضوع پر جو شخص چاہے بات کرے۔" میں نے کہا۔" خواہ اس کا حل یا الفاظ ہمیں پسند آئیں یا نہ آئیں۔"

"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے رضامند ہو جو میں نے تم سے پوچھے ہیں؟"

"مجھے بھی اس امر پر کوئی تعجب نہ ہو گا۔ کہ اگر تم نے جو تاثر میری گفتگو سے لیا ہے۔ اس

یہاں یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ سقراط نے اپنی گفتگو میں بے شمار انسانی پیشوں کا ذکر کیا تھا۔ خانہ داری، کھانا پکانے سے لے کر گھوڑے پالنے تک ان تمام پیشوں کی وضاحت کے لئے یونانیوں کے پاس ایک ہی لفظ تھا (TECHNE) اس لفظ کا ہم معنی یا متبادل پوری انگریزی زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ جو اتنے ہی وسیع تر معانی دے سکے۔ جو اس لفظ میں پنہاں ہیں۔ یہ لفظ جہاں فنون لطیفہ (موسیقی) کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ وہیں عملی کاموں (کھانا پکانے) کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر طرح کی محنت کے پیشوں کو بھی ظاہر کرتا ہے (جیسے جہاز سازی) اور کسی دوسرے کاریگری اور پیشہ ورانہ مشاغل (سمندری اور فوجی ملازمتیں) پھر سائنٹیفک پیشوں کے لئے بھی یہی لفظ استعمال میں آتا ہے۔ جیسے طب یا علاج معالجہ۔ بہرحال یہ ایک ایسا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ کرنا انتہائی دشوار بلکہ میری نظر میں ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کے متن اور مفہوم میں بے شمار متضاد معانی پنہاں ہیں۔ اسی لئے میں نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ ایک لفظ کو استعمال کرنے کی بجائے مختلف پیشوں کی نشاندہی متن میں کر دی جائے۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کہ پیشوں کے متعلق جو "الفاظ کا مجموعہ" میں نے لکھا ہے۔ اس کے لئے یونانی میں یہی واحد لفظ (TECHNE) استعمال ہوتا ہے۔ اور ہر طرح کے متعلقہ معانی دیتا ہے۔ افلاطون کے قارئین اس سوال کے جواب کو خود ہی تلاش کریں۔ کہ ایک ہی لفظ کو اتنے معانی میں استعمال کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

(مترجم)

کی وضاحت کرو، یا اپنی رائے کا اظہار کرو۔"

"اچھا، اگر میں تمہیں انصاف کی ایک قطعی مختلف حیثیت بتاؤں یا ایک انتہائی انوکھی اور مختلف تعریف کروں تو تمہارا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

"یہی کہ میں اپنی لاعلمی کا اظہار کروں گا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ لوگ جو کسی بات کو نہیں جانتے، انہیں چاہیئے کہ وہ اُن لوگوں سے علم سیکھیں، جو علم سے واقف ہیں۔"

"تم اپنے مذاق سے باز نہ آؤ گے" اس نے کہا "لیکن تمہیں اس کا ہرجانہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔"

"ضرور، لیکن اس وقت جب میرے پاس روپیہ ہوگا۔"

"روپے پیسے کی کوئی بات نہیں ہے" گلکن نے کہا "ہم سقراط کا ہرجانہ[1] ادا کردیں گے، تھریسمکس تم انصاف کی وضاحت کرو۔"

"میں جانتا ہوں، کہ سقراط اپنی عادات سے باز نہیں آئے گا۔ وہ حسبِ معمول اپنی چالاکیوں کا اظہار کرتا رہے گا۔ اور اپنی رائے دینے کی بجائے دوسروں سے سوالات کرنے کے بعد اُن کے جوابوں کی تردید کرتا رہے گا۔"

"لیکن میں کروں بھی کیا؟" میں نے پوچھا "نہ تو میں کچھ جانتا ہوں، اور نہ ہی میں نے کبھی اس کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ میں جو کچھ سوچتا ہوں، اس کا اظہار کروں تو مجھے منع کردیا جاتا ہے، حالانکہ میری سوچ اور فکر کسی طور بھی مخالفانہ نہیں ہوتی۔ اس لئے تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تم ہی کوئی واضح تعریف پیش کرو۔ کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اس سلسلے میں علم رکھتے ہو۔ اس لئے میرے لئے یہ تکلیف کرو۔ اور مجھے اس مسئلے کا حل بتاؤ۔ اور اپنا غصہ کسی پر بھی نہ اتارو۔"

گلکن اور دوسرے لوگوں نے میری پشت پناہی کی اور تھریسمکس بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ اس کے ذہن میں جو جواب ہے۔ اسے بتا کر اعزاز و فخر محسوس کرے۔ پھر بھی وہ اصرار کرتا رہا کہ میں ہی کوئی جواب دوں تاکہ بعد میں وہ اپنا فیصلہ سُنا کر شرط جیت سکے۔ بالآخر اس نے یہ رائے دی۔

"اچھا تو یہی ہے سقراط کی دانشوری۔ وہ کسی کو کچھ سکھانا نہیں چاہتا بلکہ دوسرے لوگوں سے علم حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور ان کا ممنون بھی نہیں ہوتا"

میں نے جواب دیا۔ "تھریسمکس، جہاں تک یہ سوال ہے۔ کہ میں دوسروں سے علم حاصل کرتا ہوں، یہ بالکل سچ ہے۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں ان لوگوں کا ممنون نہیں ہوں۔ میں دوسروں کی تعریف کرنے میں ہمیشہ فیاضی سے کام لیتا رہا ہوں۔ کیونکہ میں یہی چیز ہے جو دوسروں کی خدمت میں پیش کرسکتا ہوں کیونکہ روپیہ پیسہ تو میرے پاس ہوتا نہیں۔ اور تم ابھی دیکھو گے کہ اگر تمہارا نظریہ مضبوط ہوا۔ تو میں کس طرح تمہاری تعریف کروں گا۔ اور انتہائی مشکور رہوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ تم جو جواب دینے والے ہو وہ بڑا قیمتی ہوگا۔"

"اچھا تو پھر سُنو، میرے نزدیک انصاف یا درست فعل کی یہی تعریف ہے۔ کہ اس میں برسرِ اقتدار جماعت کا مفاد ہوتا ہے۔ اب بولو۔ میری صفت و ثنا کیوں نہیں کرتے ہو... میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ تم اس نظریئے کی بھی تردید کرنے والے ہو۔"

"میں تمہارا ممنون ہوں گا۔ لیکن یہ شکریہ اسی وقت ادا کروں گا جب میں تمہارے مفہوم کو پاؤں گا جسے میں سرِدست تو سمجھ نہیں سکا ہوں۔ تم نے کہا ہے کہ جو چیز برسرِ اقتدار طبقے کا مفاد ہے۔ وہ انصاف اور درست فعل ہے۔ اور برسرِ اقتدار طبقہ جس چیز کو پسند کرے وہ درست ہے۔ لیکن میں یہ پوچھوں گا کہ تمہارا "مفاد" سے کیا مطلب ہے؟

★

وہ صلاحیت جو کسی فوج کو جنگ سے محفوظ و آباد جگہ واپس لانے کی ذمہ دار ہے وہی صلاحیت دشمن کو لوٹنے، اُس کے راز حاصل کرنے اور غضب ناک طریقے سے حملہ کر کے اسے ناقابلِ فراموش شکست دینے کے کام آسکتی ہے۔

★

ایک مثال دیکھو۔ جیسے پولی داس جو کھلاڑی ہے ہم سے مضبوط ہے، اور اس کا فائدہ اس میں ہے۔ کہ وہ گوشت کھائے۔ تاکہ اس کی طاقت برقرار رہ سکے۔ ہم جو اس سے کمزور ہیں۔ تو تمہارے خیال میں یہی حق اور یہی مفاد ہمارے لئے نہیں ہو سکتا ہے۔"

"سقراط، تم بڑی تھکا دینے والی، بوجھل گفتگو کرتے ہو۔" اس نے جواب دیا "اور تم نے میری وضاحت کو اس صورت میں لیا ہے۔ جس سے اس کو نقصان پہنچے۔"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ کہ میں ایسا نہیں ہوں۔" میں نے کہا "تمہیں چاہیئے کہ تم اپنا مطلب اور مفہوم اور زیادہ وضاحت سے پیش کرو۔"

"اچھا، یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ بعض ریاستیں ظالمانہ قوانین سے چلتی ہیں۔ اور بعض ریاستیں جمہوری ہیں۔ بعض میں اشرافیہ کی حکومت ہے اور یہ کہ ہر ملک میں طاقت برسرِ اقتدار طبقے کے ہاتھوں میں ہوتی ہے؟"

"ہاں"

"تو پھر جملہ برسرِ اقتدار طبقے ایسے قوانین وضع کرتے ہیں۔ جن میں ان کا اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ ایک جمہوری حکومت، جمہوری قوانین، ایک ظالمانہ حکومت، ظالمانہ قوانین، اور اسی طرح دوسری ریاستیں اپنے مزاج کے مطابق قوانین وضع کرتی ہیں۔ ان قوانین کی تعریف وہ اس طرح کرتے ہیں۔ کہ یہ "درست" ہیں اور اپنے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ جن میں ان کا اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے یعنی حکمران جماعت کا اور اگر کوئی شخص ان قوانین کو توڑتا ہے۔ تو اسے اس کی سزا دی جاتی ہے۔ اور انجام یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ "غلط کار" ہے۔ یہی وہ چیز ہے۔ جسے میں "درست اور جائز" کا نام دیتا ہوں۔ جو مختلف نوعیت اور قوانین کی علمبردار ریاستوں کے قوانین کی تعریف میں کہی جاتی ہے یعنی دوسرے معانی میں برسرِ اقتدار طبقے کے معاملات ... اور پھر یہ کہ یہ برسرِ اقتدار طبقہ ہر ریاست کا "طاقتور عنصر" ہوتا ہے۔ اور اگر ہم صحت سے اس معاملے کو دیکھیں گے تو "درست" بات ہمیشہ سے وہی ہے۔ جس میں برسرِ اقتدار طبقے کا مفاد ہوتا ہے۔"

"اب میں تمہارا مطلب اچھی طرح سے سمجھ گیا ہوں" میں نے جواب دیا۔ "اور اب ہم کوشش کریں گے۔ کہ اس نتیجے تک پہنچیں کہ جو کچھ تم نے کہا ہے کیا وہ حقیقت بھی ہے تمہارے جواب میں "درست" بطور "مفاد" کے آیا ہے (حالانکہ یہی وہ بات ہے جس کے متعلق تم نے مجھے منع کردیا تھا) لیکن اس میں تم نے ایک اضافہ کیا ہے۔ مفاد — برسرِ اقتدار طبقے کا"

"تم اسے ایک غیر تسلی بخش عنصر حیثیت کا نام دو گے؟" اس نے کہا۔

"لیکن اس کی اصلیت اور مقصد ابھی واضح نہیں ہوا ہے۔ اور جب وضاحت ہوجائے گی۔ تو پھر ہم غور کریں گے۔ کہ آیا جو کچھ تم نے کہا ہے۔ وہ حق ہے۔ کیونکہ جہاں تک تو میں تم سے متفق ہوں۔ کہ "درست اور جائز" کا مطلب "مفاد اور نفع" ہے۔

[1] سقراط کے دور میں ایتھنز کے لوگوں میں شرطیں بدنا، ہرجانہ کرنا، عام رواج تھا۔ (س۔ ط)

لیکن تم نے یہ اضافہ کر دیا ہے۔ کہ یہ مفاد برسرِ اقتدار طبقے کا ہوتا ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا ہوں اور اسی پر غور کرنا چاہتا ہوں۔

"اچھا ... تو میں تمہاری بات سننا چاہتا ہوں" اس نے کہا۔

"ضرور ... تم نے کہا ہے کہ برسرِ اقتدار طبقے کی اطاعت درست فعل اور انصاف ہے؟"

"ہاں"

"اور کیا ان ریاستوں میں اقتدار بے خطا اور منزہ ہوتا ہے یا نہیں؟"

"ایسا بھی ہے، اور بلاشبہ اُن سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں" اس نے جواب دیا۔

"اچھا تو جب وہ قوانین وضع کرنے لگتے ہیں۔ تو کیا وہ اپنی بہترین کوشش کرتے ہیں یا بدترین؟"

"میرے خیال میں بہترین"

"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ اپنی بہترین کوشش کرتے ہیں۔ تو قوانین کا مفاد ان کے لئے ہوتا ہے۔ اور اگر وہ انہیں بدترین طریقے سے وضع کریں تو پھر ایسا نہیں ہوتا۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟"

"ہاں، مجھے اس سے اتفاق ہے۔"

"لیکن عوام کے لئے اِن قوانین کی اطاعت لازمی ہے، اور ان کے لئے ایسا کرنا درست فعل ہے۔"

"بے شک"

"خوب، تو تمہاری دلیل کا مطلب یہ ہوا کہ "درست" عمل یہی نہیں کہ وہ برسرِ اقتدار جماعت کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے مخالف طبقے کے لوگوں کے لئے بھی؟"

"اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرا مطلب وہی ہے، جو تمہارا ہے۔ اسے ذرا اور غور سے دیکھو۔ کیا ہم اس پر متفق نہیں ہوتے۔ کہ جب برسرِ اقتدار طبقہ قوانین کی تشکیل کرتا ہے۔ تو کبھی کبھار اُن سے غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ جس سے ان کا بہترین مفاد کمزور ہو جاتا ہے۔ اور پھر بھی عوام کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ ان تمام متعلقہ اور منجملہ قوانین کی اطاعت کریں۔ کیونکہ ان کے لئے یہی امر درست قرار دیا گیا ہے؟"

"میرا خیال ہے۔ کہ اس پر ہم نے رضامندی ظاہر کی تھی۔"

"تو پھر تمہیں تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کہ چیزوں کو صحیح طریقے سے پیش کرنا، اور وضع کرنا، حکمرانوں کے مفاد ہی پر مبنی نہیں ہوتا، جو کہ برسرِ اقتدار جماعت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ حکمران غلطی سے ایسے احکام صادر کر دیں۔ جن سے انہیں نقصان پہنچتا ہو۔ (اور تم کہتے ہو) کہ رعایا کے لئے یہ لازمی ہے۔ کہ وہ اِن قوانین کی اطاعت کرے۔ اور یقیناً اس صورتِ حال میں، میرے پیارے تھریسمکس تو درست عمل وہی ہے۔ جو مخالف طبقے کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ کمزور طبقوں کو حکم ہوتا ہے، کہ وہ برسرِ اقتدار طبقے کے مفادات کے برعکس عمل کر سکیں۔"

"میرے خیال میں تو ساری بات واضح ہو گئی ہے۔" پولی مرقس نے جوش سے کہا۔

"بے شک" کلیٹوفون نے کہا "اور صرف اس صورت میں اگر ہم "تمہاری" بات پر یقین کریں۔"

"یہاں سوال میری رائے یا "بات" کا نہیں ہے۔" پولی مرقس نے کہا "بلکہ تھریسمکس نے خود تسلیم کر لیا ہے۔ کہ برسرِ اقتدار طبقہ بعض اوقات خود ایسے قوانین کا نفاذ کرتا ہے۔ جو اُن کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اور اُن کے متابعین کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی اطاعت کریں۔"

"ہاں، پولی مرقس، یہ بات اس لئے پیدا ہو گئی ہے۔ کہ اس نے کہا تھا۔ کہ رعایا کا یہ فرض ہے، برسرِ اقتدار طبقہ جو قوانین وضع کرے، ان کی اطاعت کرے۔"

"اور یہ بھی۔ کہ طاقتور کا مفاد بھی جائز ہے اور ان دونوں نظریوں کو مشترک کرتے ہوئے، اس نے تسلیم کیا ہے، کہ طاقتور جماعت بعض اوقات ایسے احکام بھی دیتی ہے۔ جن میں ان کا مفاد نہیں ہوتا ہے۔ اور پھر یہ کہ کمزور طبقوں کو ان کی اطاعت کرنا لازمی ہے۔ اور جو برسرِ اقتدار طبقے کے لئے درست نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اُلٹ ہے۔"

"لیکن تھریسمکس کے کہنے کا ایک مطلب اور بھی تھا" کلیٹوفون نے اعتراض کیا۔ "اور وہ یہ تھا۔ کہ حکمران طبقے کی نظر میں طاقتور کا مفاد وہ ہوتا ہے، جو اس کے اپنے ذہن میں ہو۔ جس کا اُسے خود خیال ہو۔ اور یہی وہ امر ہے۔ جس کی اطاعت کرنا محکوموں کے لئے لازمی ہے۔ تھریسمکس یہی وضاحت پیش کر رہا تھا۔"

"لیکن یہ بات تو اس نے نہیں کہی تھی" پولی مرقس نے جواب دیا۔

"پولی مرقس، اس سے بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر تھریسمکس کا یہی مطلب تھا۔ تو ہمیں اسے بعینہٖ قبول کر لینا چاہیئے۔ تھریسمکس تم مجھے بتاؤ، کہ کیا تمہاری تعریف اسی مفہوم پر مبنی تھی۔ کہ "درست" وہ ہے۔ جسے طاقتور اپنے لئے مفید خیال کرتا ہے۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟"

"یقیناً نہیں" اس نے جواب دیا "کیا تم یہ سوچتے ہو کہ میں اس شخص کو "قوی" کہوں گا۔ جس نے غلطی کی ہے، اور وہ اپنی غلطی کا اعادہ کر رہا ہے؟"

"میرے خیال میں جب تم نے تسلیم کیا تھا۔ تو تمہارا مطلب یہ تھا۔ کہ حکمران بے خطا ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار اس سے غلطی بھی سرزد ہو سکتی ہے۔"

میرا مطلب ہے کہ تم دلائل کو بدخواہی اور کینہ پروری سے اخذ کرتے ہو سقراط کیا تم کسی ایسے شخص کو اس کی ذہانت کی بنا پر ڈاکٹر کہو گے، جو نسخہ کی تیاری میں غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اور کیا تم ایک ریاضی دان کو جب وہ حساب کتاب میں غلطی کرے تو ریاضی دان مانو گے ... بالخصوص اس وقت، جب وہ غلط حساب کر رہا ہے، ہم نے الفاظ کو اسی لئے استعمال کیا تھا۔ کہ اُن سے غلطی کا امکان ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، ان میں سے ہر شخص قطعی طور پر بے خطا اور مکمل ہوتا ہے۔ اور جہاں تک واضح اور مکمل جواب کا تعلق ہے (جسے تم چاہتے ہو) تو پھر کوئی بھی ماہر، اور اپنے فن کا استاد کسی وقت بھی غلطی نہیں کرتا ... وہ اسی وقت غلطی کرتا ہے۔ جب اس کی ذہانت اور صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں۔ اور اس کے بعد وہ ذہین اور ماہر فنکار یا اُستاد نہیں رہتا ہے۔ پس کوئی کاریگر یا سائنسدان کبھی غلطی نہیں کرتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی حکمران، جب تک کہ وہ حکمران ہے۔ ہاں یہ درست ہے۔ کہ عام محاورے میں کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں ڈاکٹر یا حکمران نے غلط قدم اُٹھایا۔ جیسے کہ ابھی میں نے اپنی بات چیت میں کہا تھا۔ لیکن جہاں تک مکمل اور ٹھوس صداقت کا سوال ہے۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ جب تک حکمران، حکمران ہے، اس سے غلطی کا امکان نہیں ہے۔ اس لئے وہ بڑی مضبوطی اور استقامت سے انہی چیزوں سے رابطہ رکھتا ہے۔ جو اس کے لئے بہترین مفادات کی حامل ہیں۔ اور اس کی رعایا کو ان کی اطاعت کرنا لازمی ہے۔ اور میں پھر یہی کہوں گا۔ جس سے میں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ کہ "درست" کا مطلب برسرِ اقتدار جماعت کا مفاد ہے۔"

ہر شخص اپنے مخصوص
جبلت اور حالت میں ایک
دوسرے کو نفع پہنچاتا ہے۔

"اچھا تو تمہارے خیال میں، میں بدنگاہ اور کینہ پرور ہوں" میں نے پوچھا۔
"یقیناً میں یہی کہوں گا" تھریسمکس نے جواب دیا۔
"تم یہ سوچتے ہو کہ میرا سوال ارادۃً ایسی تشکیل کا حامل تھا، کہ تمہاری دلیل کا شیرازہ بکھر جائے؟"
"میں اس سلسلے میں تمہاری تمام عادتوں سے واقف ہوں، لیکن ان کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے ... اور نہ ہی دلائل میں مجھے نیچا دکھا سکتے ہو۔"
"میرے پیارے عزیز" میں ایسا کرنے کا کبھی خواب بھی نہ دیکھوں گا" میں نے کہا۔
"لیکن اس قسم کے کسی دوسرے موقعے کے پیدا ہونے سے پہلے کیا یہ بہتر نہیں ہے، کہ تم ایک نکتے کو واضح کر دو۔ جب تم یہ کہتے ہو، حکمران اور حکمران جماعت کا مفاد یہی ہے، کہ کمزور طبقے ان کی خدمت کریں۔ تو کیا تم نے الفاظ کو ان کے عمومی معانی میں استعمال کیا تھا یا ان کی صحیح اور ٹھوس صورت میں، جس کی تم نے وضاحت کی ہے؟"
"حکمران طبقے سے میری مراد ٹھوس احساس کی صورت میں تھی" اُس نے جواب دیا۔
"تم اپنی یہ گھٹیا چالبازیاں استعمال کر سکتے ہو، لیکن میں تم سے نہ ہاروں گا" اور تمہارے لئے کامیابی حاصل کرنا انتہائی دشوار ہے۔"
"یقیناً ... اور تم جانتے ہو۔ کہ میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔ کہ شیر کی داڑھی چباؤں اور تھریسمکس سے چالبازی کروں!"
"تم نے ابھی ایسی چالبازی کی تو تھی" اُس نے جواب دیا "لیکن افسوس کہ تمہیں اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔"
"خیر اس بات کو یہیں ختم کرو، اور مجھے بتاؤ کہ وہ ڈاکٹر جس کی تم مثال دے رہے تھے کیا وہ اپنے صحیح حواس میں تھا۔ کیا وہ کاروباری آدمی ہے۔ یا کوئی طبی معالج؟ میرا مطلب ہے۔ یعنی وہ صحیح معنوں میں ڈاکٹر ہے؟"
"ایک طبی معالج"
اور ایک جہاز کا کپتان؟ کیا وہ اپنے عملے کا فرد ہو سکتا ہے۔ یا ان کا حاکم؟"
"ان کا حاکم"
"اچھا تو جب وہ جہاز کے تختے پر ہوتا ہے۔ تو صرف اسی وجہ سے اُسے عملے کا ایک فرد نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذہانت کی بنا پر تختۂ جہاز پر نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اپنی پیشہ ورانہ محنت کی بنا پر اپنے عملے پر حکمران ہے؟"
"ہاں یہ ٹھیک ہے"
"اور ہر جماعت پیشے کے اپنے مخصوص مفادات ہوتے ہیں؟"
"ہاں"
"اور ہر ایک صورت حال میں متعلقہ پیشے کی نوعیت اس کے مفاد سے جانچی جاتی ہے؟"
"ہاں یہی اس کی معروضیت ہوتی ہے۔"
"تو کیا پھر کسی پیشے کی کوئی ایسی صورت یا نہج ہو سکتی ہے جس کا مفاد اور مقاصد اس کے اپنے مفاد کی تکمیل سے برتر و اعلیٰ ہو؟"
اُس سے تمہارا کیا مطلب ہے" تھریسمکس نے پوچھا۔
"مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ تم مجھ سے یہ سوال پوچھتے ہو۔ کہ کیا انسانی جسم خود مختار ہے۔ اپنے آپ میں مکمل ہے اور اس کی اپنی حدود سے باہر کوئی ضروریات ہیں یا نہیں؟ تو میں یہی جواب دوں گا۔ "یقیناً اس کی دوسری ضروریات ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا میں دوائیاں ایجاد ہوئی ہیں، کیونکہ جسم کو تکالیف بھی پہنچتی ہیں۔ اور ان کا علاج ہونا ضروری ہے۔ اس لئے طبی ذہانتیں اور پیشہ کی خصوصیت یہی ہے۔ کہ وہ انسانی جسم کے مفادات اور فوائد کو مدِنظر رکھیں" کیا تمہارے خیال میں میرا یہ جواب درست ہو گا؟

★

هر چیز وه هوتی
ہے جو کہ اس کے
نسبت ہو۔

★

"ہاں"
"پھر اس کے علاوہ ان فنون کی اپنی مقتضیات ہیں۔ کیا ہر قسم کا پیشہ اور ذہانت یا سرگرمی یہ تقاضا نہیں کرتی کہ وہ مکمل اور بے خطا ہو؟ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ آنکھوں کو بینائی چاہیے، اور کانوں کو سماعت۔ اور اسی طرح یہ ایک ایسا طریقۂ کار بھی چاہتے ہیں۔ جس سے ان کے مفادات کی نگرانی کی جا سکے۔ لیکن کیا کسی بھی پیشے یا فن کا یہ نقص نہیں ہے کہ وہ نامکمل ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہر چیز اپنی ضروریات کا مطالبہ علیحدہ علیحدہ نہیں رکھتی۔ یا یہ کہ بحیثیت مجموعی تمام اشیاء ایک دوسرے کی نگرانی کرتی ہیں۔ تاکہ ان کے نقائص دور ہو سکیں؟ کیا ہر سائنس پیشے اور فن میں خامیاں نہیں ہوتی ہیں؟ کیا یہ تمام شعبے واضح، مکمل اور ٹھوس بن چکے ہیں! ان میں کوئی خامی نہیں ہے۔ اور پھر یہ کہ کیا یہ اپنی قطعیت اور معراج کو پہنچ چکے ہیں، میرا تو خیال ہے کہ ابھی ان کی پوری تکمیل نہیں ہو سکی، اب تم کہو کہ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟"
"تم ٹھیک کہتے ہو؟" اس نے جواب دیا۔
"اچھا تو پھر دوائی جو ہے، وہ اپنے مفاد کی بجائے جسم کی بہتری کا خیال رکھتی ہے؟
"ہاں"
اور تربیت اپنا خیال نہیں رکھتی بلکہ گھوڑے کی بہتری کا خیال رکھتی ہے؟
اور نہ ہی کوئی سائنس یا فن اپنے بجائے اپنے موضوع کا خیال رکھتا ہے۔ بلکہ ہر فن اپنی ذات کی بجائے اپنے عمل کے لئے کوشاں ہے"
"ہاں یہ تو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔
"اور پھر یہ بھی یقینی امر ہے۔ کہ فنون اور سائنس اپنے موضوعات پر حکمرانی اور غلبہ رکھتے ہیں۔"
تھریسمکس نے بادل نخواستہ اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔
"تو پھر کوئی سائنس یا فن کسی مقتدر جماعت کے مفادات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ وہ تو کمزور جماعت کے حقوق کا خیال رکھتی ہے۔ جو اس کا موضوع ہیں۔"
بالآخر وہ اس پر بھی رضامند ہو گیا۔ اگرچہ اس نے اس امر پر جھگڑا بھی کیا جب اس نے اس امر کو تسلیم کر لیا۔ تو میں نے بات کو آگے بڑھایا۔ "تو پھر ثابت ہوا کہ ایک ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹر کا خیال نہیں رکھتا، بلکہ وہ اپنے مریض کی بھلائی کے لئے سوچتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ ڈاکٹر جو صحیح مزاج اور صحیح احساس کا مالک ہے۔ وہ جسم کی احتیاجات کو پورا کرتا ہے۔ اور وہ اس سے کاروبار نہیں کرتا، کہ اس سے نفع کمائے؟ کیا ہم یہی نہیں سوچتے؟
اُس نے رضامندی کا اظہار کیا۔

لہ - معالج اور مریض - کپتان اور اس کا عملہ ...

" اور کیا ہم نے اس امر کو تسلیم نہیں کیا کہ کسی جہاز کا کپتان اپنی صحیح فطرت اور کارکردگی کے لحاظ سے اپنے عملے پر کنٹرول کرتا ہے، اگرچہ وہ ان میں سے نہیں ہوتا؟ اور اسی لئے یہ کپتان ایسے احکام جاری نہیں کرے گا۔ جن میں اس کا اپنا فائدہ ہو۔ بلکہ وہ اپنی کارکردگی اور اصل فرائض سرانجام دے گا۔ اس سلسلے میں وہ عملے کی بہتری اور اپنی ذہانت کو بروئے کار لائے گا۔ اس کی کارکردگی کا خاصہ یہی ہے۔ کہ وہ وہی بات کہتا ہے۔ اور کرتا ہے۔ جو مناسب ہے۔"

۲۔ دوسرا بیان اور اس کی قطعی تردید۔

جب بحث اس مقام پر پہنچی تو یہ بات ہر شخص پر عیاں ہو گئی۔ کہ انصاف کی پہلی تعریف کو قطعی طور پر رد کر دیا گیا ہے۔ اس موقع پر تھریسی مکس نے جواب دینے کی بجائے سوال پوچھا " سقراط، مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہاری کوئی نرس ہے؟"

" تمہارا مطلب؟" میں نے پوچھا " اس قسم کی باتیں پوچھنے کے بجائے تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے رہو؟"

" اسی لئے کہ وہ بے چاری تو تمہاری رینٹھ صاف کرتی رہی، رال پونچھتی رہی اور تم نے اسے یہ بھی نہ بتایا۔ کہ بھیڑ اور گلّے بان میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

" تم یہ بات اصل میں کہہ کیوں رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

" کیونکہ تمہاری باتوں کا یہی مطلب نکلتا ہے۔ کہ گلّے بان اور چرواہے اپنے گلّوں اور جانوروں کے مفاد کے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔ اور ان کی احتیاط کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اپنے اور اپنے آقا کے مفادات کو مدنظر نہیں رکھتے۔ اور اسی طرح تم حکومتوں کے حکمرانوں کو مدنظر نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ واقعی اچھے ہیں تو وہ اپنی رعایا کی بہتری کا خیال رکھیں گے جیسے چرواہے اور گلّے بان اپنی بھیڑوں وغیرہ کا خیال رکھتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور کوئی بات مدنظر نہیں رکھتے کہ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ تمہارا خیر اور شر کا نظریہ بلاشبہ وسیع تر ہے۔ تم اس سے باخبر نہیں ہو کہ انصاف اور درست عمل کے دوسرے معانی بھی دوسرے اشخاص کی بھلائی سے متعلق ہیں۔ یا حکمران یا حکمران طبقے کے مفادات ہی مدنظر رکھیں جائیں اور یہ ان لوگوں کے متعلق ہیں۔ جو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ بے انصافی اور ظلم کے معانی اس کے بالکل برعکس ہیں پھر یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ قوانین، بعینہٖ پر اس لئے لاگو کئے جاتے ہیں۔ کہ ان میں ان قوانین کو وضع کرنے کی سکت نہیں ہوتی۔ نیز یہ بھی کہ انہیں اپنی خوشی سے زیادہ اپنے حکمرانوں کی خوشی کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔ سقراط، مجھے شبہ ہے کہ تم بہت ہی سادہ دماغ کے آدمی ہو۔

تمہیں چاہیئے کہ تم اس پر غور کرو کہ کس طرح منصف آدمی بے انصافی سے بدتر انسان بن جاتا ہے۔ مثلاً تم بے انصاف اور انصاف پسند آدمی کے کاروبار کے متعلق غور کرو، کاروبار کے خاتمے پر انصاف پسند شخص بھی بے انصاف آدمی سے بہتر ثابت نہ ہو گا۔ پھر ان لوگوں کا تعلق ریاست سے بھی غور طلب ہے۔ جب ٹیکسوں کی ادائیگی کا مسئلہ آئے گا۔ تو انصاف پسند آدمی اپنی آمدنی سے بہت کم ٹیکس ادا کرے گا۔ لیکن جب کسی چیز کو حاصل کرنے کا موقع آئیگا تو وہ ساری چیز حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ بلکہ حاصل کرے گا۔ جہاں تک اس کے عہدے کا سوال ہے۔ تو پھر یہ امر سامنے رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر انصاف پسند شخص کچھ گنواتا نہیں ہے۔ تو وہ اپنے ذاتی مسائل سے لاپروائی برت جائے گا۔ اس کی دیانتداری اس سلسلے میں بیدار بن جائے گی۔ کہ وہ پبلک فنڈ سے اپنا حصہ لے سکے اور اس کے دوست اور رشتے دار اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔ کیونکہ وہ ان کے مفادات کی حوصلہ افزائی نہ کرے گا۔ لیکن اس کے برعکس غیر منصف شخص کے ہاں ہر بات جائز ہے۔ میں اس شخص کے متعلق سوچ رہا ہوں جس کا میں نے حوالہ دیا ہے۔ کہ اس نے کس طرح بہت زیادہ دولت اکٹھی کر لی۔ یہ شخص معاملات اور کاروبار کے سلسلے میں یہ امر مدنظر رکھے گا کہ اسے اپنے ذاتی کاروبار کے اندر بھی کتنا زیادہ فائدہ ہے۔ اگر تم ظلم اور بے انصافی کو اس کی حدود تک سامنے رکھو۔ تو بہت ساری حقیقتیں تم پر عیاں ہو جائیں گی۔ جو بے انصافیوں پر عمل کرنے والے لوگوں کی زندگی میں کتنی مسرتیں لاتی ہیں۔ اور اس طرح ان کی ایمانداری مجروح و نابود ہو جاتی ہے۔ یہاں میں ظلم کا ذکر کر رہا ہوں۔ اور ظلم کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یعنی معمولی چوری اور جھگڑا نہیں ہے بلکہ ایک مکمل تباہی، لعنت اور بربادی ہے۔ خواہ ذاتی ہو یا عوامی۔ اگر تم اس قسم کے جرائم کرتے ہوئے پکڑے جاؤ۔ تو ظاہر ہے۔ کہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ ہم بُرے کاموں کو اغوا، دھوکہ بازی، جعلسازی، ناپاکی، ڈاکہ اور چوری کا نام دیتے ہیں۔ لیکن جب ایک شخص تمام شہریوں کو لوٹنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور انہیں اپنی اطاعت اور غلامی میں لے لیتا ہے۔ تو وہ گندے اور بُرے نام بھول جاتے ہیں۔ اور اُسے مسرور اور خوش قسمت کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ وہ لوگ جو بے انصافی اور غلط کاری کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں۔ کہ وہ خود اُن کی تکلیفوں کا نشانہ بننے کے لئے تیار نہیں رہتے۔ وہ بے انصافی کرنے سے خوفزدہ نہیں ہوتے ہیں۔

تو اس طرح ہم پر یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بے انصافی جو ہمیں مواقع دیتی ہے۔ وہ زیادہ قوی، مضبوط اور آزاد ہوتے ہیں۔ جبکہ انصاف کے دیئے ہوئے مواقع محدود ہیں۔ اور یہ بات بھر وہیں جا پہنچی ہے جہاں سے میں نے اس کا آغاز کیا تھا۔ کہ انصاف ــــ برسر اقتدار جماعت یا حکمران کے مفادات کا نام ہے۔ اور بے انصافی یا نفع ایک شخص کی ذات کے لئے ہے..."

اپنی فصاحت و بلاغت کی اس طغیانی کے بعد، تھریسی مکس نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن دوسرے حاضرین اسے جانے سے روکنے لگے۔ اور اُسے مجبور کرنے لگے۔ کہ وہ ٹھہرے اور جرح کا جواب دے۔ میں نے ان لوگوں کی حمایت کی۔ اور کہا " میرے عزیز تھریسی مکس، تمہارے لئے یہ واجب نہیں ہے۔ کہ تم اس نظریئے کو اس طرح پیش کرنے کے بعد جانے کا ارادہ کر رہے ہو۔ اور اس نظریئے کی وضاحت اور آزمائش کئے بغیر ہی یہاں سے جانے کا ارادہ باندھ لیا ہے۔ جب کہ اس کی صداقت کو آزمانا انتہائی ضروری ہے۔ یقیناً یہ ایسا معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ کہ ہم اسے اسی طرح رہنے دیں، اگر ہمیں بہتر زندگی بسر کرنی ہے، اور زندگی کے فوائد سے لطف اندوز ہونا ہے۔ تو کیا واقعی ہم اس کو اس طرح بغیر جھگڑے چھوڑ دیں؟"

" میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" اس نے رُکھی بے رُخی جواب دیا۔

" تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تمہیں شاید اس چیز کا خیال نہیں ہے۔ کہ ہم لوگ جو لاعلمی اور جہالت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور تم منشی ہو کہ تمہارا علم ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔ تو پھر تم ہمیں اپنے علم سے فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہیں دیتے۔ آؤ، بیٹھ جاؤ، اپنے راز کو افشا کرو، اور یقین کرو۔ کہ یہ بات غیر سود مند ثابت نہ ہو گی۔ کہ اتنے لوگ تمہارے علم سے مستفید ہوں گے جہاں تک میری ذات کا مسئلہ ہے۔ تم مجھے متاثر نہیں کر سکے۔ اور میں اس امر کو ماننے کے لئے قطعی تیار نہیں ہوں۔ کہ بے انصافی کرنے کے نتائج انصاف سے کہیں زیادہ ہیں۔ خواہ وہ اپنے دائرہ کار میں سب کچھ کرنے کی آزادی ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔ نہیں، میرے عزیز تھریسی مکس! میں تم اسے غیر منصف انسان کو تمہارے سامنے ہی چھوڑتا ہوں۔ اور میں اُسے وہ جملہ صلاحیتیں دیتا ہوں۔ کہ وہ اپنی غلط کاریوں کو دھوکے، جبر، یا بے انصافی سے جاری رکھے۔ پھر بھی وہ مجھے یہ ترغیب نہیں دے سکتا۔ کہ بے انصافی کا حاصل اور مآل انصاف سے بہتر ہوتا ہے۔ اور یہاں ایسے لوگ اور بھی ہوں گے۔ جو میری طرح ہی محسوس کر رہے ہوں گے۔ اس لئے یہ تمہارا فرض ہے۔ کہ تم ہمارے اس نظریئے کی تردید کرو۔ کہ انصاف، بے انصافی سے زیادہ قیمتی اور اعلیٰ حیثیت کا حامل ہے۔"

" اچھا۔ تو مجھے کس طرح تمہیں ترغیب دینی چاہیئے؟" اس نے پلٹ کر کہا " جب

تم میری بات پر ایمان ہی نہیں رکھتے ہو۔ اسے صحیح تسلیم ہی نہیں کرتے ہو۔ اب میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہوں؟" کیا تم چاہتے ہو کہ نظریات ہمیشہ تمہیں میں رکھ کر دیئے جائیں۔ کہ تم انہیں نگل سکو؟"

"ہرگز نہیں، کسی طرح بھی نہیں" میں نے جواب دیا۔ "بلکہ اس طرح کہ تم زیادہ وضاحت اور تصریح سے اپنی بات کو مدلل ثبوت کے ساتھ منواؤ۔ کیونکہ اگر تم اپنے نظریات سے مخلص ہو۔ تو تم ان کا جواز بھی پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہو گے۔ اب یہی دیکھو۔ کہ جب ایک سچے ڈاکٹر کی تعریف کی گئی۔ تو تم ایسے مان گئے۔ لیکن جب چرواہے کی تعریف پر آئے۔ تو تم نے اپنی صداقت کے معیار کو ترک کر دیا۔ اور کہا۔ کہ ایک چرواہے یا گلہ بان کا کاروبار یہ ہے کہ وہ اپنے گلے کو موٹا تازہ بنائے۔ اپنی بھلائی کے نظریئے سے نہیں، بلکہ اس لئے کہ اس سے اچھی غذا مل سکے۔ جو کسی اعلیٰ مہمان کے شایان شان ہو۔ یا یہ کہ اسے اچھے داموں پر فروخت کر سکے۔ بالکل ایک کاروباری کی طرح، جیسے وہ ایک گلہ بان کی بجائے ایک تاجر ہے۔ حالانکہ ایک چرواہے کا اصلی کام یہی ہے، کہ وہ اپنے گلے کے فائدے کو مدنظر رکھ کر اس کی نگہداشت کرے۔ اور جب تک اس کے کام کی خصوصیات خود اس کی نفی کرتی ہیں مان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ بہتری کے نتائج کی حامل رہتی ہیں۔ اور اس طرح سے ہم بہ آسانی اس فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی ذمے داری خواہ وہ ذاتی ہو یا اجتماعی، ہمیں یہی ترغیب دیتی ہے۔ کہ ہم اپنے موضوعات اور کارکردگی کے جملہ فرائض اچھی طرح سرانجام دیں۔ لیکن کیا تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ تمہارے خیال میں ریاستوں کے حکمران (جو صحیح معنوں میں حکمران ہیں) حقیقت میں حکمرانی اور حکم چلانا پسند کرتے ہیں؟"

"میں اس سلسلے میں تخیل ہی نہیں بلکہ علم بھی رکھتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تھریسی میکس! یہ ہوئی نا بات" میں نے کہا "لیکن تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا ہے۔ کہ کوئی بھی شخص دوسری قسم کی ذمے داریوں کو خوش کرنا پسند کرتا ہے! وہ تو توقع رکھتے ہیں۔ کہ ان ذمے داریوں کا انہیں معاوضہ دیا جائے جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ اس سے کوئی ذاتی مفاد حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے درگئن سے بہ خوبی عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں۔ اور کیا تم مجھے یہ بھی بتاؤ گے کہ ایک فن یا پیشہ کا مدہ سرت یعنی آرٹ کے نتائج میں کتنا تضاد ہوتا ہے؟ اب مہربانی کر کے مجھے بتاؤ کہ تمہارا اس سلسلے میں کیا خیال ہے۔ تاکہ ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

"یہ فرق تو اسی پیمانے سے ہوتا ہے۔ کہ ان میں خود کتنا فرق اور تضاد ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تو یوں ہوا کہ ہر چیز اپنی مخصوص حالت اور حیثیت میں ہمیں نفع پہنچاتی ہے۔ یعنی ڈاکٹر ہماری صحت کا محافظ ہے۔ کپتان ہمارے سفر کی بے خطری کا ضامن ہے اور اسی طرح۔ ؟"

"ہاں یہ بالکل سچ ہے"

"تو تنخواہ کے لئے کام کرنے کا حاصل تنخواہ ہے۔ کیونکہ اس کی یہی ذمے داری ہے۔ اور پھر یہ کہ اس طرح تو ہم دوائیوں اور بحری سفر کی بھی صحیح تعریف نہیں کر سکتے ہیں یعنی ان حالات میں ..... اور جیسا کہ تم نے تجویز کیا تھا۔ تم الفاظ کو پوری صداقت کے ساتھ استعمال کرنا چاہتے ہو۔ یعنی کیا تم سمندری سفر کو بھی ایک دوائی کا نام دے سکتے ہو، جبکہ ایک جہاز کا کپتان سمندری سفر کے دوران اپنی صحت بحال کر لیتا ہے۔ کیونکہ سمندر اُسے راس آتا ہے؟"

"نہیں۔"

"نہ ہی تم تنخواہ کے لئے کام کرنے کو دوائی کہہ سکتے ہو، جبکہ ایک شخص روپے کمانے کے دوران اپنی صحت بحال کر لیتا ہے۔"

"نہیں"

"تو کیا تم روپے پیدا کرنے کو دوائی کہہ سکتے ہو، جب کہ ایک ڈاکٹر کسی مریض کا علاج کرتے وقت اس کی فیس لیتا ہے؟"

"نہیں" اس نے کہا۔

"تو پھر کیا ہم اس امر پر متفق ہیں، کہ ہر پیشے میں اس کا اپنا خاص مفاد ہوتا ہے؟"

"ہاں میں اسے منظور کرتا ہوں۔"

اسی لئے مشترکہ مفاد، جس سے تمام پیشے مستفید ہوتے ہیں، کسی ایسے عمل سے حاصل ہوتا ہوگا۔ جو سب کے لئے مشترک قدر کی حیثیت رکھتا ہے؟"

"ہاں... نتیجہ تو یہی نکلتا ہے۔"

"اور مزید یہ کہ اگر کوئی شخص تنخواہ حاصل کرتا ہے تو پھر وہ تنخواہ اس عمل اور کام سے حاصل ہوتی ہوگی۔ جسے وہ پیشہ وارانہ طور پر اختیار کرتا ہے۔" اس نے اس پر بھی قدرے بے دلی سے رضامندی کا اظہار کیا۔

"یہ تنخواہ اس شخص کی اس محنت کا حاصل ہے۔ جو اس کے خاص پیشے کا جوہر کی سی ہے۔ اگر ہم زیادہ صحت اور صداقت سے کہیں تو دوائی کا کام صحت بخشنا ہے اور کام کرنا تنخواہ حاصل کرتا ہے۔ گویا اسی طرح دوسرے تمام پیشے اور فنون بھی اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ جو ان کے موضوعات سے متعلق ہیں۔ اور کوئی شخص اس وقت تک اپنے پیشے سے نفع حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس کا خاطر معقول معاوضہ حاصل نہ کر سکے۔"

"ایسا محسوس تو نہیں ہوتا" اس نے کہا۔

"اگر ایک شخص کسی معاوضے یا نتیجے کے لئے کام نہیں کرتا، تو کیا کوئی اور فائدہ نہیں اٹھاتا؟"

"میرا خیال ہے۔ کہ کوئی دوسرا تو فائدہ اٹھائے گا ہی۔"

"تھریسی میکس، یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے، کہ کوئی پیشہ، یا فن یا دستکاری اپنے آپ کو فائدہ نہیں پہنچاتا، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ جن موضوعات اور اشیاء سے متعلق ہے۔ اور اس طرح اس کے پیش نظر کمزور جماعت ہوتی ہے۔ نہ کہ برسر اقتدار طبقہ۔ اور اسی لئے میں نے یہ کہا تھا۔ کہ کوئی شخص بھی کسی دوسری ذمے داری کو قبول کرنا پسند نہیں کرتا۔ کہ وہ دوسرے لوگوں کی خامیوں کی تصحیح کرے۔ جب تک کہ اسے اس کا معاوضہ نہ مل جائے۔ کیونکہ اس سے وہ اپنی ذہانت کا اصراف کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض کو احسن طریقے سے سرانجام دیتا ہے تو وہ نہ تو ایسے احکام صادر کرتا ہے، اور نہ اپنی بہتری کے لئے ہی کچھ کرتا ہے۔ بلکہ اس کے پیش نظر دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کی بھلائی اور بہتری کو سوچتا ہے۔ اگر کوئی شخص ذمے داری قبول کرتا ہے تو اسے اس کا معاوضہ لازمی طور پر دیا جاتا ہے۔ خواہ وہ روپے کی صورت میں یا عزت واعزاز کی شکل میں ہو اور اس کے برعکس یہ کہ اگر وہ اس ذمے داری سے کتراتا ہے۔ تو پھر اسے سزا دی جاتی ہے۔"

"سقراط، میں ایک بات نہیں سمجھ سکا ہوں تم نے قانون معاوضہ کے جو دو اصول بتائے ہیں یعنی معاوضہ یا عزت وہ تو میں سمجھ گیا ہوں لیکن یہ کہ ایک شخص کو معاوضہ میں سزا دی جائے، میری سمجھ سے باہر ہے" گلکن نے کہا "اس کی وضاحت کرو۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم یہ نہیں جانتے کہ بہترین آدمی اگر حکومت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ تو ان کی کارکردگی کا بہترین معاوضہ کیا ہو سکتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ لوگ زیادہ پُرخواہش یا لالچی ہوتے ہیں، اور بلاشبہ کسی قدر اعزاز کے ناقابل بھی؟"

"ہاں"

"تو پھر اچھے آدمیوں کو عزت اور دولت کے عوض حکومت کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو مناقع خور، کہلانا پسند نہیں کرتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ وہ حکومت کے کاموں کے تبادلے میں نقد معاوضہ حاصل کریں۔ نہ ہی وہ اس طرح کی چوری کے مرتکب ہونا چاہتے ہیں۔ نہ ہی وہ عزت وجاہ کے لئے کام کرنا پسند کریں گے۔ کیونکہ وہ لالچی نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ لازمی ہے کہ ہم ایسے

لوگوں کو سزائیں دیں۔ اگر وہ ذمے داری قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ یہ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اگر ایسے بے ریا لوگ حکومت کے کاموں کو اپنی ذمے داری نہ سمجھیں گے۔ تو پھر ان سے کہیں بدتر لوگوں کو یہ موقع حاصل ہو جائے گا کہ وہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں۔ اسی لئے ضروری ہے کہ ان لوگوں کو تشدد اور جبر سے ہی ان ذمے داریوں کو قبول کرنے کے لئے تیار کرنا چاہیئے۔ اچھے آدمی جب اپنی ذمے داریوں کو قبول کرتے ہیں۔ تو ان کے مدنظر کسی قسم کا فائدہ یا مفاد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس حقیقت سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ کہ حالات سے منہ موڑنا ملکی بہتری کے لئے خطرناک ثابت ہوگا۔ اور انہیں یہ علم ہوتا ہے کہ اس وقت اُن سے بہتر ایسا کوئی آدمی نہیں ہے۔ جو حکومت کی ان کٹھن ذمے داریوں کو قبول کر سکے۔ اچھے لوگوں کے شہر میں ایک زبردست مقابلہ ہوتا ہے۔ جہاں بے شمار لوگ طاقت اور اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہاں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جو اس سے کتراتے ہیں اور اس سے یہ قطعی واضح ہو جاتا ہے کہ ایک سچا حکمران اپنے مفاد کی بجائے اپنی رعایا کے مفادات کی نگہداشت کرتا ہے اور اسی طرح عام دانشور یہ کوشش کریں گے کہ وہ، بجائے اس کے کہ خود اس موقع پر خدمات سرانجام نہ دیں، کسی اور کو یہ خدمت سونپنے میں قدرے ہچکچاہٹ سے کام لیں گے۔"

سقراط اب تھریسمیکس کی دوسری وضاحت اور دلیل کی طرف پلٹتا ہے۔ یعنی یہ کہ ذاتی مفاد اور بے انصافی، انصاف سے برتر و قابلِ ترجیح ہیں۔

"اب تمہیں علم ہو گیا ہوگا۔ کہ میں تھریسمیکس کے اس نظریۂ انصاف سے قطعی اختلاف رکھتا ہوں۔ کہ انصاف ــــ صرف طاقتور کے لئے ہے۔ لیکن یہ نکتہ الیسا ہے۔ کہ ہمیں اسے ایک بار پھر کھنگالنا چاہیئے۔ اور پھر اس کی یہ خاص اور اہم تشریح بھی مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ ایک بے انصاف آدمی کی زندگی منصف آدمی سے کہیں زیادہ بہتر اور خوشگوار ہوتی ہے۔ گلکن تم بتاؤ، کہ تم کس طرف ہو، اور ہم دونوں میں سے کون سچائی کا اظہار کرتا ہوا ملتا ہے؟"

"میرے خیال میں تو انصاف پسند آدمی کی زندگی بہتر ہوتی ہے" گلکن نے جواب دیا۔

"کیا تم نے اُن اچھی چیزوں کی فہرست سنی ہے۔ جو ایک بے انصاف آدمی کی زندگی میں آتی ہیں، اور جن کو تھریسمیکس نے بڑی فراخدلی سے گنوایا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں میں انہیں سُن چکا ہوں" اُس نے جواب دیا "لیکن مجھے یہ متاثر نہیں کر سکیں"

"تو کیا ہم اسے اس امر کی طرف متوجہ کریں؟ اگر ہمیں یہ تلاش ہو کہ اس کی دلیل میں نقائص ہیں؟"

"ضرور" اس نے جواب دیا۔

"تو ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ کہ اس کی تقریر کا جواب دیا جائے، اور انصاف کے فوائد بیان کئے جائیں۔ اس کے بعد تھریسمیکس بحث میں اپنے طور پر حصہ لے سکتا ہے۔ جس کا ہم پھر جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ ہم دونوں طرف کے نکتۂ نظر کو سامنے رکھیں گے۔ اور پھر چند اصحاب کی جیوری کے سامنے پیش کریں گے۔ جو اس کا فیصلہ کرے اور صداقت کا بیّن اظہار ہو سکے۔ اور اگر ہم باہمی طور پر خود ہی ایک دوسرے سے اتفاق کریں، تو پھر ہم خود ہی وکیل اور منصف ہوں گے، ان دونوں تجاویز میں سے تمہارے نزدیک کونسی بہتر ہے؟"

"مؤخرالذکر"

"اچھا تو پھر" میں نے تھریسمیکس کی طرف توجہ کی۔ "آؤ ہم شروع سے سلسلہ جاری کریں۔ تم نے کہا تھا کہ "مکمل بے انصافی، مکمل انصاف سے بہتر نتائج پیدا کرتی ہے؟"

"ہاں میں نے یہی کہا تھا" اُس نے جواب دیا "اور میں اس سلسلے میں اپنی وجوہات اور دلائل بیان کر چکا ہوں" تھریسمیکس نے کہا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا، کہ تم یہ کہہ رہے تھے۔ کہ ان میں ایک چیز اچھائی کا خاصہ رکھتی ہے۔ اور دوسری برائی کا؟"

"بے شک"

"انصاف ایک اعلیٰ اور عمدہ صفت اور بے انصافی ایک ادنیٰ اور بُری صفت؟"

"میرے محترم.... کیا میں نے ایسا کہا تھا؟" اس نے جواب دیا۔ "حالانکہ میں نے یہ کہا تھا کہ بے انصافی ــــ سے بہترین پھل ملتا ہے۔ جب کہ انصاف کا حاصل کچھ بھی نہیں"

"تو پھر تمہاری اصلی فکر اور رائے کیا ہے؟"

"اس کے برعکس" اس نے جواب دیا۔

"یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ انصاف ایک ادنیٰ اور بُری صفت ہے؟"

"نہیں، یہ ایک نہایت درجے کی سادگی اور یک رنگی ہے۔"

"تو پھر تمہارے خیال میں بے انصافی ریاکاری یا دورنگی ہوگی؟"

"نہیں، یہ ایک عام احساس کی بات ہے"

"تمہارے خیال میں بے انصاف لوگ بہتر اور زیادہ معقول انسان ہوتے ہیں؟"

"اگر وہ سیاسی اقتدار حاصل کر لیں تو؟ پھر ان کی غلط کاریوں کے لئے پورے مواقع ہوتے ہیں۔ غالباً تمہارے خیال میں میں معمولی اشیاء کی چھین جھپٹ کی مثالیں دے رہا ہوں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ایسی چیزیں، جنہیں آپ تلاش نہ کر پائے ہوں۔ جو آپ کے حصول سے باہر ہوں، اور انہیں حاصل کر لیا جائے، میرا مقصد یہ ہے۔ جن میں کد و کاوش اور کئی گُنا زیادہ مقابلے کا احساس ہوتا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں" میں نے کہا "لیکن مجھے جس امر پر حیرانی ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ تم نے بے انصافی اور ذہانت و چالاکی کو ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے اور انہیں دوسری اچھی خاصیتوں کے مماثل ثابت کر کے انصاف کو ان کی مخالف خصوصیات سے مشابہ قرار دے دیا ہے۔"

"تاہم میں یہی کچھ کر سکتا تھا"

"یہ تو بڑی ہی عجیب و غریب مماثلت قائم کر دی گئی ہے۔ اور اس وقت اس سلسلے میں کچھ کہنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ ایک طرف تو تم یہ کہتے ہو۔ کہ بے انصافی کے عمل سے بہتر نتائج نکلتے ہیں، پھر اس پر بھی رضامند ہو کہ یہ ایک بُری اور بدتر خاصیت ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم اپنے دلائل کی بنیاد، اُن وجوہات پر رکھیں۔ جنہیں اصولی طور پر ہم قبول کر چکے ہیں۔ جب تم بے انصافی کو ذہانت اور دوسری اچھی اشیاء کے صف بہ صف کھڑے کر دیتے ہو۔ تو اس میں وہی طاقت اور خصوصیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہو، جو کہ انصاف کی مقتضیات ہیں۔"

"تم نے میرا مطلب بخوبی سمجھ لیا ہے۔"

"پھر بھی میں اس میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تمہارا اپنا خیال اور نظریہ ہے۔ لیکن اس وقت تک دلائل دینے کا حامی ہوں۔ جب تک تم اپنی سوچ اور فکر کے آپ پر تکیہ کرتے ہو۔ کیونکہ میں محسوس کر رہا ہوں۔ کہ اس وقت بڑے اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ اس بات کا اظہار کر رہے ہو۔ جس پر تم نے بنیاد کھڑی کی ہے تھریسمیکس، تم اپنی طرف سے خلوص اور صداقت کا اظہار کر رہے ہو، یہ مجھے تسلیم ہے۔"

"خیر میں کیا سوچتا ہوں، اسے چھوڑو، اصل نکتے پر آؤ!"

"واقعی اس کا فائدہ کچھ نہیں، اور ہمیں اپنے اصل مسئلے پر آنا چاہیئے اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ تم میرے اس سوال کا جواب دو۔ "کیا ایک منصف آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ اس سلسلے میں مقابلہ کرتا ہے کہ انصاف کے بموجب جو حصہ

ریاست ہماری
ضروریات کی پیدا
کردہ ہے۔ اس کے فرائض
میں ہمارے لیے خوراک، مکان، لباس
اور ضروریات کی دیگر
اشیا فراہم
کرنا
ہے

اُستطاعت سے زیادہ حاصل کر سکے۔"

"ہرگز نہیں، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا ہے، تو پھر تمہارے مفروضے اور تخیل کے مطابق وہ شخص سادہ، اور پسندیدہ فعل کا آدمی نہ ہوگا۔"

"اچھا تو کیا وہ منصف مزاج انسان اسے درست سمجھتا ہے۔ کہ وہ ایک غیر منصف شخص سے اپنے حق کے لئے جھگڑے یا مقابلہ کرے یا کوشش کرے؟"

"وہ لازماً اس سلسلے میں سوچے گا بھی اور مقدور بھر کوشش بھی کرے گا، لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوگا۔"

"میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا تھا۔ بلکہ میرا سوال یہ تھا۔ کہ کیا ایک منصف مزاج آدمی دوسرے منصف مزاج شخص کے ساتھ مقابلہ کرنا، یا اپنا موازنہ نہ کرنا۔ خوشگوار خیال کرتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی بجائے وہ دوسرے منصف آدمی کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کیا وہ دوسرے غیر منصف آدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا پسند کرے گا؟"

"لازماً وہ ایسا کرے گا۔ کیونکہ وہ ہر چیز میں اپنے حصے سے زیادہ طلب کرنے میں لگا رہتا ہے۔"

"اچھا تو کیا ایک غیر منصف آدمی، دوسرے بے انصاف شخص کے ساتھ اس سلسلے میں جھگڑا کرے گا۔ کہ وہ اس سے کہیں زیادہ اپنا حصہ حاصل کر سکے، اور وہ بھی ہر چیز میں"

"ہاں"

"اچھا، تو پھر کیوں نہ ہم اس صورتِ حال کو اس طرح دیکھیں، کہ ایک منصف مزاج اپنی طرح کے آدمی کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کرتا، سوائے اپنی ذات کے مخالف شخصیت سے ... جب کہ غیر منصف شخص ان دونوں کے ساتھ مقابلے میں لگا رہتا ہے۔"

"ہاں اس کا یہی مطلب ہے۔ اور بالکل واضح ہے"

"خوب ... تو بے انصاف آدمی اس لحاظ سے معقول ہے۔ اور منصف آدمی غیر معقول؟"

"بلاشبہ وہ اسی قسم کا ہوگا، اور منصف مزاج اس طرح کا نہ ہوگا۔"

"گویا ہر ایک شخص اپنی پسندیدگی سے ملتا جلتا ہوگا۔"

"ہاں ... تو پھر؟"

"خوب ... تو اچھے تھریسمکس مجھے بتاؤ کہ کیا تم شیریں موسیقی اور ناخوشگوار موسیقی میں حدِ فاصل کھینچ سکتے ہو؟"

"ہاں"

"ان دونوں اصناف میں، علم کس میں ہوتا ہے؟"

"موسیقی میں ..... اور بے شرے پن میں نہیں۔"

"خوب تو علم اچھا ہے، اور لاعلمی بری۔"

"ہاں"

"اور یہی صفت دوائی پر اطلاق کرتی ہے؟"

"ہاں"

"اچھا تو پھر ایک موسیقار جو ساز بجا رہا ہے کیا وہ دوسرے موسیقار کے ساتھ مقابلہ کرے گا۔ اور کیا وہ یہ خیال کرے گا۔ کہ اس طرح وہ اپنے ساز سے بہتر موسیقی پیدا کر رہا ہے؟"

"میرے خیال میں نہیں"

"لیکن وہ یہ تو کوشش کرے گا ہی کہ ایک اناڑی یا بدخود غلط موسیقار کا مقابلہ کرے"

"ہاں وہ ایسا کرنے کی لازمی کوشش کرے گا۔"

"خوب تو ایک ڈاکٹر جو دوائیوں کے متعلق اچھی طرح جانتا ہے، کیا وہ دوسرے ڈاکٹروں سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کا غلط استعمال کرے گا۔"

"نہیں"

"لیکن وہ ایک اناڑی کی بہ نسبت بہترین کوشش کرے گا۔"

"ہاں"

"اچھا تو پھر کیا تمہارے خیال میں ان تمام پیشوں میں، جو ایک طرح کے ہیں۔ اور جن کی ذہانتوں اور خصوصیات کا ماحصل بھی مشترکہ ہے۔ کیا وہ ایک ہی طرح کی صورتِ حال میں ایک سے نتائج اور مقاصد کی تکمیل نہ کریں گے؟"

"میرے خیال میں اس سے انحراف کرنا غلط ہوگا۔"

"اور پھر یہ کہ وہ شخص جس کے پاس ذہانت نہیں ہے۔ فن نہیں ہے۔ وہ اپنے جیسوں اور فنکاروں، سائنسدانوں اور ذہین اشخاص دونوں سے ایک ہی نوعیت کے ساتھ مقابلہ کرے گا۔"

"شاید"

"اور یہ کہ وہ شخص جو ہمیشہ دانا علم رکھتا ہے عقلمند ہوتا ہے۔ اور دانشور اچھا آدمی ہوتا ہے۔"

"مجھے اس سے اتفاق ہے"

"اور یہ کہ اچھا آدمی جس کے پاس علم ہے۔ وہ اپنی طرح کے آدمی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنے مخالف فریق کے آدمی سے؟"

"ہاں یہ تو ظاہر ہے"

"جب کہ برا آدمی اچھے اور برے آدمی دونوں سے جھگڑا کریگا۔ مقابلے میں آئے گا۔"

"ہاں یہ بھی ظاہر ہے"

"لیکن تھریسمکس، یہ یاد رکھنا، کہ وہ غیر منصف آدمی تھا جس کے متعلق ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے۔ کہ وہ منصف اور غیر منصف دونوں طرح کے لوگوں کا مقابلہ کریگا ان سے جھگڑے گا میرے خیال میں تم نے اسے تسلیم کر لیا تھا۔"

"ہاں" اس نے اعتراف کیا۔

"جب کہ منصف آدمی اپنی طرح کے شخص کے مقابلے کی بجائے غیر منصف سے مقابلہ کرے گا۔"

"یہ سچ ہے۔"

"خوب ... تو گویا منصف آدمی اس اچھے آدمی سے مشابہ ہے جس کے پاس

علم ہے۔ اور غیر منصف انسان اس شخص کی طرح ہے جو لاعلم اور بُرا ہے "

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے"

لیکن ہم اس امر پر متفق ہوئے تھے۔ کہ ہر چیز وہ ہوتی ہے جس سے اس کی نسبت ہو"

"ہاں ہم نے اس پر اتفاق کیا تھا"

"تو پھر ..." میں نتیجے پر پہنچا "ہم نے دیکھ لیا کہ منصف آدمی عاقل اور اچھا ہوتا ہے۔ اور غیر منصف آدمی لاعلم اور بُرا ہوتا ہے۔"

اِن تمام نکتوں پر تھر سمقس کی رضامندی اسی طرح حاصل نہ ہوئی تھی۔ جیسے کہ میں نے یہاں بیان کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں خاصی وقت اور جانکاری کرنا پڑی تھی اور خوب پسینہ بہانے کے بعد یہ باتیں اس سے تسلیم کرائی گئیں —— کیونکہ یہ ایک گرم دن تھا۔ اور اس وقت میں نے ایک ایسی چیز دیکھی۔ جو پہلے میرے سامنے نہ آسکی تھی۔ اور وہ یہ کہ تھر سمقس کا چہرہ شرمساری سے سُرخ ہو گیا تھا۔ بہر حال ہم جب اس نقطے پر متفق ہو گئے۔ کہ انصاف کا مطلب اچھا کردار اور علم ہے۔ اور بے انصافی میں اس کی مخالف قوتیں کام کرتی ہیں۔ تو میں نے کہا "اچھا اس نکتے کو تو ہم نے طے کر لیا۔ لیکن تھر سمقس تمہیں یاد ہو گا کہ ہم نے کہا تھا۔ کہ بے انصافی میں بھی طاقت ہوتی ہے۔"

"ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے"۔ اس نے جواب دیا "لیکن میں اب بھی تمہاری مؤخر الذکر دلیلوں کو ماننے سے منکر ہوں۔ اور اس سلسلے میں کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اور اب اگر میں کچھ اور کہوں گا تو تم مجھ پر تقریر کرنے کا الزام عاید کرو گے۔ اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ کیا میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں کہوں یا تمہاری جرح جاری رہے۔ اور میں اس سلسلے میں "بہت اچھا" "ہاں" اور "نہیں" میں جواب دیتا رہوں گا جیسے کوئی شخص کسی بوڑھی عورت کی گپ شپ سُن رہا ہو۔"

"لیکن تمہیں میرے سوالوں کا اس طرح جواب دینا چاہیئے۔ جو حقیقی معانی میں درست ہو" میں نے کہا۔

"ہاں، میں تمہیں خوش کرنے کی کوشش کروں گا، اور وہ بھی اس لئے کہ جب تم مجھے تفصیلاً بولنے کی اجازت نہیں دے رہے ہو، کیا اس سے تم مطمئن ہو جاؤ گے؟

"بے شک، اور اگر تم اسی طرح جواب دو گے، تو پھر میں سوالات تو پوچھوں گا"

"اچھا تو پھر پوچھو" اس نے کہا۔

(ب) تھر سمقس کا دعویٰ تھا۔ کہ بے انصافی میں طاقت اور جبر کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سقراط کا نظریہ یہ تھا۔ کہ بے انصافی میں غیر آہنگی اور انتشار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں کمزوری ہوتی ہے۔ اور اگر چند بھی مشترکہ طور پر کوئی کام کریں۔ تو اُن میں ایک دوسرے کی پاسداری اور عزت کا احساس ہوتا ہے۔

"اچھا تو اب اپنے دلائل کے ساتھ آگے بڑھو، میرا اگلا سوال انصاف اور بے انصافی کے درمیان واسطے سے متعلق ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ یہ کہا گیا تھا۔ کہ بے انصافی اور ظلم انصاف سے زیادہ مؤثر اور قوی ہوتے ہیں۔ لیکن ابھی ابھی ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔ کہ انصاف میں درست کردار اور علم ہوتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس حالت میں یہ سوچنا غلط نہ ہو گا۔ کہ ان خصوصیات کے تحت انصاف، بے انصافی سے قوی تر ہوتا ہے۔ اور بے انصافی۔ جس کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ جہالت اور کم علمی پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن میں ان عمومی طور طریقوں سے دلائل دینا نہیں چاہتا ہوں۔ بلکہ پہلے طریقے کی طرح اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کا خواہاں ہوں۔ کیا تمہارے خیال میں ایک مملکت جو غیر منصف ہو۔ وہ دوسروں کے حقوق کو پامال کرے، اور اس طرح کے عمل جاریہ کے باوجود وہ اپنے مطیعوں یا محکوموں پر غلبہ پانے میں کامیاب ہو سکے گی"؟

"بلاشبہ" اُس نے جواب دیا۔ "اور اچھی اور خود مختار ریاست وہی ہوگی، جس کی بے انصافی مکمل ہو، اور وہ سب سے پہلے یہی کام کرے گی۔"

"میں جانتا تھا۔ کہ تم یہی کہو گے۔ میں نے جواب دیا۔ "لیکن کیا تمہارے خیال میں بہت زیادہ طاقتور مملکت کو انصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ وہ اس طاقت کو اپنے ہمسایوں پر استعمال کر سکے، یا نہیں؟

"اگر تم سچے ہو اور انصاف میں علم ہوتا ہے، تو پھر انہیں انصاف کی ضرورت ہو گی۔ لیکن اگر میں صداقت پر ہوں، تو پھر بے انصافی"

"میں خوش ہوں، کہ تم میرے سوالوں کے جواب میں صرف "ہاں" یا "نہ" نہیں کہہ رہے ہو۔ بلکہ معقول جواب دے رہے ہو۔"

"میں یہ تمہاری خوشی کے لئے کر رہا ہوں" اس نے جواب دیا۔

"شکریہ" میں نے کہا۔ "تو کیا تم مہربانی سے مجھے یہ بتاؤ گے۔ کہ کیا تمہارے خیال میں انسانوں کی کوئی جماعت یا کوئی حکومت یا کوئی فوج یا ڈاکوؤں اور چوروں کا کوئی گروہ آپس میں، باہمی طور پر ایسی غلطیاں کرتے ہیں۔ جس سے ایک دوسرے کو نقصان یا برائی پہنچنے کا اندیشہ ہو۔"

"نہیں"

"گویا ان کی کامیابی کے امکانات زیادہ وسیع اور وسیع ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایک دوسرے سے غلط کاری سے پیش نہ آتے۔ یہ ایک دوسرے سے بُرائی نہیں کرتے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

"کیونکہ اگر وہ ایک دوسرے سے برائی کریں، تو لازماً وہ اپنے درمیان برائی، نفرت اور حقارت کے بیج بوئیں گے، اور اگر وہ ایک دوسرے سے مخلصانہ سلوک کریں تو پھر ان کے مقصد میں ہم آہنگی اور طاقت پیدا ہو گی۔"

"ہاں، —— میں اس سے اختلاف کرنا نہیں چاہتا ہوں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ اگر بے انصافی کا مقصد نفرت پیدا کرنا ہو، جو کہ ہے بھی، تو کیا اس وجہ سے انسان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں گے، ایک دوسرے سے نہ لڑیں گے، اور اس قابل نہ رہیں گے کہ وہ مشترکہ طور سے کسی مقصد میں کامیاب ہو سکیں، خواہ یہ لوگ آزاد ہوں یا ہمارے غلام؟

"ایسا ہی ہو گا"

"اور اسی طرح دو افراد میں۔ بے انصافی نفرت اور لڑائی پیدا کر دے گی، اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور انصاف پرستوں کے ہی دشمن ہو جائیں گے"

"ہاں ایسا ہی ہو گا۔"

"اور ایک فرد واحد کی صورت میں وہ اپنی قوت ضائع نہ کر پائے گا؛ کیا ایسا ہی ہو گا یا نتیجہ اس سے مختلف ہو گا"

"میں تمہارے نتیجے کو مان لیتا ہوں۔"

"گویا بے انصافی اور ظلم کے یہ نتائج پیدا ہوں گے۔ خواہ اس کا عمل کسی ریاست میں ہو، یا خاندان میں، فوج میں یا کسی اور جگہ۔ وہ کسی مشترکہ کام میں ہم آہنگی کو برقرار نہ رہنے دے گی۔ کیونکہ اس میں تناقض اور لڑائیاں ہوتی ہیں اور یہ نہ صرف اپنے اندر ہی اندر نقصان دہ نتائج کی پیداوار کا باعث ہو گا۔ بلکہ

منصف مزاج انسان بھی اس سے اس قسم کا نقصان اٹھائیں گے۔"

"ہاں"

"اور اسی طرح اس کے فطری اثرات ایک فردِ واحد پر بھی اثر انداز ہوں گے۔ وہ اسے بھی کوئی کام کرنے کے قابل نہ رہنے دیں گے۔ کیونکہ اس کی "ذات دروں" کے اندر ہی تخالف اور تضاد ہوتا ہے۔ جو مقصد کو تقسیم کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح اس کا اثر سبھی طرح کے انسانوں پر ہوگا۔ حتیٰ کہ انصاف پسند بھی زد میں آئیں گے۔"

"ہاں"

"اور بلاشبہ دیوتا منصف ہوتے ہیں۔"

"ہاں"

"خوب تو گویا منصف مزاج آدمی دیوتاؤں کا دوست اور غیر منصف انسان دیوتاؤں کا دشمن ہوتا ہے۔"

"بات جاری رکھو" اس نے تلخی سے کہا۔ "میں تمہارے خیالات سے انحراف کر کے دوسرے لوگوں کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔"

اگر تم ان سوالوں کا جواب اسی طرح دو گے تو یقیناً تم میری ضیافت طبع کی تکمیل کر دو گے" میں نے جواب دیا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ منصف اشخاص زیادہ ذہین اور عمل میں زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔ اور غیر منصف آدمی مشترکہ طور پر کسی بھی عمل کی تکمیل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ بیشتر جب ہم بے انصاف لوگوں کی کسی مشترکہ کوشش کے متعلق قیاس کر رہے تھے۔ تو ہم غلط اندازہ لگا رہے تھے۔ کیونکہ وہ اتنے مکمل بے انصاف ہوتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے دست بردار ہونے پر کسی قیمت پر رضامند نہیں ہوتے۔ اور ان میں انصاف کا کوئی نہ کوئی ایسا عنصر یا جزو لازماً موجود ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے برائی کرنے سے باز رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ لوگ جو ان کا نشانہ ہوتے ہیں۔ جو ان کی اس کامیابی کا باعث ہوتے ہیں۔ جو وہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ جب وہ ایسا کام شروع کرتے ہیں۔ تو تقریباً آدھے اور نصف حیثیت سے برے بنتے ہیں۔ تاکہ ان کی برائی مکمل ہو سکے۔ اگر وہ مکمل طور پر برے یا بے انصاف ہوں تو وہ کوئی بھی کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے۔ کہ تم نے جو کچھ کہا اس میں یہ بھی ایک بہت بڑا تضاد اور اختلاف تھا۔"

ج۔ آخر میں سقراط یہ بتاتا ہے کہ منصف مزاج بے انصاف شخص سے کہیں زیادہ خوشگوار اور مسرور زندگی بسر کرتا ہے۔ جب وہ "کارگزاری" (عہدہ، فرض) کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ تو اس سے سقراط کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کو انصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے وہ اس قابل ہو سکے کہ وہ اپنی کارگزاری کا بہتر صورت میں مظاہرہ کر سکے۔ ابھی تک انصاف کی تعریف نہیں کی گئی ہے۔

"اب ہم دوسرے مسئلے پر غور کریں گے۔ جسے ہم نے پہلے ملتوی کر دیا تھا۔ کہ آیا منصف مزاج یا غیر منصف شخص بہتر اور مسرور زندگی گزارتے ہیں۔ اس کا جواب تو پہلے ہی سے واضح ہے۔ اور ہم اس سلسلے میں کچھ کہہ چکے ہیں۔ لیکن اب ہم اسے زیادہ صحت اور دقتِ نظری سے دیکھیں گے۔ کیونکہ یہ سوال بھی خاصا اہم ہے۔ کیونکہ اس سے متعلق ہماری زندگی کے بعض اہم مسائل وابستہ ہیں۔ اچھا تم مجھے بتاؤ کہ کیا کسی گھوڑے کا کوئی منصب ہوتا ہے؟"

"اور کیا تم کوئی ایسا کام بتا سکتے ہو۔ جو صرف گھوڑے سے ہی مختص ہو۔ یا دوسری صورت میں جسے گھوڑا کرنا بہترین سمجھتا ہو؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا"

"اچھا تو اسے اس طرح سمجھو۔ جیسے کہ ہم صرف اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور صرف اپنے کانوں سے ہی سن سکتے ہیں۔"

"یہ سچ ہے۔"

"تو ہم ان افعال کو بجا طور پر آنکھوں اور کانوں کے مخصوص افعال کہہ سکتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"اب فرض کرو کہ تم تیر تراشتے ہو، کسی چاقو کے ساتھ یا کوئی ایسا ہتھیار یا آلہ، تم اس کام کو اسی صورت میں سرانجام دے سکتے ہو۔ جب کہ تم اس کے لئے ایک تراشنے والا چاقو ہی استعمال کرو گے۔ جو اسی مقصد کے لئے بنایا گیا ہے، جسے ہم یقیناً اس کی "کارگزاری" یا منصب" کا نام دے سکتے ہیں۔"

"ہاں ہم یہ نام دے سکتے ہیں۔"

"اب میرا خیال ہے۔ کہ تم اس امر کو سمجھ گئے ہو گے کہ میں کیا کہنے والا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ ایک آدمی کی کارگزاری وہ نہیں ہے۔ جسے وہ سرانجام دے سکتا ہے۔ بلکہ وہ ہے جسے وہ بہترین طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔"

"ہاں میں سمجھ گیا" اس نے جواب دیا "اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی وہ چیز ہے جس کا مطلب تم نے کارگزاری یا منصب سے لیا ہے۔"

"خوب" میں نے کہا۔ "تو کیا ہر وہ چیز جو کسی کام کو سرانجام دے سکتی ہے کیا اس میں اس کی ایک خاص اپنی ذہانت اور صلاحیت نہیں ہوتی؟ اب مجھے پھر پہلی مثال دینے دو۔ آنکھوں کا ایک منصب ہے۔ تو کیا ان کی کوئی اپنی خاص صلاحیت نہیں ہے؟"

"ہاں، یہ تو ہے۔"

"اچھا تو پھر اس بات پر آؤ کہ کیا آنکھیں مکمل طور پر اپنا کام کر سکتی ہیں۔ اگر ان کی خاص صلاحیت کی بجائے ان میں کوئی فرق آجائے تو؟"

"پھر وہ کیسے یہ کام کر سکتی ہیں؟ کیونکہ میرے خیال میں یہاں تمہارا مطلب بینائی نہیں بلکہ اندھا پن ہے۔"

"میرا مطلب ان کی صلاحیت سے ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ ابھی میں کسی بات کو مدنظر رکھنا نہیں چاہتا ۔۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ کیا کسی چیز کی خاص صلاحیت اور کردار اسے اس قابل بناتے ہیں۔ کہ وہ اپنی کارگزاری کو بہتر طریقے سے سرانجام دے سکے۔ اور جب اس خاص صلاحیت میں کوئی کمی یا نقص واقع ہوتا ہے۔ تو پھر اس کی کارگزاری اعلیٰ نہیں رہتی یا وہ اپنی کارکردگی دکھلانے سے قاصر رہتی ہے۔"

"ہاں، یہ بالکل ٹھیک ہے" اس نے جواب دیا۔

"اسی طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر کان اپنی صلاحیت کھو بیٹھیں۔ تو وہ اپنی کارگزاری اور منصب کو سرانجام نہ دے سکیں گے۔ اور یہی بات تمام دیگر معاملات پر چسپاں کی جا سکتی ہے۔"

"میں اس کو تسلیم کرتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر اگلا نکتہ یہ ہے۔ کہ کیا کوئی ایسا کام ہے۔ جسے سوائے دماغ کے اور کوئی سرانجام نہ دے سکے؟ جیسے توجہ دینا، اپنے آپ پر قابو رکھنا، غور و فکر کرنا اور اسی قسم کے دوسرے خصائص کو کسی ایسے دماغ سے نکال سکتے ہیں

۔ یہ خوشی کا انحصار اس فطرت پر ہے۔ جو ہمارے ما بہ وجود ہونے سے متعلق ہے۔
(شیلر : افلاطون :۔ صفحہ 29)

جو کہ باخبر اور صحیح ہے۔ اور پھر یہ کہ ان خصائص کو ہم اس کی کارگزاری کے عمل میں شامل سمجھتے ہیں؟"

"نہیں"

"اور زندگی ——— کیا دماغ کی کارگزاری میں شامل نہیں ہے۔"

"یقیناً"

"تو پھر دماغ کی بھی ایک اپنی خاص صلاحیت ہوگی۔"

"یقیناً"

"اور اگر اس میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو پھر وہ اپنے کام کو بخوبی پورا نہ کر سکے گا، کیا ایسا ہی نہیں ہوگا؟"

"یقیناً"

"خوب تو اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ یہ بھلائی ہی ہے۔ جو دماغ کو اس قابل بناتی ہے۔ کہ وہ اپنا کام سرانجام دے سکے۔ یعنی جذبات و زندگی پر قابو اور توجہ دینا۔ اور برائی اس سے قطعی مختلف نتائج پیدا کرتی ہے۔"

"ٹھیک"

"اور کیا ہم پہلے اس امر پر متفق نہ ہوئے تھے۔ کہ انصاف ہی انسانی دماغ کی خاص صلاحیت ہے اور بے انصافی اس کا خلل؟"

"ہاں ہم نے اسے تسلیم کیا تھا"

"تو پھر انصاف پسند انسان ایک بہتر زندگی بسر کرے گا۔ اور غیر منصف ایک بدتر زندگی؟"

"تمہارے بیان اور دلائل سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے" اس نے جواب دیا۔

"تو کیا جو آدمی اچھی زندگی گزارتا ہے۔ وہ خوشحال اور مسرور نہیں ہوتا۔ اور اس کا تضاد اس کے برعکس؟"

"بے شک"

"تو پھر منصف انسان خوش رہتا ہے۔ اور بے انصاف رنجیدہ؟"

"ہاں میں تمہاری بات مانتا ہوں"

"اور چونکہ فائدہ برے آدمی کو نہیں بلکہ اچھے آدمی کو پہنچتا ہے۔ اس لئے میرے عزیز تھریسمکس، انصاف کا صلہ بے انصافی سے بہتر ہوتا ہے۔"

"اچھا... آج کا دن تہوار ہے" اس نے جواب دیا۔ "ہلہ وقت بہت اچھا گزرا۔"

"تھریسمکس یہ تم ہو جس نے مجھے اتنا اچھا وقت گزارنے کا موقع بہم کیا ہے۔ کیونکہ جب سے تم نے مجھ پر جرح بند کی، تم نے بڑے خوشگوار نتائج کے انکشاف کا موقع فراہم کیا ہے۔" لیکن بہرحال میرا وقت اتنا اچھا نہیں گزرا، اور اس میں میرا ہی قصور ہے، تمہارا کوئی قصور نہیں۔ کیونکہ میں اس لالچی مہمان کی طرح ہوں، جو ایک چیز کے خاتمہ سے پہلے ہی دوسری چیز پر جھپٹ پڑتا ہے ہم نے یہ بحث اس لئے شروع کی تھی۔ کہ ہم یہ پتہ چلا سکیں۔ کہ انصاف کیا ہے۔ لیکن اس پر بحث کرنے سے پہلے ہم دوسری باتوں میں الجھ گئے۔ جو لازماً لابدی اور ناگزیر تھیں۔ اور جب ہم انصاف کے نتائج اور بے انصافیوں کے نتائج پر گفتگو کر رہے تھے۔ تو اس وقت ہم خالصتاً انصاف کے موضوع پر بات کر سکتے تھے۔ لیکن ہم اس سلسلے میں ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ اسی لئے میں اس بحث کے بعد بھی اپنے آپ کو زیادہ دانا اور عقلمند نہیں پا رہا ہوں۔ کیونکہ جب تک مجھے یہ پتہ نہ چل جائے۔ کہ انصاف کیا ہے۔ اس وقت تک مجھے یہ بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ کہ یہ دانش ہے یا کچھ اور کیا یہ انسان کو خوش یا ناخوش بناتا ہے۔"

۴۔ ایڈیمنٹس اور گلوکن بے انصافی کے نظریئے کو دوبارہ بیان کرتے ہیں۔

افلاطون کے خیال میں تھریسمکس نے جو تصویر پیش کی تھی۔ اس کا یہاں خاکہ ہی پیش کیا گیا ہے۔ اور وہ ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اس ضمن میں مزید وضاحت، بیان اور جامع توجہ کی ضرورت ہے۔ اسی کے تحت گلوکن کہتا ہے۔ کہ جس طرح سقراط نے تھریسمکس کے خیالات کو رد کیا، اور ان سے نپٹا ہے۔ اس سے تو اسے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن وہ اسی معاملے کو ایک مختلف انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد ایڈیمنٹس اس کے نظریات میں اضافہ کرتا ہے۔

۱۔ گلوکن، انصاف یا اخلاقیات کو کم و بیش ایک فراغت اور آسائش سمجھتا ہے انسانوں کی فطرت یہ ہے۔ کہ وہ دوسروں کی بھلائی کی نسبت اپنے مفاد کا زیادہ احساس رکھتے ہیں۔ لیکن ایک معاشرے کو ان بنیادوں پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے سمجھوتے کی شکل میں اخلاقی نظام کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لیکن اس اخلاقی نظام اور قواعد کی ایک سمجھوتے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور اس سے بہ آسانی پتہ چل جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کو اگر اس کی حدود سے آزاد کر دیا جائے۔ تو پھر وہ کس طرح کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن جب صحیح معنوں میں پوری صحت کے ساتھ انصاف اور بے انصافی کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ تو انسان پر یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ بے انصافی میں انصاف کی نسبت زیادہ فوائد اور برتری ہے۔

میرا خیال تھا۔ کہ اب اور زیادہ دلائل یا بحث اس سلسلے میں نہ ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ایک طرح سے ہم نے ابھی موضوع کا نکتہ آغاز ہی چھوا تھا۔ کیونکہ گلوکن، (جس میں توجہ کی کمی نہیں ہے) نے تھریسمکس کو چیلنج کیا تھا۔ اُسے نظر انداز کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ اور پوچھا "کیا تم حقیقتاً ہمیں اس طرح متاثر کرنا چاہتے ہو کہ حق اور خیر ہر حال میں، جملہ صورتوں میں برائی یا شر سے بہتر ہے؟"

"اگر مجھے موقعہ دیا جائے۔ تو میں تمہیں متاثر کرنے اور اس امر کو منوانے کی سعی کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

فوٹ ۱۔ ترجمے میں سب سے بڑی اور اہم مشکل یہ پیش آتی ہے۔ کہ الفاظ وہی معانی اور تاثر دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ جو دوسری زبان کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک لفظ جو ایک متن میں اپنے معانی دینے میں کامیاب رہتا ہے وہی لفظ تقریباً انہی معانی میں دوسرے متن میں اپنے صحیح معانی پیش کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو بالخصوص بڑی مشکل درپیش آتی ہے جب اخلاقی اصطلاحوں اور استعاروں کا ترجمہ کرنا مقصود ہو۔ بالخصوص ایسے لفظ جو بظاہر سادہ ہیں۔ لیکن ان میں ایک پنہا عمق اور ابہام ہوتا ہے۔ جیسے RIGHT, WRONG JUSTICE INJUSTICE GOOD, BAD BENEFIT HARM INJURY پھر شاعرانہ استعارے اور رمز اور بھی زیادہ وقت کے حامل ہیں۔ افلاطون کی "ریاست" کا اہم موضوع "انصاف" ہے ہم نے اسے روایتاً ترجمے میں پیش کر دیا ہے لیکن یونانیوں کے ہاں اس لفظ کے بڑے ہی وسیع معانی ہیں۔ اور یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں درست رویہ، یا عمومی اخلاقیات عام طور پر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ یہ فعل۔ اسم اور صفت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا جہاں "انصاف" کا لفظ نظر آئے۔ اسے وسیع ترین مفہوم میں لیا جائے۔ (س۔ ط)

"اچھا۔ تو پھر تم نے ابھی صحیح طریقے پر اپنی بات میں اثر پیدا نہیں کیا ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ۔ کہ کیا تم اس امر سے رضامند ہو کر ایک قسم تو بھلائی کی وہ ہے، جسے ہم صرف اپنے لیے قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس کے متعلقات پر کوئی غور نہیں کرتے؟ مثال کے طور پر یوں دیکھو۔ خوشی اور مسرت، جہاں تک خوشی بہم کرتے ہیں۔ اور اس کے نتائج سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی، ہمیں ناخوش نہیں کرتے ہیں؟

"ہاں" بھلائی کا ایک پہلو تو یہ بھی ہوتا ہے" میں نے جواب دیا۔

"تو کیا بھلائی کا ایک اور پہلو ایسا نہیں ہے۔ جسے ہم اسی کے لیے اس کے اجزا اور قدر کے ساتھ قبول کرتے ہیں؟" اس نے پوچھا "جیسے دانش و فہم، بصارت اور صحت کو ہم دونوں صورتوں میں قبول کرتے ہیں۔"

"ہاں ہم ایسا ہی کرتے ہیں" میں نے کہا۔

"اچھا تو پھر بھلائی کی ایک تیسری نوعیت بھی ہے جس میں صحت، طبی معالجہ اور اپنی ضروریات کے لیے کمانا بھی شامل ہیں۔ حالانکہ تمام چیزوں کو ہم تکلیف دہ کہیں گے۔ لیکن وہ ہمارے لیے سود مند ہوتی ہیں۔ لیکن ہم ان کا انتخاب صرف ان کے لیے ہی نہیں کرتے۔ بلکہ اس چیز کے لیے جسے ہم اُن سے حاصل کرتے ہیں۔ جیسے تنخواہ، روپیہ پیسہ وغیرہ"

"واقعی یہ تیسری قسم ہے۔ تو ضرور، لیکن تم کہنا کیا چاہتے ہو" میں نے پوچھا۔

"تو ان تین معاملات میں تم انصاف اور حق کو کہاں جگہ دیتے ہو؟" اُس نے سوال کیا۔

"اعلیٰ ترین صورت میں ۔۔۔۔ جہاں ایک شخص خوشی اور مسرت کا خیر مقدم اپنے اور اس کے جملہ اجزا کے ساتھ کرتا ہے۔"

"یہ نظریہ عام نہیں ہے" گلوکن نے جواب دیا۔ "بلکہ ہم اسے اس مقام اور صورت میں جگہ دیں گے۔ جہاں یہ تکلیف دہ ہے۔ یعنی وہاں جہاں ہم قدرے تکلیف کے ساتھ یہ امید رکھتے ہیں۔ کہ ہمیں نتیجہ میں اچھی عزت حاصل ہوگی۔ اس لیے ہم جو ناخوشگواری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں، کہ یہ خیال عام ہے" میں نے جواب دیا "اور اسی لئے تھریسمیکس اس پر تنقید کر رہا تھا۔ اور وہ بے انصافی کی صفت میں مصروف تھا۔ لیکن میں اتنی آسانی سے یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"اچھا تو پھر میری بات سنو، شاید میں تمہارے ذہن میں تبدیلی پیدا کر سکوں۔ اس نے کہا "تم نے دراصل بڑی آسانی سے سحور کر لیا ہے۔ جیسے کوئی سپیرا ہو۔ لیکن میں ابھی تک انصاف اور بے انصافی کے نظریئے کے متعلق مطمئن نہیں ہوں۔ میں تو یہ خواہش رکھتا ہوں۔ کہ مجھے یہ پتہ چلے، کہ اصل میں یہ دونوں باتیں ہیں کیا۔ اور لوگوں کے ذہن پر یہ کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور کیا تاثر چھوڑتی ہیں۔ میں اسی سلسلے میں ان کی جزئیات اور صلوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا ہوں۔ اسی لئے اگر تم مناسب سمجھو تو میں چاہتا ہوں۔ کہ تھریسمیکس کے نظریات کو میں تین نئے عنوانات کے تحت پھر بیان کروں؟ سب سے پہلے تو میں انصاف کی فطرت اور طبع کے متعلق عام نظریہ بیان کروں گا۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ وہ اسے جبر اور تشدد کی وجہ سے اپناتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ اسے اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ میں اس ضمن میں دلائل پیش کروں گا۔ کہ یہی رویہ بہتر ہے۔ جس پر بے انصاف آدمی عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر یہ مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ بے انصاف لوگوں کا وقت انصاف پسند لوگوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر گزرتا ہے سقراط۔ اگرچہ میں تو واسے پر ایمان نہیں رکھتا ہوں۔ لیکن تھریسمیکس کی طرح کے ہزاروں لوگوں نے میرے کانوں میں یہی باتیں انڈیلی ہیں۔ اور اب میں اس تشکک میں مبتلا ہو چکا ہوں کہ کس نتیجے پر پہنچوں۔ اور جہاں تک میری تسکین کا سوال ہے، میں نے جنگ انصاف اور بے انصافی کے تقدمے میں کبھی بھی انصاف کو سرخرو ہوتے نہیں دیکھا۔ اور پھر یہ کہ میں نے انصاف کو خود بھی کبھی اس کے اپنے اعزازات کی بنا پر سرخرو ہوتے نہیں دیکھا۔ اس کے عناصر کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی لئے میں مجبور ہوں۔ کہ پوری توانائی کے ساتھ بے انصافی کے حق میں دلائل پیش کروں۔ اور اس طرح تمہارے سامنے ایک ایسا نمونہ پیش کر سکوں۔ جسے بعد میں تم اپنی جرح کا تختۂ مشق بنا سکو۔ اور تم انصاف کے حق میں دلائل دے سکو، کیا تمہیں اس تجویز پر اتفاق ہے؟

"اس سے زیادہ میرے لئے پُر مسرت بات اور کیا ہو سکتی ہے؟" میں نے جواب دیا۔

"کیونکہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر بحث کرتے وقت دنیا کا ہر شخص خوش ہوگا؟"

"اچھا تو اب میری پہلی دلیل ۔۔۔ انصاف کا منبع اور اس کی فطرت۔ اس سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہماری فطری جبلت یہ ہے۔ کہ ہم تکلیف، غلطی اور برائی سے بچیں۔ تاکہ ہمیں اس کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے۔ لیکن تکلیفوں سے بچاؤ کا ایک راستہ یہ بھی ہے۔ کہ ہم مفاد کی طرف دیکھیں۔ اور ان دونوں چیزوں کا ذائقہ چکھنے کے بعد لوگ جب اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ وہ بغیر ٹھوکروں کے مسرت کا حصول نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ ان دونوں امور سے ہم آہنگ ہو کر دونوں سے کنارہ کش ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ قوانین وضع کرتے ہیں۔ اور باہمی طور پر اقرار نامے کرتے ہیں۔ اور جب قوانین وضع ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں قانونی اور جائز کہتے ہیں۔ یہ انصاف کا منبع اور فطرت ہے اس کی نوعیت بڑی ہی ناخوشگوار ہوتی ہے۔ اور بغیر تکلیف اٹھانا ۔۔۔۔! انصاف اور حق ان دو چیزوں کے درمیان رہتے ہیں۔ اور اپنی غایت کے لحاظ سے خوشگوار اور مفید نہیں سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ ان کا تعلق ایسی قدرت سے ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم غلطی کرنے کے قابل نہیں رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ شخص جس کے طاقت اور اختیار میں ہے تو وہ غلطی کر لیتا ہے اور اس کے بعد اس غلطی کا اعتراف کرتا ہے۔ اس کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر وہ ایسا اعتراف کرتا ہے۔ تو وہ پاگل ہوگا۔[1]

تو یہ ہے وہ وضاحت جو انصاف کے سرچشمے اور فطرت کے متعلق کی جاتی ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے۔ کہ وہ لوگ جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ وہ اپنی خواہش کے خلاف عمل کرتے ہیں اور صرف اس لئے کہ وہ غلطی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ یہ ہم اس طرح سے بڑی آسانی سے جان سکتے ہیں۔ اگر ایک منصف اور غیر منصف شخص کو اس کی پوری اجازت دے دی جائے۔ اور ہم منصف شخص کو بھی عین اسی حالت میں پائیں گے۔ جس حالت میں کہ غیر منصف شخص ہوگا۔ وہ بھی اپنے ذاتی مفاد کی راہ پر چلے گا۔ وہی تحریک اور جواز ہے جو ہر انسان کے لئے ہے۔ اور فطری طور پر ہر شخص اس راستے پر چلنا چاہتا ہے۔ جس سے اُسے فائدہ حاصل ہو سکے۔ اور اگر ہم قوانین وضع کرنے کے بعد انسانوں کو مجبور نہ کریں۔ کہ وہ ایک دوسرے کے دعاوی اور حقوق کو پامال نہ کریں۔ بلکہ ان کا احترام کریں۔ تو ہر شخص اسی راستے پر گامزن ہوگا۔"

"آزادی ۔۔۔ جس کا میں نے یہاں نام لیا ہے۔ اس سے میری مراد اس طاقت سے ہے جسے مشہور معروف لیڈین کے گگ نے۔ اور جداو کی کہانی میں بتایا گیا ہے۔[2] وہ ایک چرواہا تھا۔ اور اس وقت کے لیڈیا

---

[1] یہ وہ پہلا نتیجہ ہے اور اسی طرح جسے بعد میں نظریۂ سماجی۔۔۔ کا نام دیا گیا۔ اور لاک۔ ہابس اور روسو جیسے دانشوروں نے اس پر کتابیں لکھیں۔ (مسند طاہر)

کے بادشاہ کا ملازم تھا۔ ایک دن جب اپنے گلے کو چرا رہا تھا۔ تو بہت بڑا طوفان آیا۔ اور ساتھ ہی زلزلہ بھی۔ جس سے زمین سے پانی کے چشمے اُبلنے لگے۔ وہ اس سے بڑا حیران ہوا۔ اور اس چشمے میں اتر گیا۔ جہاں اُس نے کئی حیران کن چیزیں دیکھیں۔ اور پھر اس میں اس پیتل کے گھوڑے کا ذکر آتا ہے۔ جو دروازوں کے درمیان جڑا ہوا تھا۔ جب اس نے اس کے اندر جھانکا تو آدمی کے قد و قامت سے بھی بڑی اُسے ایک لاش نظر آئی۔ اس نے اس کی انگلی سے سوائے ایک سونے کی انگشتری کے اور کچھ نہ لیا۔ جب وہ معمول کے مطابق چرواہوں کی میٹنگ میں شامل ہوا جو ہر ماہ ہوا کرتی تھی اور اس میں بادشاہ کو اس کے جانوروں اور گلوں کی حالت سے مطلع کیا جاتا تھا۔ جب وہ وہاں اپنے ساتھی چرواہوں کے ساتھ بیٹھا تھا تو اس نے اس انگشتری کو اندر کی طرف کر لیا۔ تو وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ اور وہ اس کا ذکر یوں کرنے لگا۔ جیسے وہ کہیں چلا گیا ہو۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ جب اس نے دوبارہ انگشتری کو ہلایا اور اس کا نگینہ باہر کی طرف کر لیا۔ تو پھر دوبارہ نظر آنے لگا۔ جب اس نے اس چیز کا تجربہ کر لیا۔ تو اس نے اور زیادہ تجربات کرنا شروع کر دیئے۔ تاکہ وہ انگشتری کی اس طاقت سے صحیح معنوں میں آشنا ہو سکے۔ اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جب بھی وہ اس کا نگینہ اندر کی طرف کرتا ہے۔ تو وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اسے باہر کی طرف کر لیتا ہے۔ تو پھر سب کو دکھائی دینے لگتا ہے۔ جب اسے اس پر مکمل بھروسہ ہو گیا۔ تو پھر ان چرواہوں میں شامل ہو گیا۔ جو بادشاہ کے دربار میں جاتے تھے۔ یہاں اُس نے ملکہ کو اپنے ساتھ پھسلا کر ملا لیا اور بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

"آؤ اب اپنے تصور میں ایسی ہی دو انگوٹھیوں کو لے آؤ۔ ایک منصف آدمی کے لئے اور دوسری غیر منصف کے لئے۔ اور پھر کوئی ایسا شخص نہ ملے گا جو ایسے وقت میں ان قوتوں کو حاصل کرنے کے بعد دوسرے لوگوں کی جائیداد پر قبضہ نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اس قابل ہو گا، اس کے پاس اتنی طاقت ہو گی۔ کہ وہ جس چیز کی اُسے ضرورت ہو گی کسی بھی دکان سے چرا سکے گا۔ اور اسے کوئی خوف یا ڈر نہ ہو گا۔ وہ کسی بھی گھر میں جا کر کسی عورت کو پھسلا سکتا ہے، جسے چاہے قتل کرے جسے چاہے جیل سے رہائی دلا دے۔ اور مافوق الفطرت طاقتوں کی طرح جس طرح چاہے لوگوں سے اپنی من مانی کرے۔ اور صورت حال میں کوئی بھی منصف آدمی غیر منصف آدمی سے مختلف نہ ہو گا۔ اور دونوں ایک ہی راستہ اختیار کریں گے۔ یہ دلیل ہے۔ جس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ لوگ انصاف کو صرف بہ جبر ہی اچھا کہتے اور قبول کرتے ہیں۔ ورنہ کوئی آدمی اسے اپنے لئے مفید نہیں سمجھتا ہے۔ اور وہ جب بھی موقع ملے برائی کرنے سے احتراز نہ کرے گا اور جو شخص اس نظریئے کی حمایت کرتا ہے۔ وہ شدومد سے اصرار کرے گا۔ کہ وہ لوگ جو انصاف کو بے انصافی سے کم سود مند سمجھتے ہیں، اپنی جگہ برحق ہیں۔ لیکن ایک انسان کو جو ہی آزادی نصیب ہو۔ جو کہ گفتگو کے وقت حاصل ہے۔ تو کسی شخص نے بھی اپنے ہمسائے یا دوسرے آدمی کو دغا دینے میں کمی نہیں کی۔ ایسے غلط کار آدمی کو لوگ احمق اور فقیر سمجھیں گے۔ اور وہ عوام میں اس کی صفت اس لئے نہ کریں گے۔ کہ انہیں خود یہ خطرہ ہوتا ہے۔ کہ کہیں اس کی غلط کاریوں کا پول نہ کھل جائے۔

"اس کے بعد ہم قطعی طور پر ان دونوں زندگیوں کے متعلق کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

اور یہ اسی صورت میں بہترین طور پر ہو سکتا ہے جب مثال کے طور پر ہم منصف اور غیر منصف کو دو بدو سامنے رکھ لیں۔ اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں ان کی تکمیل صورت میں مدنظر رکھیں۔ اور ایک کی بے انصافی اور دوسرے کے انصاف کو آپس میں خلط ملط نہ کریں۔ میں غیر منصف آدمی سے آغاز کرتا ہوں۔ کہ وہ بھی ہمیشہ ماہرانہ طور پر مخصوص ذہانت اور محنت کا نمائندہ ہو گا۔ جیسے پائلٹ یا ڈاکٹر۔ یعنی یہ کہ اُسے بخوبی علم ہوتا ہے۔ کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ اور کیا نہیں کرنا ہے۔ اور اس سلسلے میں اسے اپنی ممکنہ حدود کا بھی علم ہوتا ہے۔ اور اسے علم ہوتا ہے۔ کہ اگر اس کی غلط کاریوں اور برائیوں کا انکشاف ہو گیا تو پھر اس کے لئے خاصی دقت پیدا ہو گی بے انصاف یا بُرا انسان حتی الوسع کوشش کرے گا۔ کہ اس کی برائی اور ظلم کا پول نہ کھل سکے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ مکمل طور پر بُرا یا اپنے مخصوص کردار میں مکمل نہیں ہے۔ اس لئے ہمارا یہ غیر منصف آدمی اپنی بے انصافی میں پورا اور یکتا ہو گا۔ اور وہ اپنی زندگی میں بڑے بڑے جرائم کرے گا۔ لیکن پھر بھی اپنی شہرت کو داغدار نہ ہونے دے گا۔ یعنی اگر اس کی کوئی غلط کاری ظاہر ہو جائے تو وہ اسے چھپا سکے گا۔ اس کی مکمل مدافعت کر سکے گا۔ اس سلسلے میں اگر اسے طاقت کا استعمال کرنا پڑے گا۔ تو وہ ہچکچائے گا نہیں۔ اور اس سلسلے میں وہ اپنا حوصلہ طاقت استعمال کرے گا یا اپنے دوستوں اور دولت کا سہارا لے گا

اب ہمارے اس بُرے اور غیر منصف آدمی کی تصویر کے سامنے منصف اور انصاف پسند کو مقابل لاؤ۔ جس کا کردار سادہ ہے۔ ایک رنگ ہے۔ جو بقول ایسکلس[1] کے یہ چاہتا ہے۔ وہ ظاہر ہو بھی اور اچھا نظر نہ آئے۔" ہم بھی اسے یہ اجازت نہ دیں گے کہ وہ ہمیں اچھا نظر آئے۔ ظاہری طور پر۔ کیونکہ اگر وہ ظاہر ہو گیا۔ تو اُسے ان تمام انعامات اور اعزازات سے نوازا جائے گا۔ جو ایسے منصف انسانوں کے لئے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح ہم یہ جاننے اور بتانے سے قاصر رہ جائیں گے۔ کہ یہ شخص جو انصاف سے محبت کرتا ہے۔ اس کا سبب خالصتاً انصاف سے محبت ہے۔ یا عزوجاہ اور انعامات و اعزازات کی حرص۔ ہم اس سے ہر قسم کی خاصیت اور ظاہریت چھین کر صرف اُسے انصاف کی خوبیوں کا حامل ہی رہنے دیں گے۔ اس طرح ہم اس کی بھی ایسی ہی تصویر کھینچ سکیں گے جیسے ہم نے اس کے مخالف شخص بے انصاف کی کھینچی ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ منصف آدمی عزت شہرت وقار سے اتنا ہی دُور ہو گا۔ جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اب ہم اس کی آزمائش کریں گے۔ اور دیکھیں گے۔ کہ وہ کس طرح غیر مقبول ہے۔ اور اس کے ساتھ کون سے متعلقات وابستہ ہیں۔ اور وہ موت تک اپنے چُنے ہوئے راستے پر گامزن ہے۔ اس طرح جب بالکل مخصوص صورتوں اور مکمل صفات کے حامل ان دونوں کو دیکھیں گے۔ تو ہمیں یہ پتہ چلانے میں دقت نہ ہو گی کہ ان دونوں میں کونسا شخص زیادہ مسرور ہے"

"گلوکن۔۔ تم اپنے ان دونوں کو اس طرح آخری ٹچ دے رہے ہو۔ جیسے" میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا " تم انہیں کسی نمائش میں پیش کرنے والے ہو۔"

"میں تو اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا ہوں۔ اور یہ ہمارے دونوں کردار ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کر ہمیں یہ بتا دیں گے۔ کہ کس قسم کی زندگی ان کی منتظر ہے۔ اور اگر ان کی حالت اور حلیہ کسی طرح ناقص ہے تو سقراط یقین کرو اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ بلکہ وہ لوگ جو بے انصافی کو انصاف سے حقیر سمجھتے ہیں۔"

"خیر تو جیسے کہ ہم نے منصف انسان کی تصویر کھینچی ہے۔ اسے تنگ کیا جائے گا

---

[1] ایسکلس: مشہور یونانی ڈرامہ نگار SUFFL ANT وغیرہ کا

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے گریٹ ڈائیلاگز: ایڈیشن ہملٹن

کی پرتشدد ہوگا، اسے قید کر لیا جائے گا۔ اور اس کی آنکھیں نکال لی جائیں گی اور ہر طرح کی ذلت اور تباہی سہنے کے بعد اُسے سُولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ اور بعد میں جا کر کہیں احساس ہوگا کہ ہمیں انصاف کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے تھا۔ اور وہ اقتباس جو میں نے ایسکلس کا ابھی ابھی دہرایا ہے۔ وہ منصف انسان کے بجائے غیر منصف انسان پر اطلاق کرتا ہے۔ اسی کا حصہ ہے۔ کیونکہ یہ وہ شخص ہے جو ظاہری حوال کی بجائے حقیقت کا سامنا کرتا ہے۔ وہ یہ احساس نہیں دیتا کہ وہ اس سے "ملتا جلتا" ہے۔ بلکہ وہ بے انصاف ہے۔ وہ

خیالات کی گہری فصل کاٹتا ہے، تاکہ بعد میں، اس سے
اس کے منصوبے پھل پھول سکیں۔

وہ منصوبوں —— اِن منصوبوں سے عزت اور عہدہ حاصل کرتا ہے۔ جو اسے اس قابل بنا دیتے ہیں کہ وہ جس خاندان اور کنبے میں چاہے شادی کرے۔ اپنے بچوں کے لیے بہترین جوڑے تلاش کرے۔ کاروبار میں بہترین ساکھ پائے۔ وہ سارا وقت (اس کے پاس وقت تو فاضل ہوتا ہی نہیں) کچھ نہ کچھ بناتا رہتا ہے۔ وہ ہر قسم کے اجتماعی اور ذاتی مقابلوں میں سب سے برتر ثابت ہوتا ہے۔ اور اپنے رقیبوں کو نیچا دکھاتا ہے۔ اور اسی طرح دولتمند بن کر اپنے دوستوں کی مدد کر سکتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ دیوتاؤں کے حضور میں بہترین اور شاندار نذرانے پیش کرتا ہے۔ اور جس شخص کی وہ خدمت کرنا چاہے بہترین انداز میں کر سکتا ہے۔ اور اُن لوگوں سے کہیں زیادہ بہتر صورت میں —— جو منصف ہیں انصاف پسند ہیں اور اسی لئے یہ ایک معقول وجہ ہے۔ کہ دیوتا اس کی زیادہ خبر گیری کرتے ہیں۔ اور اس طرح سقراط، نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ منصف آدمی کی بہ نسبت ایک بے انصاف آدمی کے لئے اچھے دن انتظار کرتے ہیں اور انسانوں اور دیوتاؤں کے ہاتھ اُسی کے لئے اُٹھتے ہیں"

۲۔ ایڈمنٹس اپنی طرف سے گلوکن کے نظریات میں اضافہ کرتا ہے۔ اور اُن بیکار اسباب پر زور دیتا ہے۔ جو عموماً درست رویے کے متعلق پیش کئے جاتے ہیں۔ آدمی اسی لئے "اچھا" کام کرتے ہیں، کہ وہ اس سے "اچھائی" حاصل کر سکیں جو ان کی اس زندگی اور اگلی زندگی میں کام آسکے۔ اور اسی لئے وہ بھلائیوں کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ عام طور پر مسلّمہ بات ہے۔ کہ اس سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اور بُرے کام کرنے کے سلسلے میں مروّجہ ہم عصر مذاہب بھی ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ ایڈمنٹس اور گلوکن دونوں سقراط سے یہ اصرار کرتے ہیں۔ کہ وہ منصفانہ اور جائز برتاؤ کو برتر ثابت کرے اور وہ بھی ان کی اپنی خاطر میں، اور انعامات یا سزاؤں کے حوالے نہ دے۔

جب گلوکن نے اپنی گفتگو ختم کی تو دوبارہ میرے ذہن میں یہ آیا۔ کہ میں اسے کوئی جواب دوں۔ لیکن اس کے بھائی ایڈمنٹس نے مجھے روک دیا اور بولا "سقراط تم میرے خیال میں یہ نہیں سمجھ رہے ہو کہ یہ ایک مکمل وضاحت ہے۔ یہ کہ یہ دلائل نامکمل ہیں۔ کیوں سقراط؟"

"لیکن بھلا میں ایسے کیوں سوچوں؟" میں نے جواب دیا۔
"کیونکہ ابھی بنیادی نکتہ تو بیان نہیں کیا گیا۔"

"اچھا" میں نے کہا۔ "وہ کہاوت کہ خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے۔ سو اگر تمہارے بھائی کی طرف سے کوئی چیز باقی رہ گئی ہے۔ تو تم اسے پورا کر دو۔ جہاں تک میرا سوال ہے۔ اس نے میرے لیے کئی دلائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اور بات اس مقام پر آ پہنچی ہے جہاں انصاف کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔"

"خیر یہ سب بکواس ہے" ایڈمنٹس نے کہا "تم میری بات سنو" جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہمیں گلوکن کے بیان کو اس طرح مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ جیسے اُس نے بیان کی ہیں۔ البتہ یہ ہے۔ کہ عام حالات میں دلائل بے انصافی سے کہیں زیادہ انصاف کے حق میں جاتے ہیں۔ کیونکہ والدین اپنے بچوں کو، مذہبی رہنما اور اساتذہ اپنے شاگردوں وغیرہ کو یہی سبق دیتے ہیں۔ کہ وہ انصاف کریں۔ لیکن اس لئے نہیں کہ وہ انصاف کو اپنی قدر سے متاثر ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سماجی عزت و رتبہ کے لئے، جو اس سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ انہیں بتاتے ہیں۔ کہ وہ انصاف کی طاقت سے کام لے کر اپنے گھرانے اور مفادات کا خیال کریں۔ جسے گلوکن نے نظر انداز کر دیا ہے۔ اور وہی اعزاز حاصل کریں۔ جو ایک منصف اور اچھے آدمی کے لئے مختص ہیں۔ اس طرح وہ عزت اور وقار کی اہمیت پر زور دیتے رہتے ہیں۔ اور اس امر پر زور دیا جاتا ہے۔ کہ اگر وہ اپنے مقامات پر جمے رہے تو انہیں اعلیٰ منصب اور رتبے ملیں گے۔ اور یہ کہ نیک آدمی کے لئے عطیہ ہے۔ اس سلسلے میں ہیسیوڈ اور ہومر[1] کو مدِ نظر رکھو۔ ہیسیوڈ (HCS 100) کہتا ہے۔ کہ دیوتاؤں نے انصاف کو مدِ نظر رکھتے ہی شاہ بلوط کے درخت کی چوٹی پر پھل لگایا اور درمیان سے سیدھا راستہ" بنایا۔ جب کہ ان کی بھیڑیں "اُون سے بھری رہتی ہیں۔" اور اسی طرح ہومر نے کہا ہے۔ "مکمل اور صحیح بادشاہ، خدا کا خوف دل میں رکھ کر حکومت کرتے ہیں۔ وہ انصاف کو تھامے رہتے ہیں۔ اور اس طرح یہ سیاہ زمین گندم اور چنے پیدا کرتی ہے۔ درخت پکے پھلوں سے لدے رہتے ہیں۔ اور بھیڑیں اپنی تعداد بڑھاتی رہتی ہیں۔ اور سمندر مچھلیوں سے بھرے رہتے ہیں۔"

"انصاف کے وہ انعامات اور اعزازات جن کا ذکر میساس اور اس کے بیٹے کے ہاں ملتا ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ اعلیٰ ہیں۔ اور جب انہیں یہ اعزازات مل گئے۔ تو وہ دوسری دنیا میں جا کر شام کے لباس میں ملبوس شراب و جام سے کھیلنے لگے۔ جیسے ان کے خیال میں سب سے بڑا اعزاز جو ذہانت کا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے شراب پینا ہے۔ اس کے بھی علاوہ منصف لوگوں کی جزا کے ہزاروں افسانے مشہور ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ پاک اور نیک آدمیوں کے اولاد ہوتی ہے۔ اور ان کی نسل کا کبھی خاتمہ نہیں ہوتا اس قسم کی باتیں اور انعامات انصاف کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ اور بے انصاف لوگوں کو تو اس دنیا میں کیچڑ بھرے جوہڑوں میں پھینک دیا جائے گا۔ اور انہیں یہی گندہ پانی پینا پڑے گا۔ اور دیگر کئی مشقتیں، دوسری طرف دنیا میں انہی لوگوں کو بُرے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ان کے لئے ہر طرح کی سزائیں وضع کی گئی ہیں۔ اور پھر ایسی ہی دوسری لعنتیں ان کے لئے ہیں۔ لیکن ان کے لئے ایک منصف آدمی ہی بڑی تاثیر رکھتا ہے۔

بہرحال اس طرح سے انصاف کو نوازا اور بے انصافی کو ملزم گردانا جاتا ہے۔ لیکن ابھی ایک اور دلیل باقی ہے۔ جو ہمیں شاعروں کی وساطت سے ملتی ہے۔ اور عام لوگ بھی اپنی روزمرہ کی گفتگو میں اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لوگ انصاف یا خصوصیات و کردار کے سلسلے میں یک زبان ہیں۔ لیکن یہ بھی دیکھو۔ کہ وہ اس پر عمل کرنے میں کہاں تک کامیاب رہتے ہیں۔ جب کہ اپنی ذاتی بھلائی اور بے انصافی کے طور طریقے آسان ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے۔ کہ ہم پر اس سلسلے میں ہزاروں برائیاں عاید کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ اچھائی کی نسبت سے بھلائی زیادہ فائدہ بخش اور سود مند ہے۔ اور لوگ ایک بے انصاف شخص کو خوش قسمت کہنے کے لئے بھی تیار رہتے ہیں۔ اور

---

[1] ۔ قدیم یونان کے عظیم شاعر اور رزمیہ نگار۔ ہومر ہمارے یہاں عام لوگوں کی نظروں سے گزرا ہے اور اسے عام پڑھا گیا ہے۔ اس کی ایلیڈ اور اوڈیسی دنیا کی عظیم ترین قدیم کلاسیکس ہیں
(س۔ ط)

اُسے عوام اور تنہائی میں عزت کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ امیر اور طاقتور ہوتا ہے۔ جبکہ وہ غریب اور کمزور کی نہ تو عزت کرتے ہیں اور نہ ہی اس کا انہیں کوئی احساس ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص بہتر انسان ہے۔ اور اس سے علاوہ حیران کن وہ داستانیں ہیں جو دیوتاؤں سے منسوب ہیں۔ کہ کس طرح وہ اچھے، نیک اور منصف لوگوں کی زندگی کو مشکل اور تکلیف دہ بنا دیتے ہیں۔ اور کس طرح ان کی زندگی غموں اور دکھوں سے بھر دیتے ہیں جبکہ بُرے آدمیوں کو وہ ہر طرح کی نعمتوں سے نوازتے ہیں۔ یہاں ایسے کئی پیغمبروں اور ولیوں کا ذکر ملتا ہے۔ جنہوں نے امیر آدمیوں کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ اور انہیں ترغیب دی۔ کہ ان کی زندگی میں بھلائی کا کوئی عنصر شامل ہے۔ اور اگر ان کے آباؤ اجداد اور اُن سے کوئی فرو گذاشت ہو گئی ہو۔ تو وہ دیوتاؤں کی خدمت میں نذرانے اور قربانیاں پیش کریں۔ وعظ میں دیں تاکہ اُن فرو گذاشتوں کا دھبہ مٹ جائے کیونکہ اگر انہوں نے کسی کو نقصان پہنچایا ہو تو اس کی سزا میں وہ معمولی سا معاوضہ دے سکتے ہیں۔ (اب خواہ وہ اچھا آدمی ہے یا بُرا اس سے کوئی غرض نہیں ہے) اور اس طرح وہ خداؤں اور دیوتاؤں کو بھی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ان کی رضا و رغبت پر عمل کریں۔۔ اس سلسلے میں وہ بلا دریغ شاعروں کے فن پاروں کے حوالے دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ برائی کے استدلال کے لئے بھی شاعروں کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ اور ہسیوڈ کا قول دہراتے ہیں۔ "برائی کا حصول زیادہ آسان ہے۔ اور ہم ساتھی بھی مل جاتے ہیں۔ راستہ بھی ہموار ہوتا ہے۔ اور منزل قریب۔ لیکن دیوتاؤں نے نیکی کو بڑا دشوار بنا دیا ہے۔ جب تک کہ خوب پسینہ نہ بہے۔ اور محنت نہ ہو۔ تب تک نیکی کا حصول ناممکن ہے۔ اور یہ راستہ کٹھن اور منزل بھی دور ہوتی ہے۔ بعض لوگ ہومر کا حوالہ دیتے ہیں۔

"دیوتاؤں کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ وہ بھی بدل جاتے ہیں۔ اور یہ ان کے لئے ممکن بھی ہے۔ وہ اس طرح بھی رُخ بدل لیتے ہیں۔ کہ قربانیوں اور نذرانوں اور دعاؤں سے متاثر ہو کر اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔ اور اس وقت بھی جب کوئی گنہگار اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک کر خلوص سے دعا مانگتا ہے۔"

اس کے علاوہ وہ بے شمار کتابوں کو اپنے حوالوں کے لئے استعمال کرتے ہیں جن میں کئی عجیب و غریب، رسوماتی حکایات اور ہدایات موجود ہیں۔ جنہیں میساس اور آرفئس نے لکھا تھا جنہیں وہ چاند اور ستاروں (MUSES) کے وارث کہتے ہیں اور وہ صرف دو عام ہی کو نہیں بلکہ جملہ معاشرتی خاندانوں اور کنبوں کو ترغیب دیتے ہیں۔ کہ کیا زندہ اور کیا مردہ۔۔۔۔ ان کے گناہوں کے داغ دھبے قربانیوں، نذرانوں اور اسی قسم کی بچگانہ رسومات سے دور ہو سکتے ہیں۔ جس سے ہم نہ صرف اس زندگی میں بلکہ آنے والی زندگی میں بھی سرخرو ہو سکتے ہیں۔ جہاں خوفناک چیزیں منتظر ہیں۔

"سقراط اب تم ہی کہو۔ کہ ان باتوں کے ہوتے ہوئے، نوجوان لوگ جن تک یہ باتیں پہنچتی ہیں۔ دیوتاؤں اور انسانوں کے حوالے سے، وہ لوگ اپنے اذہان پر کیا اثر لیتے ہیں۔ اور ان کی زندگی کس سانچے میں ڈھلنے کی کوشش کرتی ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ کس قسم کے آدمی سے متاثر ہوں؟ اور کس قسم کے آدمی سے متاثر نہ ہوں؟ ایسے نوجوان افراد اپنے آپ سے پنڈار[1] کے الفاظ میں پوچھیں گے۔

"کیا میں انصاف و نیکی اختیار کرنے سے بلند رتبہ حاصل کروں گا، یا بدی کے ذریعے اور پُر دہ زندگی کی کھوج میں نکلتے ہیں" لیکن ان پر تو یہ بات پہلے سے واضح ہوتی ہے۔ کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کیونکہ انہیں بخوبی علم ہوتا ہے۔ کہ اگر میں منصف مزاج ہوں تو اس کا مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ بلکہ صرف پریشانی اور نقصان۔ اگرچہ انصاف کے سلسلے میں وقار حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اگر میں بے انصافی کی راہ اختیار کروں، تو شاید مجھے وہ عزت اور شہرت نصیب نہ ہو۔ لیکن میں انتہائی خوشگوار وقت گزاروں گا۔ اور یہ کہ بزرگ اور دینی رہنما بھی یہی کہتے آ رہے ہیں کہ "ظاہریت، حقیقت سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے" اور ہماری مسرت کو مستحکم کرتی ہے۔ اس لئے میرے لئے یہی بہتر ہو گا۔ کہ میں ظاہری نمائش پر زیادہ زور دوں۔ میں ظاہری طور پر عقلمندی اور دیانت اور انصاف کا نقاب اوڑھے رکھوں گا۔ لیکن اندر سے میں "ایک لومڑی کی طرح چالاک" رہوں گا۔ جس کے متعلق آرکیلیکوس نے اتنے بلند بانگ الفاظ کہے ہیں۔ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو۔ کہ ایسا کرنا، اور بُرا بننا اتنا آسان نہیں ہے۔ لیکن میں جواب میں کہوں گا۔ کہ اس طرح تو "کوئی امر بھی آسان نہیں ہے" لیکن جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ وہ یہی باتیں ہیں۔ جو مسرت و کامرانی کے راستوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو اور زیادہ مستعد رکھنے کے لئے ہم خفیہ تنظیمیں اور کلبیں بنائیں گے۔ اس طرح ہم عوام میں تقریریں کرنے کا فن سیکھ جائیں گے۔ سیاسی امور میں ماہرین جائیں گے۔ اور اس طرح ہم اپنا راستہ تبلیغ و ترغیب یا جبر و تشدد سے نکال لیں گے۔ "کیونکہ دیوتاؤں کے خلاف نہ تو دھوکہ مؤثر ہوتا ہے۔ اور نہ ہی تشدد اور جبر" لیکن اگر دیوتا ہیں ہی نہیں، یا انہیں انسانوں کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ تو پھر ہم ان کو دھوکہ دینے کی زحمت ہی کیوں گوارا کریں؟ اور اگر دیوتاؤں کا وجود ہے۔ تو پھر ان کا علم اور بصیرت تو ہمیں روایتوں اور شاعروں کے واسطے سے ہی نصیب ہوا ہے۔ جنہوں نے ان کی پیدائش اور تخلیق کا ذکر کیا ہے۔ اور انہی شاعروں نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے۔ کہ نذرانوں اور قربانیوں سے دیوتاؤں کو اپنا ارادہ بدل لینے میں کوئی عار نہیں ہوتا ہے۔ اور "عاجزانہ دعائیں" اور قربانیاں بھی مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ یا تو ہمیں ان دونوں توضیحات کو قبول کرنا ہو گا۔ اور یا پھر ہر ایک کو نظر انداز کر دینا ہو گا۔ اور اگر ہم انہیں قبول کر لیتے ہیں۔ تو پہلے گناہ کرو اور بعد میں اس کا کفارہ نذرانوں کی صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم نیکی کرتے ہیں تو ہمیں آسمانی نعمتوں کا بدل مل جائے گا۔ لیکن ہم ان مفادات کو کھو دیتے ہیں جو غلط کاری کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم برائیاں کرتے ہیں۔ تو ہمیں کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اور پھر ہم اپنی غلط کاریوں اور گناہوں کو دعا اور نذرانوں سے معاف کروا سکتے ہیں۔ اور اس قابل ہو جاتے ہیں۔ کہ ہم خداؤں کو مجبور کر سکیں۔ کہ وہ ہمیں سزاؤں سے معاف رکھیں۔ "لیکن ہم اس دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں۔ اس کا بدلہ ہمیں اگلی دنیا میں ملے گا۔ وہ بھی ہمیں یا شاید ہمارے آباؤ اجداد کو ملے۔" لیکن آسمانوں اور دیوتاؤں کے متعلق بخوبی علم ہے کہ وہ بڑی مقتدر طاقتیں ہیں اور اُن کی رسوماتی حالتوں سے آگاہ ہیں۔ ان کے متعلق ہمیں ترقی یافتہ معاشروں، دیوتاؤں کے بچوں یعنی شاعروں اور پیغمبروں کی وساطت سے علم حاصل ہوا ہے۔ اور انہوں نے ہی ان کا پیغام ہم تک پہنچایا ہے۔

"اب تم ہی بتاؤ کہ ایسی کون سی دلیل باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے یہ ثابت کیا جا سکے۔ کہ انصاف، بے انصافی سے برتر ہے؟ جبکہ عام اور عظیم آدمیوں نے ہمیں یہی بتایا ہے۔ اور وہ اس امر پر متفق ہیں۔ کہ یہی ذرائع عزت و وقار حاصل کرنے کے ہیں۔ اور بے انصافی اور برائی ہمیں اس قابل بناتی ہے۔ کہ ہم اس دنیا اور اگلی دنیا میں دیوتاؤں کو جیسے چاہے منا سکتے ہیں؟ اور انسانوں کو بھی اپنی راہ لگا سکتے ہیں۔ اور پھر ان باتوں کے ہوتے ہوتے، جب کوئی شخص انصاف کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔ تو ہم کس طرح اپنے آپ کو اس کی ہنسی اڑانے سے باز رکھ سکتے ہیں پھر یہ بھی دیکھو۔ کہ ایسے لوگ عام طور

---

[1] قدیم یونانی شاعر

پر نہ تو عہدوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی شخصیت اور دولت کے، اور پھر یہ کہ اگر کوئی شخص اس قابل ہے بھی کہ وہ انصاف کی بے انصافی پر برتری ثابت کر سکے تو اس کے اپنے احساسات بھی برائی اور بُرے انسان کی طرف غصّے کے بجائے عفو اور در گزر کے ہوں گے۔ وہ کبھی بھی اپنے دل سے یہ خیال نہیں نکال سکتا۔ کہ انسان اس دنیا میں بُرائی کا عنصر اپنے اندر لئے ہوئے پیدا ہوا ہے۔ یا اسے نیکی اور انصاف کی راہ پر چلنے کے لئے علم، رشد و ہدایت کی ضرورت ہے۔ اور وہ ان کے لئے علم و ہدایت کی اہمیت محسوس کرے گا۔ اب تمام باتیں تم پر واضح ہو گئی ہیں۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ایک شخص انصاف کی اس لئے مصلحت و ثنا کرتا ہے۔ کہ اس کے پاس وہ طاقت، وہ اختیار نہیں ہوتا ہے۔ جس سے وہ گناہ اور برائی کا ارتکاب کر سکے۔ اُسے ایسی طاقت اور اختیار سونپ کر دیکھو۔ وہ پہلا شخص ہوگا۔ جو اسے اپنے استعمال میں لائے گا۔

یہ بحث جو ہم تینوں میں ہوئی ہے، اس کی جڑیں دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اس کا لب لباب یہ نکلتا ہے۔ "تم سب لوگ جو انصاف وغیرہ کے مدح خواں ہو۔ اور وہ نبادر جن کی داستانیں ہم تک پہنچتی ہیں۔ اور ہمارے ہم عصر، انصاف وغیرہ کے علم بردار، ان لوگوں نے کبھی بھی بے انصافی کو ملزم قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی انصاف کی تعریفیں کی ہیں۔ سوائے اس کے کہ انصاف عزت و وقار کا باعث بنتا ہے۔ کوئی بھی شاعر مبتدی یا عام آدمی نے ان چیزوں کو ایک فردِ واحد کے دماغ پر جو اثر ہوتا ہے۔ اس کا کوئی تماثر پیش کیا ہے۔ اور نہ ہی کسی نے یہ ثابت کیا ہے کہ بے انصافی کا اثر انصاف کی نسبت کم تر ہوتا ہے۔"

بس تو یہ وہ نظریات ہیں، جو تھریسمیکس اور ایسے بے شمار لوگوں کے ذہنوں میں ہیں۔ میرے خیال میں اس طرح سچائی کی اجتماعی طور پر غلط نمائندگی کی گئی ہے لیکن میں نے پوری شدت سے ان خیالات کو پیش کیا ہے۔ کیونکہ مجھے تمہارے تصورات اور خیالات کی تردید درکار تھی۔ ہم اب تم سے صرف یہی سننا نہیں چاہتے ہیں کہ انصاف بے انصافی سے بہتر ہے۔ بلکہ بنیادی طور پر یہ بھی کہ ایک شخص جس کے ذہن پر انصاف کا غلبہ ہے۔ اُسے اس کی وساطت سے کون سے خطرناک اور نقصان دہ اثرات اس کے ذہن و زندگی پر حاوی ہوتے ہیں۔ اسی طرح گلوکن کی ہدایات کو مدِ نظر رکھ کر ہمیں ایک صحیح تخمینہ دو۔ جس سے ہم پر اس کے صحیح نتائج کا علم ہو سکے۔ کیونکہ اگر تم ہمیں ان کے فوائد اور نقصانات سے آگاہ نہیں کر سکتے ہو۔ تو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم اتنا ہی جانتے ہو۔ کہ ایک چیز کی صفت و ثنا کر سکو اور دوسری چیز کو بُرا بھلا کہہ سکو اور اصلیت اور حقیقت کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔ اور یہ بھی مدِ نظر رکھو۔ کہ تم تھریسمیکس کے بیانات کے سلسلے میں یہ تسلیم کر چکے ہو۔ کہ انصاف بعض لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ مقتدر جماعت کے لئے بھی، تم تسلیم کر چکے ہو۔ کہ انصاف کا واسطہ اعلیٰ صفات سے ہوتا ہے۔ جنہیں ہم صرف ان کی ذات تک ہی محدود رکھ کر انتخاب نہیں کرتے بلکہ اس لئے بھی کہ ان کے جملہ مقتضیات اور متعلقات کو بھی اسی طرح قبول کرتے ہیں۔ اس لئے اب ہم یہ سننا چاہتے ہیں۔ کہ انصاف ایک شخص کے لئے کون سے فوائد مہیا کرتا ہے۔ اور ان کا مقابلہ اُن نقصانات سے کرو، جو بے انصافی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ میں دوسرے لوگوں کو بھی سننے کے لئے تیار ہوں۔ کہ ان کی نظر میں انصاف و بے انصافی کے کیا کیا فوائد ہیں۔ اور وہ اس سلسلے میں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ لیکن تم نے اس مسئلے پر غور و خوض کرنے میں اپنی ساری عمر گزاری ہے۔ اس لئے میں تم سے اس سلسلے میں کچھ جاننے کا زیادہ خواہاں ہوں۔ اس لئے ہمیں بتلاؤ کہ انصاف بے انصافی سے بہتر اور برتر ہے۔ اور یہ بھی ثابت کرو کہ آیا دیوتا اور انسان انصاف کی ان خصوصیات کو جانتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ لوگ جو ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی زندگیوں پر یہ کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔"

کتاب دوم

ابھی تک بحث کی شکل انصاف (یا درست رویے یا اخلاقیات) کے اس پہلو تک محدود تھی۔ جو فردِ واحد کی زندگی سے متعلق ہیں۔ لیکن اب سقراط کہتا ہے۔ کہ ہمارے لئے یہ آسان ہے۔ کہ ہم اسے وسیع تر حالات میں رکھ کر مطالعہ کریں۔ یعنی ان چیزوں کا اجتماعی حیثیت سے جائزہ لیں۔ اور مشورہ دیتا ہے۔ کہ پہلے انصاف کو کسی ریاست یا جماعت میں رکھ کر بحث کی جائے۔ اور اس کے بعد اس نتیجے پر پہنچا جائے۔ کہ فردِ واحد کی زندگی پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ طریقہ کار یعنی ریاست اور جماعت سے گزرتا ہوا فردِ واحد تک ... اس مکالمے میں آخر تک جاری و ساری ہے۔

سقراط اپنی بحث کا آغاز اس سوال سے کرتا ہے۔ کہ "ایک معاشرہ کی تشکیل کس طرح ہوتی ہے" اسی کا وہ تجزیہ جو "تاریخی تشکیل" سے وابستہ ہے۔ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے اس سے بھی وہ یہی مقصد حل کرنا چاہتا ہے۔ کہ اسے علم ہو سکے کہ ہر معاشرے کی تہہ میں کون سے اصول اور عناصر کام کرتے ہیں۔ اس طرح وہ دو اہم اور سادہ عناصر کا کھوج نکالتا ہے اولاً:۔ باہمی اور مشترکہ ضروریات، انسان خود کفیل نہیں ہے۔ وہ معاشرے میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور باہمی امداد سے ہی رہتے ہیں۔ اور اسی کی انہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے اس لئے تھریسمیکس اور دوسرے لوگوں کا یہ نظریہ معاشرہ اور سماجی اصول غیر فطری ہوتے ہیں سراسر غلط ہے۔ ثانیاً:۔ ردِّ عمل کا تقاضہ ـــ بے شمار لوگ اچھے ہوتے ہیں اور بے شمار چیزیں اچھائی کی حامل۔ اور ہر ایک کے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ وہ اپنی مخصوص خصوصیات کو بہترین طریقے سے ارتقائی مراحل طے کراتا رہے۔

ان دو نکات سے آغاز کرتے ہوئے سقراط سب سے پہلے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ جسے ہم معاشرے کا اقتصادی ڈھانچہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ اسے بڑی سادگی اور سلامت سے پیش کرتا ہے وہ پانچ اقتصادی یا معاشی طبقوں یا کارکردگیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ (۱) زرعی اور صنعتی پیداوار کے خالق (۲) تاجر (۳) ملاح اور جہازوں کے مالک وغیرہ (۴) خوردہ فروش (۵) تنخواہ دار ملازم یا مزدور وغیرہ [1]

آخر میں سقراط اس زندگی کی نشاندہی کرتا ہوا ملتا ہے۔ جو ان سادہ اصولوں کے تحت تشکیل شدہ معاشرے میں انسان کے لئے وجود میں آتی ہے۔

"میں ہمیشہ سے گلوکن اور ایڈیمنٹس، دونوں بھائیوں کی ذہانت و فہم کا مدح خواں رہا ہوں۔ اور انہوں نے اب جو کچھ کہا تھا۔ اس سے مجھے اور زیادہ مسرت ہوئی۔ ... گلوکن کے قصیدہ خواں نے اس کی بجا تعریف کی تھی" میں نے گفتگو کا آغاز لیا جب اس نے اپنے قصیدے کا آغاز اُن کامیابیوں سے کیا تھا۔ جو تم نے میگرا کی جنگ

---

[1] غلاموں کا تذکرہ یہاں نہیں کیا گیا۔ لیکن ان کا وجود فرض کر لیا گیا۔ افلاطون ... ایک مثالی ریاست میں اہم اور ناگزیر سمجھتا ہے۔ لیکن انہیں ایک علیحدہ ... سے پیشے تیار نہیں ہے۔ اس لئے جو پانچ جماعتیں جیلیں بتائی ہیں۔ یہ غلام ان سے ... ہیں۔ ان کی اپنی کوئی حیثیت افلاطون کے نزدیک نہیں ہے۔ (س۔ ط)

کی تھیں۔ اس کے پہلے مصرعے..

"ارسٹون کے بیٹے — مقدس جوڑا،

ایک مقدس و مشہور خاندان میں پیدا ہوئے"

واقعی حقیقت پر مبنی ہیں۔ کیونکہ تم دونوں میں بلا شبہ تقدیس اور بزرگی کے عناصر شامل ہیں اور اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم بے انصافی کے مقدمے میں اس کے حق میں دلائل دیتے ہو۔ اور میرا ایمان رکھتے ہو کہ بے انصافی، انصاف سے برتر ہے۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ تم اس پر راسخ طور پر ایمان رکھتے ہوگے۔ کیونکہ میں تمہارے کردار اور خصائل سے واقف ہوں۔ لیکن تم نے جو تقریریں کی ہیں۔ انہوں نے مجھے شک و شبہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ جہاں تک میں گہری محسوسات سے وابستہ ہوں میرا شک اور شبہ اور زیادہ بڑھتا جاتا ہے اور میرے لئے یہ امر دشوار ہو گیا ہے۔ کہ میں اب کس طرح تمہارے لئے مددگار ثابت ہو سکتا ہوں میرا یہ دعویٰ تو کبھی نہیں رہا۔ کہ میں دانشور ہوں۔ اور اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔ کہ میں ابھی تک تمہیں متاثر نہیں کر سکا ہوں۔ اور تم سے اپنے دلائل کو منوا نہیں سکا ہوں۔ اور پھر میں تھراسیمکس سے اپنی بحث کے دوران میں یہ کہہ چکا ہوں کہ انصاف اور خیر بے انصافی اور شر سے کہتر ہیں۔ اب میں اس سے انکار بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ جب کہ میں نے زندگی بھر اسی تخیل کی پیدا کردہ فضا میں سانس لیا ہے۔ اور اب میں اس سے انکار کر کے کس طرح انکار و انحراف کی گود میں پناہ لے سکتا ہوں۔ اس سلسلے میں پوری کوشش کروں گا۔ کہ اپنے معاملے کو بہترین صورت میں پیش کر سکوں۔"

گلوکن اور باقیماندہ اصحاب نے پر زور درخواست کی۔ کہ میں اپنے دلائل کو آگے بڑھاؤں اور اس موضوع کو ختم نہ کروں۔ اور بتاؤں کہ انصاف اور بے انصافی کی اصلیت اور غایت کیا ہے۔ اور پھر ان کے فوائد اور نقصانات کی نشاندہی کروں۔ میں نے انتہائی بے تکلفی سے اپنی بات شروع کی "یہ دنیا کا اہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق ہم کھوج کر رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس کے لئے ہمیں گہری بصیرت درکار ہے۔ اور چونکہ ہم اتنے ذہین نہیں ہیں۔ اس لئے کیوں نہ اسے اس طرح شروع کیا جائے۔ کہ ہم اپنے آپ کو کم نظر تصور کر لیں۔ جو دور کی دیوار پر لکھے ہوئے باریک حرفوں کو پڑھنے کی کوشش میں ہیں اور سب ہی الفاظ وسیع صورت اور جلی حروف میں ہمارے سامنے آجائیں۔ اور ہم انہیں اچھی طرح پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔ تو پھر ان بڑے لفظوں کی مدد سے ہم چھوٹے لفظوں کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ آیا یہ بڑے اور جلی حروف وہی تو نہیں جو باریک خط میں لکھے گئے تھے؟"

"یقیناً" لیکن اس سے ہماری بحث پر کیا اثر پڑتا ہے؟" ایڈیمنٹس نے پوچھا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں کیا انصاف کسی جماعت یا فرد واحد دونوں کی خاصیتیں نہیں ہیں؟"

"ہے"

"اور ایک جماعت، ایک فرد واحد سے وسیع تر ہوتی ہے۔" "ٹھیک ہے۔"

"اسی سے ہمیں آسانی سے پتہ چل جائے گا۔ کہ انصاف کیا ہے۔ کیونکہ فرد کی بہ نسبت، جماعت میں اس کا اثر و نفوذ اور آثار کہیں زیادہ واضح اور وسیع ہوتے ہیں۔" اس کے مطابق میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنی تحقیقات کا آغاز جماعت سے کریں۔ اور وہاں سے فرد تک پہنچیں۔ اور پھر اس چیز کو تلاش کریں۔ کہ کیا آیا وہ عمل جو جماعت میں کارفرما تھا۔ کیا فرد واحد میں بھی نظر آتا ہے یا نہیں؟

"یہ تو ایک اچھا خیال ہے" اس نے کہا۔

"اچھا تو جب ہم یہ دیکھیں گے کہ ایک معاشرہ کس طرح جنم لیتا ہے۔ تو پھر یہ بھی دیکھیں گے کہ ان میں انصاف اور بے انصافی کا منبع کون سا ہے۔ اس طرح سے میں سمجھتا ہوں کہ ہم جس تلاش میں ہیں۔ وہ زیادہ آسان ہو جائے گی۔"

"واقعی زیادہ آسان ہو جائے گی۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں ہم اس کا جائزہ لینے کی کوشش کریں، کیونکہ اس سلسلے میں تمہاری اجازت اور تفکر کا ہونا انتہائی لازمی ہے۔"

"میں ذہنی طور پر تیار ہوں، تم بات آگے بڑھاؤ۔"

"ایک معاشرے کی تشکیل و تخلیق صرف اس لئے ہوتی ہے کہ میرے خیال میں انسان خود کفیل نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کی بے شمار ایسی ضروریات ہوتی ہیں۔ جنہیں وہ اکیلا پورا نہیں کر سکتا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں معاشرے کی تشکیل کی کوئی دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے!

"نہیں میرے خیال میں تو نہیں" اس نے کہا۔

"خوب تو جب ہم کئی انسان مل کر ایک دوسرے کی ضروریات کی تسکین کرتے ہیں۔ تو ہم اس طرح اپنے کئی ساتھی اور مددگار بنا لیتے ہیں جو ایک ہی مقام پر رہتے ہیں اور اس طرح اس دکاں کو ہم کسی ریاست[1] یا جماعت کا نام دیتے ہیں:"

"ہاں مجھے اس سے اتفاق ہے۔"

"اور اس جماعت میں تمام تر باہمی تعاون کا تبادلہ اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے؟"

"یقیناً"

"اچھا تو اب آگے بڑھتے ہیں۔ اور ہم نے ریاست کی پیدائش کا جو مفروضہ قائم کیا ہے اسے مدنظر رکھو۔ تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ "ریاست ہماری ضروریات کی پیدا کردہ ہے۔" "ہاں"

"اور ہماری پہلی اور سب سے اہم ضرورت خوراک کو فراہم کرنا ہے۔ جو ہمیں زندہ رکھ سکے۔"

"یہ تو واضح ہے:"

"ہماری دوسری ضرورت مکان اور تیسری ضرورت مختلف قسم کے کپڑے ہیں!"

"ہاں"

"اچھا، تو سوال یہ ہے۔ کہ یہ ضروریات ہماری ریاست کس طرح پورا کرے گی۔ اس کے لئے ایک کسان، ایک معمار ایک جولاہے کی ضرورت پڑے گی۔ اور اسی طرح موچی، اور اسی طرح کے دوسرے لوگ جو ہماری جسمانی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ تو اس طرح چھوٹی سی چھوٹی ریاست کو بھی چار پانچ پیشوں کے جاننے والے افراد کی ضرورت ہوگی؟"

"یقیناً"

"تو گویا یہ لوگ اپنی تمام تر پیداوار مشترکہ گودام میں شامل کریں گے۔ مثلاً یہ دیکھو۔ کہ آیا کسان اپنا سارا وقت صرف کر کے باقی چار لوگوں کی ضرورت پورا کرے گا؟ یا اس کے بجائے اپنے وقت کا ایک حصہ اناج پیدا کرنے میں اور باقی تین حصے، مکان بنانے، کپڑا بننے، یا جوتا بنانے میں صرف کرے گا۔ لیکن یہ تو اسی صورت میں وہ کرے گا، اگر دوسرے لوگوں کا کوئی خیال نہ ہو۔ اب کیا وہ تمہارے خیال میں دوسروں کی ضروریات کو نظرانداز کر کے صرف اپنی ضروریات میں لگا رہے گا۔ یا دوسروں کا بھی خیال رکھے گا؟"

"میرے خیال میں وہ دوسروں کا خیال کرے گا۔"

"اچھا — اب یہی دیکھو کہ تم دونوں ایک طرح کے ہو، اور ایک ہی جگہ پیدا ہوئے

---

[1] ریاست:- (STATE) کا لفظ یونانیوں کے ہاں شہری ریاست (CITY STATE) کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور جماعت وہ جسے ہم معاشرہ یا سوسائٹی کا نام دیتے ہیں۔
(س - ط)

ایک کہانی کا سب سے بڑا نقص اور خامی تو یہ ہے کہ وہ بُری اور گندی ہو۔

ہو۔ لیکن ہمارے مختلف رد نیتے ہیں۔ جو مختلف کاموں کے لئے مناسب ہیں۔"

"بے شک یہ درست ہے۔"

"اچھا تو کیا ہم ایک کام پر پوری توجہ صرف کریں گے، یا اپنے آپ کو کئی کاموں میں اُلجھا لیں گے؟"

"ایک کام پر توجہ صرف کریں گے۔"

"اچھا تو اب یہ نکتہ ہے۔ کہ ایک کام کے سلسلے میں اگر آدمی بروقت اپنی کارکردگی کا اظہار نہ کر سکے۔ تو نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ کام کرنے والے کو اپنے کام کے بلاوے پر آنا پڑے گا۔ اس کا فرض اس کا انتظار نہیں کرے گا۔ کہ وہ کوتاہی کرے۔ عمدہ کام زیادہ تعداد میں اسی طرح آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک شخص اپنے پیشے کے مطابق ایک ہی کام میں ماہر ہو۔ وہ کام ایسا ہو جس کے لئے وہ فطری طور پر موزوں ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے۔"

"اچھا تو اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ اپنی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں چار لوگوں کی بجائے زیادہ شہریوں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ کیونکہ ایک کسان کے لئے یہ ممکن اور مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ اپنا ہل، اور دوسرے زراعتی آلات بنا سکے۔ اگر وہ بھی یہ چاہتا ہو کہ یہ ہتھیار بہترین طریقے سے بنائے گئے ہوں۔ اسی بات کا اطلاق معمار، جلاہے اور موچی پر ہوتا ہے کیونکہ انہیں بھی اپنے اپنے مقاصد اور کام کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ اس طرح لوہار اور دوسرے کاریگر بھی اپنا فرض سرانجام دے کر ہماری ریاست کی تعداد میں اضافے کا باعث بنیں گے۔"

"لازماً"

"اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ہم اپنی اس ریاست میں ان لوگوں کو بھی شامل کر لیں۔ تو بے جا اضافہ نہ ہوگا۔ یہاں چرواہوں، گلے بانوں، اور گودام کے نگرانوں کی ضرورت ہوگی۔ جو کہ ہل چلانے کے لئے بیل اور دوسرے بار بردار جانور معمار اور کسان کے لئے تیار کر سکیں۔ اور جلاہے کے لئے اُون اور موچی کے لئے چمڑے کا بھی انتظام کریں۔"

"ہاں ..... لیکن اس سے بھی ہماری ریاست میں کوئی زیادہ اضافہ نہ ہوگا۔"

"اور اس وقت بھی ریاست نامکمل تصور ہوگی۔ جب تک اس میں باہر سے اشیاء کی درآمد نہ ہو سکے۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تو ہمیں پھر اپنی ریاست میں ایک ایسے طبقے کی بھی ضرورت ہوگی۔ جو ہمارے لئے بیرونِ ملک سے ضروریات کی اشیاء درآمد کر سکے؟"

"لازماً"

"اچھا تو اگر ہمارے کارندے ملک سے خالی ہاتھ باہر گئے۔ تو لازماً وہ ہماری ضروریات کی اشیاء وساتھ نہ لا سکیں گے۔ اور خالی ہاتھ واپس لوٹ آئیں گے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اپنے ملک میں نہ صرف اپنی ضرورت کے لئے اشیاء پیدا کریں۔ بلکہ ایسی چیزیں بھی پیدا کریں۔ جو غیر ملکیوں کی ضرورت کے مطابق ہوں تاکہ وہ ہماری ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس سے ہمارے ملک کے کسانوں اور دوسرے کاریگروں کی تعداد میں لازمی طور پر اضافہ واقع ہوگا۔"

"ہاں یہ اضافہ تو لازمی اور لابدی ہے۔"

"تو پھر اس میں ہمیں ان کارندوں کا بھی اضافہ کرنا ہوگا۔ جو درآمد و برآمد کا کام کر سکیں۔ انہیں ہم تاجر یا سوداگر کہیں گے۔ ہمیں ان کی بھی ضرورت پڑے گی۔"

"یقیناً"

"خوب۔ تو اگر ہماری تجارت سمندر پار تک پھیل گئی۔ تو پھر ہمیں جہاز سازی کے ماہرین اور جہاز کے سفر کے لئے عملے کی بھی ضرورت محسوس ہوگی۔"

"ہاں ..... ان لوگوں کی بھی کافی تعداد ہونی چاہیئے۔"

"پھر یہ بھی کہ ہمارے اپنے ملک میں شہری اپنی صنعت کی پیداوار کا تبادلہ کس چیز سے کریں گے؟ یہی تو باہمی تعاون و تبادلہ کی ضرورت تھی، جس سے ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔"

"وہ چیزوں کی خرید و فروخت کریں گے۔"

"تو اس کے لئے ہمیں منڈیوں اور کرنسی کی ضرورت پڑے گی تاکہ اسے تبادلے کا ذریعہ بنایا جا سکے۔"

"یقیناً"

"اچھا تو اگر ایک کسان اپنی پیداوار منڈی میں لے کر آتا ہے۔ اور اُسے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا۔ جو اس کی ضروریات کے لئے اس سے تبادلہ کرے۔ تو کیا وہ کسان اپنے فرائض اور کام کو چھوڑ کر منڈی میں بیٹھا رہے گا؟"

"یقیناً نہیں" اس نے جواب دیا۔ "یہاں ایک ایسا طبقہ بھی ہوگا۔ جو اس کی خدمت کے لئے مامور ہوگا۔ اور اسے ایک اچھے معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو جسمانی طور پر مکمل نہیں ہوتے۔ یا ان میں کوئی جسمانی کمزوری ہوتی ہے۔ اور یا وہ کسی دوسرے کام کے لئے مناسب نہیں ہوتے۔ ان کا کام اُن کا واسطہ منڈیوں سے وابستہ رکھتا ہے۔ جہاں وہ ان اشیاء کو خریدتے ہیں، جنہیں لوگ بیچنا چاہتے ہیں۔ اور وہ اُن لوگوں کے پاس بیچ دیتے ہیں، جو انہیں خریدنے کے خواہشمند ہوں۔"

"خوب تو پھر اس ضرورت کے تحت ہماری ریاست میں خوردہ فروشوں کی بھی ضرورت پیدا ہوگی۔ کیونکہ وہ لوگ جو عوام کے گھروں تک اشیاء پہنچاتے ہیں ہم انہیں یہی کہیں گے۔ یہ ان تاجروں سے قطعی مختلف ہوں گے جو باہر کے ملکوں میں کاروبار کے لئے نکلتے ہیں۔"

"مجھے اس امر سے اتفاق ہے۔"

"اس کے بعد ایک اور طبقہ بھی ہے جس کی خدمات کی ہمیں ضرورت ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو دماغی قوتوں کے حامل نہیں ہوتے، لیکن ان کی جسمانی طاقت انہیں محنت مزدوری کے کام کے لئے مناسب قرار دیتی ہے۔ وہ اپنی محنت اور طاقت کو بیچتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں تنخواہ لیتے ہیں۔ اس طرح ہم انہیں تنخواہ دار لوگ کہیں گے۔ اس طرح ہماری ریاست کی آبادی مکمل ہو جائے گی۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے"

"تو کیا اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری ریاست پوری طرح مکمل ہو گئی ہے۔"

"شاید اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں"

"اگر ایسا ہے۔ تو پھر ہم انصاف اور بے انصافی کو کہاں پائیں گے؟ جس کے عناصر کی تلاش کے لئے ہم نے معاشرے کی تشکیل کی ہے۔ اور اس کا سرچشمہ تلاش کیا ہے۔" لیکن سقراط ابھی تو ہم نے اُن کے باہمی تعلقات کو مدنظر نہیں رکھا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" میں نے کہا۔ "ہمیں اپنی تحقیقات کو اور زیادہ گہرائی سے جانچنا

بڑھے گا۔ اسی لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ ہمارے شہری اپنے اپنے پیشے میں مصروف کس طرح زندہ رہ رہے ہیں۔ یہ لوگ فصلیں، شراب، کپڑے، جوتے اور اس قسم کی چیزوں کی پیداوار کریں گے اور اپنے لئے گھر بنائیں گے۔ موسم گرما میں وہ تھوڑا کم لباس پہن کر کام کریں گے۔ لیکن موسم سرما میں انہیں مناسب اور زیادہ کپڑوں کی ضرورت پڑے گی۔ خوراک کے لئے وہ گندم کا کھانا یا چنوں وغیرہ کا کھانا تیار کریں گے۔ وہ لوگ بہترین روٹیاں اور کیک بنا کر اپنے بچوں کے ساتھ تازہ پتوں پر رکھ کر دعوت منائیں گے۔ اور اس کے بعد وہ شراب نوشی کا شغل کریں گے۔ اس کے بعد وہ پیارے کردیوتاؤں کے حضور میں دعائیں مانگیں گے۔ ایک دوسرے کی رفاقت سے لطف اندوز ہوں گے۔ جنگ اور قحط کے خوف کی بناء پر وہ اپنی اور اپنے کنبوں کی تعداد اپنے ذرائع کے اندر رکھیں گے۔"[1]

"میرے خیال میں تم نے دعوت کا جو نظارہ پیش کیا ہے وہ بڑا کھردرا سا ہے۔" گلوکن نے اعتراض کیا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو" میں نے جواب دیا۔ "میں بھول گیا تھا۔ کہ یہ لوگ چند چھوٹے چھوٹے عیاشیانہ کام بھی کریں گے۔ اُن کے پاس نمک ہوگا، زیتون کا تیل، یا مکھن، اور مختلف قسم کی سبزیاں، جن سے وہ کئی قسم کے کھانے تیار کرلیں گے۔ اس کے علاوہ ہم انہیں شاہ بلوط کا پھل، بینز (BEANS) انجیریں اور (PEAS) بھی مہیا کریں گے۔ تاکہ جب وہ شراب پیئیں۔ تو انہیں آگ پر بھون لیں۔ اس طرح وہ ایک مطمئن اور صحت مند زندگی گزاریں گے۔ اور موت اور بڑھاپے کو فراخدلی سے قبول کریں گے اور اپنے بچوں کے ورثے میں یہی عادات اور باتیں چھوڑ جائیں گے۔

گلوکن اس قدیم معاشرے کی غیر مہذبانہ فطرت کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ سقراط اس میں تہذیب کی خصوصیات کا اضافہ کرتا ہے جس سے مختلف پیشوں اور کارکردگی کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور آبادی کثیر صورت اختیار کرتی ہے۔ دولت اور آبادی میں اضافہ جنگ کا باعث ہوگا جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ ہمیں اپنی ریاست میں ایک نئے طبقے کی ضرورت ہوگی۔ یعنی سپاہی جو میدان جنگ میں لڑ سکیں۔[2] انہیں سپاہیوں یا نگہبانوں کو افلاطون بعد میں ریاست کی حکمران جماعت کا استحقاق دیتا ہے۔ وہ اپنی فوجی خدمات سے سبکدوش ہو کر حکومت اور انتظام کو سنبھال لیتے ہیں۔ افلاطون نے اس باب میں معاشرے کی خامیوں کا ذکر کیا ہے[3] یہ معاشرہ جسے وہ غیر صحت مند دکھاتا ہے۔ اس کے لئے "ریاست" کا سارا حصہ اُس نے وقف کر دیا ہے۔ تاکہ اس غیر صحت مند معاشرے کو صحت مند بنایا جا سکے اور اس طرح ریاست میں اصطلاحات، و اصلاحات کا آغاز ہوتا ہے۔

"سقراط، یقیناً اس طرح تم سوروں کی ایک جماعت کا نقشہ کھینچ رہے ہو۔" گلوکن نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"اُن لوگوں کی زندگی کے لئے معمولی آسائشیں مہیا کرو۔ انہیں کرسیاں مہیا کرو، میزیں دو، جن پر کھانا کھا سکیں۔ اور قدرے مہذبانہ کھانے ان کے لئے تیار کرو۔"

"بہت اچھا" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہارا مطلب بخوبی سمجھ گیا ہوں ہم صرف کسی معاشرے کی ابتداء اور پیدائش کا ہی جائزہ نہیں لے رہے ہیں بلکہ ہمارے پیش نظر یہ بھی ہے۔ کہ یہ معاشرہ کس طرح تہذیب کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ تمہارا خیال بُرا نہیں ہے۔ شاید ہم اسی طریقے سے نتیجے پر پہنچ جائیں۔ کہ معاشرے میں انصاف اور بے انصافی کس طرح پرورش پاتے ہیں۔ اگرچہ جس معاشرے کا میں نے ذکر کیا ہے وہ میرے خیال میں بالکل درست اور معمولی نوعیت کا ہے۔ بہرحال ان کی صحت اور دیگر مشاغل مستقبل ہیں کہ ان کے لئے دوسرے آرام اور آسائشیں تلاش کی جائیں اس لئے معاشرہ صرف اپنی باتوں پر اکتفا نہیں کرے گا۔ جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اب انہیں کرسیوں، میزوں اور دوسرے فرنیچر کی ضرورت کا احساس ہوگا۔ اور دوسری لذیذ اور فرحت بخش چیزوں کی ضرورت بھی بڑھے گی جیسے عطریات، ابنادُ سنگھار کی چیزیں، مٹھائیاں اور بیویاں۔ اب ہم اپنی پہلی ضرورتوں پر ہی اکتفا نہیں کر سکتے۔ جو انتہائی ابتدائی اور سادہ تھیں۔ یعنی مکان، کپڑے اور جوتے وغیرہ ہمیں ان اشیاء میں فنون لطیفہ جیسے تصویریں، کشیدہ کاری اور اس قسم کی دھاتوں جیسے سونا اور ہاتھی دانت کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا۔ کیا اب تم مجھ سے اتفاق کرتے ہو"

"ہاں"

"اچھا تو اب ہم اپنی ریاست کو اور وسیع کریں گے۔ ہماری صحت مند ریاست اب ہمارے لئے کافی نہیں رہی۔ اب اس کے رقبے میں بھی وسعت پیدا کی جائے گی تاکہ اس میں وہ لوگ اور وہ کاریگر بھی رہ سکیں۔ جن کی پیداوار ضروریات زندگی سے وابستہ نہیں ہے۔ ان میں شکاری اور راہ گیر ہوں گے۔ ان میں فن کار ہوں گے۔ بُت تراش، مصوّر اور موسیقار پھر شاعر اور ڈرامہ نگار اور پھر ان کے متعلقات۔۔ شعر پڑھنے والے، اداکار، کورس کو ترتیب دینے والے، تخلیق کار[4]۔ اس کے علاوہ وہ کاریگر ہوں گے جو ہر قسم کا گھریلو فرنیچر تیار کریں گے۔ اور فیشن کے ماہر، عورتوں کے لئے اس کے علاوہ ہمیں کئی اور طرح کے خدمت گاروں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ استاد، نرسیں،[5] خواتین کی مددگار، حمام، بکیری والے، اور باورچی۔ اس کے علاوہ سوّر چرانے والے بھی ہوں گے۔ جن کی ہمیں اپنی پہلی ریاست میں ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ لیکن اب ہمیں سوروں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اور اگر ہم نے گوشت کھانا ہے۔ تو زیادہ جانور درکار ہوں گے۔ کیا اب تم رضامند ہو۔

"ہاں اس سے میں انحراف نہیں کر سکتا ہوں۔"

"اچھا۔ تو پھر ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ ڈاکٹروں کی ضرورت محسوس ہوگی۔"

"واقعی ہماری نئی عیاشیوں کی بناء پر اس کی ضرورت تو پڑے گی۔"

"اور وہ علاقہ جو پہلے ہمارے لئے کافی تھا۔ اب بہت کم پڑ جائے گا۔ کیونکہ ہمیں فصلوں کے لئے اور چراگاہوں کے لئے زیادہ علاقے کی ضرورت پڑے گی۔ اس طرح ہم اپنے ہمسایوں کے علاقے میں سے کچھ علاقے پر قبضہ کریں گے۔ اگر وہ بھی ہماری طرح خود کفیل علاقے کے مالک نہیں رہے۔ اور اُن کی ضروریات بھی اسی قسم کی وسعت کی ضرورت مند ہیں۔ تو پھر وہ ہمارا علاقہ ہتھیانے کی کوشش کریں گے۔"

"ہاں یہ صورتِ حال تو ناگزیر طور پر پیدا ہو جائے گی" گلوکن نے کہا۔

"اور اس سے جنگ کا سبب پیدا ہوگا کیوں گلوکن، میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

"نہیں"

"اس وقت ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے۔ کہ جنگ کے اثرات اچھے ہوں یا بُرے، بلکہ یہ ہے کہ ہم نے اس کا آغاز اسی طرح تلاش کر لیا ہے۔ جیسے عموماً اتفاقیہ طور پر کسی سماجی یا اجتماعی برائی کے آغاز کا پتہ چل جائے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"لیکن اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری ریاست میں ابھی اور بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ یعنی ایک فوج کا اضافہ، جو ہمارے مفادات کے لئے جا کر لڑے گی۔ اور ہر قسم کے حملہ آوروں

---

[2] اصول تخصیص کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ وہ ایک آزاد اور علیحدہ طبقہ ہو۔

[3] یہ ناساباں ایتھنز کے باسی کے لئے زیادہ اہمیت کی حامل نہ تھیں۔ بلکہ وہ ان سے بخوبی آشنا تھے۔ اس لئے ان میں کوئی غیر معمولی بات اس صورت میں نہیں کہی گئی ہے

[1] افلاطون منسوب صورت کا پہلا تصور۔ (س۔ط)

[4] یہاں پر تخلیق کار کو PRODUCER کے معانی میں لیا ہے۔

[5] LADEIS MAEDS (س۔ط)

سے اپنے شہریوں کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔"

" لیکن کیا شہری خود نہیں لڑ سکتے ؟"

" اگر ہم اپنے پہلے مصدقہ اور متفقہ اصولوں کو مدنظر رکھیں گے۔ تو شہری خود ہی لڑائی نہ لڑ سکیں گے۔ تمہیں وہ اصول یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ایک شخص ایک کام سے زیادہ کام یا پیشے اختیار نہ کرے گا۔"

" ہاں یہ درست ہے "

" اچھا تو کیا سپاہی ہونا ایک پیشہ نہیں ہے ؟"

" بالکل "

" تو کیا یہ ہمارے موچی سے کم حیثیت رکھتا ہے ؟"

" یقیناً نہیں "

" بس تو ہم ہر ایک پیشے کے لئے اسی شخص کو یہ پیشہ تفویض کریں گے جو اس کے لئے مناسب ہے۔ اور جس نے اپنی زندگی میں یہی کام کیا ہو۔ اور اپنی ذہانت کی بناء پر اسی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہو۔ وہ شخص اپنے فرائض سے کبھی کوتاہی نہ کرے گا۔ وہ اپنے فرائض ہر لمحہ ادا کر سکے گا۔ اب یہ ضروری ہو گیا ہے۔ کہ جنگ کے مسئلے سے بھی نپٹا جائے۔ کیونکہ سپاہیانہ فرائض کوئی معمولی فرائض نہیں ہیں۔ کیونکہ عموری طور پر کوئی شخص نہ تو سپاہی بن سکتا ہے۔ اور نہ ہی موچی یا کسان بن سکتا بلکہ اس کے لئے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا ایک آدمی اچانک اور یکدم کسی پیشے کو سیکھ سکتا ہے ؟ یا جب بھی ایک شخص ہتھیار یا ڈھال سنبھال لے۔ تو کیا وہ سپاہیانہ فرائض سے عہدہ برا ہو سکیگا۔ لوازمات کے حاصل ہوجانے سے ہی کوئی شخص اس فن کا ماہر نہیں ہو جاتا ہے۔ ہتھیار اور آلات اسی شخص کے لئے مفید ہیں جو انہیں اچھی طرح سے استعمال کرنا جانتا ہے۔"

" بالکل ٹھیک "

" تو اسی طرح ملکی دفاع کا کام بھی ہے۔ جو انتہائی اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لئے بھی لازماً تربیت اور ذہانت درکار ہیں تاکہ اسے عملی صورت دی جا سکے۔"

" میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ درست ہے " اس نے جواب دیا۔

" اس کے لئے بھی انسان کا فطری رویہ درکار ہوتا ہے۔"

" بے شک "

" بس تو یہ ہمارے لئے لازم ٹھہرا۔ کہ ہم اس کام اور مقصد کے لئے بھی بہترین اشخاص کا انتخاب کریں۔ جن کا فطری رجحان اس طرف ہو۔"

" یہ درست ہے۔"

یہاں سے افلاطون کا مرکزی خیال اور تصور شروع ہو جاتا ہے۔ جو نگہبان یا منتظم طبقے سے وابستہ ہے۔ (بعد میں وہ اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے) وہ لوگ جو بعض استیاء کے حامل ہیں۔ سوداگر، اور دوسرے جو روزمرہ کی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں اور کسی معاشرے کی اقتصادی حالت سے نپٹتے ہیں۔ افلاطون ان کا بعد میں بہت کم ذکر کرتا ہے۔ افلاطون کا موضوع **حکومت** ہے۔ اس لئے اس کی تمام تر دلچسپیاں حکومت کرنے والے طبقے سے ہیں۔

ان منتظموں کا مقابلہ چوکیدار کتوں سے کیا جاتا ہے۔ اور ان میں جسمانی طاقت، حوصلہ اور فلسفیانہ مزاج کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ جو صبط کے لئے بلند ہمتی[1] درکار ہے۔

" میرا خیال ہے کہ ہمارے نگرانوں میں جو خصوصیات چاہیئں۔ وہ محافظ کتوں سے ملتی جلتی ہیں۔ میرا مطلب ہے۔ کہ ہر ایک نگران میں ایک گہری شناخت اور تیز رفتاری ہونی چاہیئے۔ اور وہ طاقت، جس سے وہ لڑ سکے، اور اپنے شکار کو پکڑ سکے۔"

" ہاں واقعی ان تمام خوبیوں کی ضرورت ہے۔"

" اور اگر وہ اچھی طرح لڑائی لڑنا چاہتا ہے۔ تو پھر اس میں ہمت اور حوصلہ ہونا چاہیئے۔"

" بے شک "

" اور کوئی کتا یا دوسری مخلوق اس وقت حوصلہ مند نہیں ہو سکتی جب تک اس میں رُوح اور پھرتی کا مادہ نہ ہو۔ کیونکہ ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ کہ انسان کی رُوح کتنی مضبوط اور ناقابلِ شکست ہے۔ اور وہ شخص جس میں اس کی موجودگی ہو وہ کتنا نڈر اور بے خوف ہوتا ہے۔"

" یہ بالکل درست ہے۔"

" پھر ہمیں یہ بھی علم ہے۔ کہ سرحدی محافظوں کے لئے جسمانی طاقت کتنی ناگزیر ہوتی ہے۔ اور جہاں اُن کا کردار بلند ہو، وہاں وہ بلند ہمت بھی ہونے چاہیئں۔"

" ہاں "

" اچھا تو اگر ان میں یہ خصوصیات مجتمع ہو جائیں۔ تو کیا وہ اپنے رویئے کے اعتبار سے جنگ دستی کے مرتکب نہ ہوں گے، نہ صرف ایک دوسرے کے ساتھ، بلکہ دوسری جماعتوں کے ساتھ بھی ؟"

" ہاں اس امر کو بھی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے " گلوکن نے اعتراف کیا

" تو پھر لازم ہوا کہ وہ اپنے شہریوں کے ساتھ نرم اور مناسب رویئے کا احساس رکھیں۔ اور صرف اپنے دشمنوں کے لئے ہی خطرہ ہوں۔ ورنہ وہ ایک دوسرے ہی سے لڑ کر تباہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی کی تباہی کا سبب بنیں ؟"

" یہ سچ ہے "

" اچھا تو اب اس کا کیا علاج ہونا چاہیئے ؟" میں نے کہا۔ " ہم وہ قدر اور ت کہاں سے لائیں، جو اُن کے اس جنگجویانہ مزاج کو ایک متوازن سطح پر لے آئے۔ اگر ہم ان میں مکمل خاصیت ہی رکھیں تو وہ اچھے لڑاکے نہیں بن سکتے۔ اور اب تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی ناممکن چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور دوسری صورت میں ہم اچھے محافظ کہاں سے حاصل کریں گے۔"

" ہاں، میں بھی اسی چیز کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

" میں بھی بڑی اُلجھن میں ہوں " میں نے کہا اور مجھے یُوں محسوس ہوا جیسے ہم اسی طرح الجھن میں رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے ایک اہم امر کو مدنظر نہیں رکھا ہے۔"

" کس طرح ؟"

" ہم نے یہ بات نظر انداز کر دی ہے۔ کہ یہاں فطری قوتیں اور عناصر ہوتے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی خاصیتوں کو باہم چسپاں اور وابستہ رکھتی ہیں جنہیں ہم ناقابلِ ملاپ سمجھتے ہیں۔"

" اچھا تو یہ خاصیتیں کہاں دستیاب ہوتی ہیں ؟" اس نے پوچھا۔

" مختلف قسم کے جانوروں میں، لیکن بالخصوص محافظ کتوں میں، جن سے ہم نے اپنی صفات کی نشاندہی کا آغاز کیا تھا۔ کیونکہ تم نے یہ نہیں دیکھا۔ کہ ایک اعلیٰ تربیت یافتہ کتا اُن لوگوں سے بڑی نرمی کا سلوک کرتا ہے جو اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں جانتا رہتا ہے۔ اُسے ان کی شناخت رہتی ہے۔ لیکن کیا وہ اجنبیوں کے لئے خطرناک نہیں ہوتا ؟"

" ہاں میں تمہاری بات سمجھ گیا۔"

" تو گویا ہم جس قسم کے محافظ کی تلاش میں ہیں، وہ ناممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی غیر فطری۔"

" ہاں "

" تو کیا تمہارے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ ہمارے محافظ جہاں اولعزمی اور عالی

---

[1] افلاطون کے ہاں یہ لفظ کئی معانوں میں مرکب صورت میں استعمال ہوا ہے جس میں کئی خصوصیات شامل ہیں یعنی جھگڑالو پن (جھگڑنے سے رغبت) فراخ حوصلگی اور حقارت آمیز غصہ، حرص، بعد میں اپنی حصہ میں افلاطون دماغ یا شخصیات کے تین بنیادی عناصر قرار دیتا ہے۔

حوصلگی کی صفات رکھتے ہیں۔ وہاں اُن کا ایک فلسفیانہ، سنجیدہ ذہن بھی ہونا چاہیئے؟

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا ہوں۔"

"ایک کتے کی خصلت کا مطالعہ کرو۔ تم دیکھوگے۔ کہ جب وہ ایک اجنبی کو دیکھتا ہے تو پھر اسے تنگ کرتا ہے۔ خواہ وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ لیکن وہ ہر اُس شخص کا استقبال کرتا ہے۔ جسے وہ جانتا ہے۔ خواہ اس شخص نے اس پر کبھی مہربانی سے ہاتھ نہ پھیرا ہو۔ کیا کبھی تم نے اس امر پر غور کیا کہ یہ خصوصیت کتنی اہمیت رکھتی ہے؟"

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں نے اس سے پہلے اس پر کبھی غور کیا ہو" اُس نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔"

"اور یہی حقیقت ہمیں ایک حقیقی امتیاز اور فلسفیانہ فطرت کی حامل نظر آتی ہے، کیونکہ کتا ایک دوست اور دشمن میں تمیز کر سکتا ہے۔ صرف اس بناء پر کہ اُس نے دشمن کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور دوست کو وہ جانتا ہے۔ تو پھر وہ شخص جو آشنا اور ناآشنا میں امتیاز کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی علم اور لاعلمی کی بنیادوں پر، تو وہ شخص لازماً علم کا ایک حزانہ اور احساس رکھتا ہوگا۔"

"اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا" اس نے کہا۔

"تو کیا فلسفہ یہی نہیں کہ علم سے پیار کیا جائے؟"

"یہ تو ہے"

"تو کیا پوری طرح ایک آدمی کو اپنے ساتھیوں اور ہمسایوں کی طرف نرمی برتنے اور صحیح سلوک اختیار کرنے کے لئے فلسفیانہ احساس اور تربیت سے پیار کی ضرورت نہیں؟"

"ہے"

"اچھا تو پھر ہمارے مکمل محافظ کے لئے ان حصائص کی ضرورت ہوگی۔ ایک فلسفیانہ مزاج۔ بلند حوصلگی، سرعت اور طاقت۔۔"

"میں تم سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔"

کتاب سوم

افلاطون کے متن کو پڑھنے سے پہلے قارئین کو چاہیئے۔ کہ وہ قدیم یونان میں تعلیم کی جو شکل و صورت تھی اُسے مدنظر رکھیں۔ یونان میں تعلیم کو قطعی طور پر انفرادی مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ افلاطون نے اسے حکومت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایتھنز والوں کو ایک نیا راستہ سمجھایا ہے۔ وہ کسی حد تک سپارٹا سے بھی متاثر تھا۔ اور یہ تاثر بھی اس کے نظریات میں قدرے واضح نظر آتا ہے۔ تعلیم کو یونانیوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ پڑھنا اور لکھنا، جسمانی تعلیم و تربیت، اور وہ تعلیم جسے ہم ثانوی یا ادبی و علمی تعلیم کا نام دیتے ہیں۔ آخری حصہ تمام تر شاعروں کی تخلیقات کے مطالعہ پر مشتمل تھا۔ انہیں زبانی یاد کیا جاتا تھا۔ اور جہاں مناسب سمجھا جاتا، وہاں انہیں گایا بھی جاتا تھا۔ تاکہ اس سے موسیقی کا علم حاصل ہو سکے۔ اس کا معیار تقریباً ہماری ثانوی تعلیم کے درجے کے برابر تھا۔ اس کے بعد دو سال میں فوج میں شامل ہونا پڑتا تھا۔ اس کے لئے اٹھارہ سال کی عمر مخصوص تھی۔

دوسرے یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ یونانیوں کے پاس کوئی الہامی کتاب نہیں تھی۔ جسے وہ بطور دینیات یا اخلاقیات کے استعمال کرتے۔ ان کے یہاں دینیات اور اخلاقیات کے علمبردار شاعر تھے۔ اسی لئے افلاطون ان شاعروں کی دینیات و نظریات سے شد و مد کے ساتھ بحث کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جن سے عوام دینی اور اخلاقی رہبری حاصل کرتے تھے۔

(ستار طاہر)

چونکہ نوجوانوں کے ذہن بڑی جلدی اثر قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے اگر ہم یہ چاہتے ہوں کہ انہیں مناسب اور معقول تعلیم دی جائے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہی شاعری ان تک پہنچائی جائے۔ جو ہمارے مقاصد کو پورا کر سکے۔ کیونکہ شاعری کا بیشتر حصہ اس مقصد کے لئے غیر مناسب ہے۔ (۱) دینیات کے نظریئے سے خدا کا تصور غلط پیش ہوتا ہے۔ خدا مکمل خیر ہے۔ اسی لئے غیر متبدل اور برائی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اسے اس کے علاوہ کسی دوسری صورت میں پیش کرنا غلط ہوگا۔۔۔!

"ہم نے یہ تو دیکھ لیا۔ کہ ہمارے محافظوں میں یہ خاصیتیں ہونی چاہئیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان کی کس طرح تربیت کریں گے۔ اور کیا تعلیم دیں گے؟۔ اگر ہم اس سوال کے جواب کے لئے کوشش کریں، تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہمیں ہماری بنیادی الجھن کا حل دستیاب ہو جائے گا جس کے لئے ہم اتنی طویل بحث اور تحقیقات کر رہے ہیں۔ اور وہ یہ کہ انصاف اور بے انصافی کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے؟ ہم کسی ٹھوس بات کو نظر انداز نہ کریں۔ لیکن ہم طویل و بے کار مباحث میں بھی نہ جائیں گے۔"

ایڈیمنٹس نے اس سلسلے میں جواب دیا۔ "میرا خیال ہے۔ کہ ہم اس طرح درست طریقے سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"اچھا تو میرے عزیز ایڈیمنٹس، تو پھر آئیں اپنے سوال کا حل تلاش کرنا ہی ہوگا۔ خواہ اس میں کافی وقت صرف ہو۔ تو آؤ پھر ہم اپنے محافظوں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں۔ جیسے ہمارے پاس قصہ گوؤں کی طرح بڑا فاضل وقت ہے۔"

"اچھا تو پھر شروع کرو"

"تو پھر ہم ان لوگوں کو کس قسم کی تعلیم دیں گے؟ ہاں ایک بات تو طے شدہ ہے۔ کہ ہم جو تعلیم و تربیت اُن کے جسموں کے لئے مقرر کریں گے۔ اس میں اور اس تعلیم میں جو ان کے دماغوں اور کرداروں کے لئے ہوگی۔ بڑا واضح فرق ہوگا۔"

"یہ سچ ہے"

"اچھا تو پھر ہمیں دماغ اور کردار سے آغاز کرنا چاہیئے، کیا یہ درست نہیں؟"

"یہ بلاشبہ درست ہے۔"

"اس قسم کی تعلیم میں ہم کیوں نہ کہانیوں کو بھی شامل کر لیں؟"

"ہاں۔۔۔ کیوں نہیں"

"تو پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ سچی کہانیاں اور تخیلی یا فرضی کہانیاں[1]، ہماری تعلیم ان دونوں سے استفادہ کرے گی اور فرضی کہانیوں سے اس کا آغاز ہوگا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا ہوں"

"لیکن تم بخوبی جانتے ہو۔ کہ ہم بچوں کو فرضی کہانیاں سنایا کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں حقیقت کا عنصر بھی شامل ہوا کرتا ہے۔ یہ کہانیاں ہم بچوں کو جسمانی تربیت حاصل کرنے سے پہلے سناتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

---

[1] تخیلی یا فرضی۔ یعنی انگریزی میں اس کے لئے عام مروجہ لفظ FICTION ہے۔ لیکن یونانی میں یہ لفظ PESUDOS ہے۔ اور اس کا متعلقہ فعل ـــ دونوں کا مطلب صرف کہانی، قصہ، داستان ہی نہیں، بلکہ جھوٹ، فراڈ اور چالبازی بھی ہے۔ لہٰذا ذہن میں یہ معانی بھی رکھ لینے چاہیئیں۔
(ستار طاہر)

"تو یہی میرا بھی مطلب تھا۔ کہ جسم کی تربیت سے پہلے ہم ذہنی تربیت اور تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ہمارے مدنظر نوجوان یا بچے ہوتے ہیں۔ یہ ان کی عمر کا ایسا حصہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے خدوخال متعین کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت ہم ان کے ذہن پر جو تاثر چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے آثار دائمی ہوں گے۔"

"یہ واقعی صداقت ہے۔"

"اچھا تو کیا ہم چاہیں گے، کہ ہمارے بچے اس وقت کسی کی لکھی ہوئی کہانیاں سنیں، اور اس کے بعد جب وہ بڑے ہو جائیں۔ تو پھر اُن کے خلاف رائے دیں؟"

"یقیناً ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

"خوب... تو ہمارا سب سے اولین فرض یہ ہوگا کہ ہم اس قسم کی کہانیوں پر نظر رکھیں۔ اور اُن میں سے وہ کہانیاں انتخاب کریں، جنہیں ہم مناسب سمجھتے ہوں۔ اور باقیماندہ کہانیوں کو مسترد کر دیں۔ ہم ماؤں اور آیاؤں کو ترغیب دیں گے۔ کہ وہ ہماری انتخاب کردہ کہانیاں بچوں کو سنائیں۔ اور ان کی جسمانی تربیت سے زیادہ ان کے اذہان اور خصائل کا خیال رکھیں۔ اس لئے ہمارے ہاں کی زیادہ کہانیاں ایسی ہیں۔ جو مسترد کر دینے کے قابل ہیں۔"

"تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟"

"ہم بعض داستانوں کو ایک نمائندہ کے طور پر لے لیں گے۔ کیونکہ ان تمام کا نفس مضمون اور تاثر ایک سا ہے۔ کیا تم اس سے اتفاق کرتے ہو۔"

"ہاں، لیکن میں اس سلسلے میں مطمئن نہیں ہوں، تم اہم کہانیوں کے سلسلے میں کس کا حوالہ دے رہے ہو؟"

"وہ کہانیاں جو ہومر، ہیسیوڈ اور دوسرے شاعروں کے ہاں ملتی ہیں۔ کیونکہ یہ کام ہمیشہ سے شاعروں کا رہا ہے۔ کہ وہ کہانیاں لکھتے ہیں اور انسانوں کو سناتے ہیں۔"

"اچھا تو ان میں سے کونسی کہانیوں کو تم کارآمد اور کسے تم بیکار تصور کرتے ہو؟"

"ایک کہانی کا سب سے بڑا نقص اور خامی تو یہی ہے۔ کہ وہ بُری اور گندی ہو۔"

"اچھا تو یہ بُری کہانی کیا ہوتی ہے؟"

"یہاں دیوتاؤں اور بہادروں[1] کو غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے۔ اُس مصور کی طرح جو پورٹریٹ بناتا ہے۔ لیکن اپنے ماڈل کے خدوخال کو پیش کرنے میں ناکام رہ جاتا ہے۔"

"واقعی یہ ایک بڑا نقص ہے۔ اور اس کے لئے سنسر کی ضرورت محسوس ہوگی۔ لیکن مجھے اور زیادہ تفصیلات سے آگاہ کرو۔"

"زیادہ اہم موضوعات میں سے سب سے پہلی اور سب سے احمقانہ کہانی وہ ہے جو اورانوس (OURANOS) کے متعلق ہے۔ اور جو تفصیلات اس کے متعلق ہیسیوڈ نے بتائی ہیں۔ پھر اُس نے جو انتقام کرونس سے لیا۔ کرونس کی یہ کہانی اس قابل نہیں ہے کہ ہم اسے نوجوان اور معصوم ذہن والے بچوں کے سامنے دہرائیں۔ بالخصوص وہ حصہ بھی بڑا قابلِ اعتراض ہے۔ جہاں کرونس کی ان تکالیف کا بیان ہے۔ جو اُس نے اپنے بیٹے کے ہاتھوں برداشت کیں[2]۔ بہتر یہ ہے کہ ایسی کہانیوں کے متعلق بچوں کو بتایا ہی نہ جائے۔ اور اگر انہیں بتانا ضروری ہو جائے۔ تو پھر کس قسم کے تحت، انتہائی رازداری کے ساتھ انہیں بتایا جائے۔ اور چند منتخب نوجوانوں کو ہی ان کا علم دیا جائے۔ اور انہیں اس قسم کے تحت پابند کر دیا جائے۔ کہ وہ ان کہانیوں کو کسی اور کو نہ بتائیں گے۔ اور اگر ان کی قسم ٹوٹ جائے تو قربانی میں سؤر نہیں، بلکہ مہنگی اور بڑی شے پیش کی جائے۔"

"واقعی بعض کہانیاں بڑی غلط قسم کی ہیں۔"

[1] بہادروں HEROES

[2] پوری تفصیلات کے لئے ایڈتھ ہیملٹن کی تصنیف گریک مائتھالوجی دیکھئے۔

★

برسر اقتدار
طبقے اپنے قوانین وضع کرتے
ہیں جن میں ان کا اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے

★

"اور انہیں ملک و ریاست میں دہرایا نہ جائے۔ اور نہ ہی کسی نوجوان شخص تک ایسی باتیں پہنچائی جائیں۔ کہ کسی شخص نے خوفناک جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اپنے والد کو بڑے ظالمانہ طریقے سے تنگ کیا ہے۔"

"ہاں میں اس امر سے قطعی متفق ہوں۔ کہ یہ کہانیاں حقیقت میں ہی بڑی غیر مناسب ہیں۔"

"اور پھر ہمیں ایسی کہانیوں کی بھی اجازت نہیں دینی چاہیئے جن میں دیوتاؤں کی جنگوں، سازشوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ قطعی جھوٹی کہانیاں ہیں۔ اور اگر ہم ان کی صداقت اپنے محافظوں پر ظاہر کر کے منوانا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے ہم بہت ظلم اور بے انصافی کے مرتکب ہوں گے۔ کیونکہ یہ کہانیاں غیر حقیقی اور قطعاً غلط ہیں۔ اور پھر ہمیں وہ کہانی بھی نہ سنانی چاہیئے۔ جو کڑھے ہوئے چغے کے متعلق تھی۔ اور جس پر بہادروں[3] نے آپس میں لڑائی لڑی تھی۔ اور نہ ہی ہمیں وہ کہانیاں سنانی چاہیئں۔ جن میں دیوتاؤں، بہادروں اور ان کے رشتے داروں کی باہمی لڑائیوں اور جھگڑوں کا ذکر ملتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم اپنے بچوں کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں۔ کہ انہیں کسی شخص سے لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ گناہ ہے۔ تو پھر ہمارے بڑے بوڑھوں کو ایسی کہانیاں سنانی چاہیئں۔ جن کا انجام پہلے ہی یہ مدنظر رکھ لیا جائے۔ اور ہمیں اپنے شاعروں کو بھی یہ مشورہ دینا ہوگا۔ کہ وہ ایسی ہی کہانیاں منظوم کریں۔ جن کا اخلاقی نتیجہ امن نکلتا ہو۔ اس کے علاوہ ہمیں بچوں کو ہیرا[4] کی کہانی نہیں سنانی چاہیئے۔ جسے اس کے لڑکے نے قید کر لیا تھا۔ یا ہیفی سٹس جو اپنی ماں کو اپنے باپ کی مار سے بچانے کے لئے آسمان سے کود پڑا تھا۔ یا ہومر کی وہ کہانیاں جن میں دیوتاؤں کی باہمی لڑائیوں کا ذکر ہے۔ خواہ یہ کہانیاں تمثیلی اور کنایاتی ہیں۔ لیکن بچوں کو تمثیل و کنایہ کی پہچان نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے ذہن میں، ناپختگی کے زمانے میں جو آراء اور نقوش پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کو دور کرنا بعد میں انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے لازم ٹھہرا۔ کہ جو کہانیاں یہ بچے سب سے پہلے سنیں، ان کا اخلاقی نتیجہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہانیاں گہرے غور اور توجہ کی پیداوار ہونی چاہیئں۔"

"تمہارا معاملہ خاصا مضبوط ہے۔" اُس نے رضامندی کا اظہار کیا۔ "لیکن اگر کوئی شخص بالتفصیل یہ جاننا چاہے کہ آخر تمہارے ذہن میں کس قسم کی کہانیاں مناسب ہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا؟"

"میرے عزیز ایڈیمنٹس، میں اور تم ایسی کہانیاں نہیں لکھ رہے ہیں۔ جس سے کسی ریاست کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ لیکن ریاست کے بانی، ان کہانیوں سے بخوبی واقف ہوں گے جنہیں شاعروں کو تخلیق کرنا چاہیئے۔ اور وہ اُن کہانیوں کو مسترد کر دیں گے۔ جو اُن کے مقاصد کو پورا نہ کر سکیں گی۔ اور پھر اس قسم کی کہانیاں لکھی ہی نہ جائیں گی۔"

[3] ایتھنز کی کنواریوں نے ایک ایسا ہی لبادہ تیار کیا تھا تاکہ وہ اسے ایتھنی کے حضور میں پیش کر سکیں۔ لیکن دیوتا اس پر آپس میں جھگڑ پڑے۔ (س۔ط)

[4] HERA (ہیرا) HEPHAESTUS (ہیفی سٹس) قدیم یونانی دیوی اور دیوتا۔

"ٹھیک ۔ لیکن وہ کیا خطوط ہیں۔ جن کے متوازی ہمارے شاعروں کو لازمی طور پر دیوتاؤں[1] کے مسئلہ سے نپٹنا ہوگا ؟"

"اصل واضح طور پر، دیوتا کو اسی صورت اور یقین کے ساتھ پیش کیا جانا چاہیئے۔ جیسے کہ وہ ہے۔ خواہ شاعر اسے رزمیہ ۔ گیت یا ڈرامے میں پیش کرے ۔"

"ہاں اُسے ایسے ہی کرنا چاہیئے"۔

"اور حقیقت یہ ہے ۔ کہ دیوتا مکمل خیر ہوتا ہے ۔ اور اسے اسی طرح دکھایا جانا چاہیئے"۔

"بالکل ٹھیک"

"اور یہ بھی کہ خیر کبھی نقصان دہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور وہ چیز جو نقصان نہیں پہنچا سکتی ۔ وہ شر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی کہ جو چیز شر کا سبب نہیں بنتی وہ شر نہیں ہوتی"۔

"یہ بالکل سچ ہے"۔

"جو بھی خیر اور بھلائی ہے، وہ بھلائی کا باعث ہے ۔"

"ہاں"

"اچھا تو ثابت ہوا کہ خیر ہر ایک واقعہ کا سبب نہیں ہے۔ اور اس سے صرف بھلائی ہی سرزد ہوتی ہے ۔ بُرائی نہیں ۔"

"یقیناً"

"تب ۔۔ دیوتا ۔۔ جو خود خیر ہے ۔۔۔ وہ ہر ایک چیز کا ذمے دار نہیں ہوتا ہے ۔ (جیسے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے) بلکہ وہ انسانی افعال کے ایک حصّے کا ذمے دار ہوتا ہے۔ اور بیشتر افعال کی اس پر کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری ذات میں بھلائی کم اور برائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب ہم بھلائی اور خیر کا خراج (اور ذمے دار) دیوتا کو ادا کرتے ہیں ۔ تو پھر ہمیں ایک ایسے وجود کی تلاش کرنی ہوگی ۔ جو برائی کی ذمے دار ہوتی ہے ۔"

"میرے خیال میں تم بالکل سچ کہہ رہے ہو ۔"

"تو پھر ہم اس سلسلے میں ہومر یا اُن دوسرے شاعروں سے اتفاق نہیں کریں گے ۔ جنہوں نے اس سلسلے میں غلطی کی ہے ۔ اور کہا ہے کہ

"زیوس[2] کے محل کے فرش پہ دو بڑے بڑے مرتبان بھرے پڑے ہیں ۔ ایک میں اچھی قسمیں اور صفات ہیں ۔ اور دوسرے میں بُرائیاں"۔

اور یہ کہ زیوس جس شخص کو، اِن دونوں چیزوں کا مرکب بنا دیتا ہے۔ تو وہ شخص "کبھی تو بھلائیاں کرتا ہے ۔ اور کبھی برائیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔" اور وہ شخص جسے زیوس خالص برائی سے نوازتا ہے" وہ دنیا کے چہرے پر ۔۔ پریشان رہتا ہے ۔۔ مایوسی اس کے پیچھے پیچھے تعاقب کرتی ہے۔" نہ ہی ہم اس حوالے کی اجازت دیں گے ۔ جس کا اطلاق زیوس پر کیا جاتا ہے ۔ کہ وہ "برائی اور اچھائی کا معالج ہے۔" نہ ہی ہم اس کی اجازت دیں گے ۔ کہ زیوس اور ایتھنی سے پانڈرس کے سانحہ جو ۔ عہد نامے تھے ۔ وہ پورے نہیں کئے ۔ اس کی تبلیغ کی جائے ۔ اور یہ کہ دیویوں کے غم و غصے اور پیرس کے فیصلے کی وجہ تھمیس اور زیوس کا دباؤ تھا۔[3] نہ ہی ہم اپنے بچوں کو اسکلیس کا یہ فقرہ سننے دیں گے کہ

"جب دیوتا کسی گھر کی تباہی چاہتے ہیں ۔ تو پھر وہ انسان میں گناہ اور برائی کا بیج بو دیتے ہیں ۔"

نہیں ۔ ہم ہر شخص کو اس امر سے منع کریں گے ۔ کہ وہ نیوب[4] (NIOBE) کی تکالیف، یا پیلوپس[5] کے گھرانے کی تباہی، یا ٹروجن[6] کی جنگ کے موضوعات پر ڈرامے لکھے ۔ اور یہ ثابت کرے ۔ کہ یہ دیوتاؤں کے کام ہیں ۔ اور اگر وہ یہ کہانیاں اپنا موضوع بناتے ہی ہیں ۔ تو اُسے اس کا وہ اخلاقی نتیجہ اور انجام دکھانا پڑے گا۔ جو ہم اس وقت چاہتے ہیں ۔ اور انہیں یہ کہنا پڑے گا ۔ کہ دیوتاؤں کے اعمال بھلائی اور خیر پر مبنی ہوتے ہیں ۔ اور یہ لوگ جنہوں نے تکلیفیں برداشت کیں ۔ تو یہ اُن کے اپنے بُرے اعمال کی سزائیں تھیں ۔ ایک شاعر کو یہ کسی صورت میں بھی کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ کہ اگر ان لوگوں نے سزائیں برداشت کیں ۔ تکلیفیں اٹھائیں ۔ تو اُن کی تباہی اور تکلیفوں کی بنیاد دیوتاؤں کی مرضی اور ارادہ تھا ۔ بلکہ شاعر کو برائی کو بدبختی کی صورت میں دکھانا ہوگا۔ اور بدبختی ان کے اعمال کی سزا کی شکل میں ۔۔ اور اُسے یہ ثابت کرنا ہوگا ۔ کہ اگر انہیں سزائیں دی گئیں ۔ تو دیوتاؤں کے لئے بھلائی کو نمایاں کرنے کے لئے ضروری تھا ۔ اب اگر ہماری ریاست کو متوازی خطوط پر چلنا ہے ۔ تو ہم ہر طرح سے ان چیزوں کی روک تھام کریں گے ۔ خواہ انہیں بیان کرنے والا نوجوان ہو یا بوڑھا، اور وہ اسے شاعری میں بیان کرے یا نثر میں ۔ ہم یہ کسی صورت میں بھی تبلیغ نہ ہونے دیں گے ۔ کہ خدا اگرچہ خیر ہے ۔ لیکن وہ انسانوں کو برائی یا نقصان کی طرف لے جا سکتا ہے ۔ اور اگر کوئی ایسا ہے تو وہ گنہگار ہے ۔ غلط کار ہے ۔ اور اس کا علم سطحی اور غیر متوازن ہے ۔

"ہاں ۔ میں اس مقصد کے لئے قانون بنانے کی تجویز پیش کروں گا ۔ اور تم میرے حق میں اپنا ووٹ دینا" ایڈمنٹس نے کہا ۔

"گویا ہم اپنے قوانین کی بنیادیں اس اصول پر رکھیں گے ۔ کہ ہر شخص یہ مانے اور تسلیم کرے کہ "دیوتا صرف خیر اور بھلائی کا سرچشمہ ہیں ۔"

"میں تمہاری اس رائے اور نتیجے سے قطعی اتفاق کرتا ہوں ۔"

"اچھا تو ہمارا دوسرا قانون کیا ہوگا ؟ کیا تمہارے خیال میں دیوتا جادوگر ہیں، جو اپنے ارادے سے مختلف اوقات میں مختلف بہروپ میں ظاہر ہو سکتے ہیں ؟ کبھی مختلف شکلوں میں ظاہر ہونا، اور کبھی مختلف چہروں کو مختلف روپ دے دینا ۔ اور پھر کبھی ہمیں یہ عقیدہ دے کر گمراہ کرنا کہ وہ ان صورتوں کو اختیار کر سکتا ہے ؟ یا وہ قطعی طور پر دھوکے اور چالبازی سے ماورا ہے، اور دوسری چیزوں کی طرح اپنی اصلیت کو تبدیل نہیں کر سکتا ہے ؟"

"میں اس وقت، تمہارے اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں ۔"

"اچھا تو اسے یوں سمجھو ۔ کہ اگر دیوتا کسی وقت اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت سے کسی دوسری صورت میں تبدیل کر لیتا ہے ۔ تو کیا ایسی تبدیلی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ؟"

"کیوں نہیں ۔"

"اچھا تو کیا سب سے بہتر یہی نہیں ہے ۔ کہ وہ اپنے خارجی روپ کو کسی دوسری صورت

---

[1] افلاطون (GODS) کو دیوتا (جمع) اور (GOD) دیوتا (واحد) کی صورت میں استعمال کرتا ہے۔ جب ہم GOD کا ترجمہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کی تفسیر و تشریح "خدائے واحد" کی اصطلاح میں نہیں کرنی چاہیئے ۔ (مستنصر طاہر)

[2] ZEUS ۔ خداوندِ خداوندگان ۔ ہومر ۔ ایلیڈ XXIV ۔ ہومر کے اقتباسات کے لئے ڈاکٹر ولیو کے انگریزی ترجمے کو مدِنظر رکھا گیا ہے ۔

[3] سنہری سیب کی کہانی ۔۔۔ جس میں پیرس نے فیصلہ کیا تھا ۔ جو دنیا کی سب سے حسین دیوی کے لئے تھا ۔ اور شر و فساد کی دیوی نے دیویوں میں فساد پیدا کرنے کے لئے بنایا تھا ۔

[4] تا [6] ۔ ان کے لئے ایڈتھ ہملٹن کی کتاب "متھالوجی" اور ہومر کی ILIAD کا مطالعہ کیجئے ۔

(مستنصر طاہر)

کو جانتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ لوگ جو ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی زندگیوں پر یہ کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔"

کتاب دوم

ابھی تک بحث کی شکل انصاف (یا درست رویئے یا اخلاقیات) کے اس پہلو تک محدود تھی۔ جو فردِ واحد کی زندگی سے متعلق ہیں۔ لیکن اب سقراط کہتا ہے۔ کہ ہمارے لئے یہ آسان ہے۔ کہ ہم اسے وسیع تر حالات میں رکھ کر مطالعہ کریں۔ یعنی ان چیزوں کو اجتماعی حیثیت سے جائزہ لیں۔ اور مشورہ دیتا ہے۔ کہ پہلے انصاف کو کسی ریاست یا جماعت میں رکھ کر بحث کی جائے۔ اور اس کے بعد اس نتیجے پر پہنچا جائے۔ کہ فردِ واحد کی زندگی پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ طریقۂ کار یعنی ریاست اور جماعت سے گزرتا ہوا فردِ واحد تک۔ اس مکالمے میں آخر تک جاری و ساری ہے۔

سقراط اپنی بحث کا آغاز اس سوال سے کرتا ہے۔ کہ "ایک معاشرہ کی تشکیل کس طرح ہوتی ہے" اسی کا وہ تجزیہ جو تاریخی تشکیل سے وابستہ ہے۔ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے اس سے بھی وہ یہی مقصد حل کرنا چاہتا ہے۔ کہ اسے علم ہو سکے کہ ہر معاشرے کی تہہ میں کون سے اصول اور عناصر کام کرتے ہیں۔ اس طرح وہ دو اہم اور سادہ عناصر کا کھوج نکالتا ہے اولاً:- باہمی اور مشترکہ ضروریات، انسان خود کفیل نہیں ہے۔ وہ معاشرے میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور باہمی امداد سے ہی رہتے ہیں۔ اور اسی کی انہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے اس لئے تھریسمیکس اور دوسرے لوگوں کا یہ نظریہ معاشرہ اور سماجی اصول غیر فطری ہوتے ہیں سراسر غلط ہے۔ ثانیاً:- تبدیلیوں کا تضاد ـــ بے شمار لوگ اچھے ہوتے ہیں اور بے شمار چیزیں اچھائی کی حامل۔ اور ہر ایک کے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ وہ اپنی مخصوص خصوصیات کو بہترین طریقے سے ارتقائی مراحل طے کراتا رہے۔

ان دو نکات سے آغاز کرتے ہوئے سقراط سب سے پہلے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ جسے ہم معاشرے کا اقتصادی ڈھانچہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ اسے بڑی سادگی اور سلاست سے پیش کرتا ہے وہ پانچ اقتصادی یا معاشی طبقوں یا کارکردگیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ (۱) زرعی اور صنعتی پیداوار کے خالق (۲) تاجر (۳) ملاح اور جہازوں کے مالک وغیرہ (۴) خوردہ فروش (۵) تنخواہ دار ملازم یا مزدور وغیرہ[1]

آخر میں سقراط اس زندگی کی نشاندہی کرتا ہوا ملتا ہے جو ان سادہ اصولوں کے تحت تشکیل شدہ معاشرے میں انسان کے لئے وجود میں آتی ہے۔

"میں ہمیشہ سے گلوکن اور ایڈیمنٹس، دونوں بھائیوں کی ذہانت و فہم کا مدح خواں رہا ہوں۔ اور انہوں نے اب جو کچھ کہا تھا۔ اس سے مجھے اور زیادہ مسرت ہوئی۔"! گلوکن کے قصیدہ خواں نے اس کی بجا تعریف کی تھی" میں نے گفتگو کا آغاز لیا جب اس نے اپنے قصیدے کا آغاز ان کامیابیوں سے کیا تھا۔ جو تم نے میگدا کی جنگ

برتر نہ تو خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی شخصیت اور دولت کے، اور پھر یہ کہ اگر کوئی شخص اس قابل ہے بھی کہ وہ انصاف کی بے انصافی پر برتری ثابت کر سکے تو اس کے اپنے احساسات بھی برائی اور بُرے انسان کی طرف غصے کے بجائے عفو اور درگزر کے ہوں گے۔ وہ کبھی بھی اپنے دل سے یہ خیال نہیں نکال سکتا۔ کہ انسان اس دنیا میں بُرائی کا عنصر اپنے اندر لئے ہوئے پیدا ہوا ہے۔ یا اسے نیکی اور انصاف کی راہ پر چلنے کے لئے علم، رشد و ہدایت کی ضرورت ہے۔ اور وہ ان کے لئے علم و ہدایت کی اہمیت محسوس کرے گا۔ اب تمام باتیں تم پر واضح ہو گئی ہیں۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ایک شخص انصاف کی اس لئے مدحت و ثناء کرتا ہے۔ کہ اس کے پاس وہ طاقت، وہ اختیار نہیں ہوتا ہے۔ جس سے وہ گناہ اور برائی کا ارتکاب کر سکے۔ اُسے ایسی طاقت اور اختیار سونپ کر دیکھو۔ وہ پہلا شخص ہو گا۔ جو اسے اپنے استعمال میں لائے گا۔

یہ بحث جو ہم تینوں میں ہوئی ہے، اس کی جڑیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اس کا لب لباب یہ نکلتا ہے۔ "تم سب لوگ جو انصاف و خیر کے مدح خواں ہو۔ اور وہ لیڈر جن کی داستانیں ہم تک پہنچی ہیں۔ اور ہمارے ہم عصر، انصاف و خیر کے علم بردار، ان لوگوں نے کبھی بھی بے انصافی کو ملزم قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی انصاف کی تعریفیں کی ہیں۔ سوائے اس کے کہ انصاف عزت و وقار کا باعث بنتا ہے۔ کوئی بھی شاعر ہو یا عام آدمی نے ان چیزوں کو ایک فردِ واحد کے دماغ پر جو اثر ہوتا ہے۔ اس کا کوئی تاثر پیش کیا ہے۔ اور نہ ہی کسی نے یہ ثابت کیا ہے کہ بے انصافی کا اثر انصاف کی نسبت کم تر ہوتا ہے۔

بس تو یہ وہ نظریات ہیں، جو تھریسمیکس اور ایسے بے شمار لوگوں کے ذہنوں میں ہیں۔ میرے خیال میں اس طرح سچائی کی اجتماعی طور پر غلط نمائندگی کی گئی ہے لیکن میں نے پوری شدت سے ان خیالات کو پیش کیا ہے۔ کیونکہ مجھے تمہارے تصورات اور خیالات کی تردید درکار تھی۔ ہم اب تم سے صرف یہی سُننا نہیں چاہتے ہیں کہ انصاف بے انصافی سے بہتر ہے۔ بلکہ بنیادی طور پر یہ بھی کہ ایک شخص جس کے ذہن پر انصاف کا غلبہ ہے۔ اُسے اس کی وساطت سے کون سے خطرناک اور نقصان دہ اثرات اس کے ذہن و زندگی پر حاوی ہوتے ہیں۔ اسی طرح گلوکن کی ہدایات کو مدِ نظر رکھ کر ہمیں ایک ایسا تخمینہ درکار ہے جس سے ہم پر اس کے صحیح نتائج کا علم ہو سکے۔ کیونکہ اگر تم ہمیں ان کے فوائد اور نقصانات سے آگاہ نہیں کر سکتے ہو۔ تو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم اتنا ہی جانتے ہو۔ کہ ایک چیز کی مدحت و ثناء کر سکو اور دوسری چیز کو برا بھلا کہہ سکو۔ اور اصلیت اور حقیقت کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔ اور یہ بھی مدِ نظر رکھو۔ کہ تم تھریسمیکس کے بیانات کے سلسلے میں یہ تسلیم کر چکے ہو۔ کہ انصاف بعض لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ متعدد جماعت کے لئے بھی، تم تسلیم کر چکے ہو۔ کہ انصاف کا واسطہ اعلیٰ صفات سے ہوتا ہے۔ جنہیں ہم صرف ان کی ذات تک ہی محدود رکھ کر انتخاب نہیں کرتے بلکہ اس لئے بھی کہ ان کے جملہ مقتضیات اور متعلقات کو بھی اسی طرح قبول کرتے ہیں۔ اس لئے اب ہم یہ سننا چاہتے ہیں۔ کہ انصاف ایک شخص کے لئے کون سے فوائد سے کرتا ہے۔ اور ان کا مقابلہ اُن نقصانات سے کرو، جو بے انصافی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ میں دوسرے لوگوں کو بھی سننے کے لئے تیار ہوں۔ کہ ان کی نظر میں انصاف و بے انصافی کے کیا کیا فوائد ہیں۔ اور وہ اس سلسلے میں کیا خیالات رکھتے ہیں لیکن تم نے اس مسئلے پر غور و خوض کرنے میں اپنی ساری عمر گزاری ہے۔ اس لئے میں تم سے اس سلسلے میں کچھ جاننے کا زیادہ خواہاں ہوں۔ اس لئے ہمیں بتاؤ کہ انصاف بے انصافی سے بہتر اور برتر ہے۔ اور یہ بھی ثابت کرو کہ آیا دیوتا اور انسان انصاف کی ان خصوصیات

[1] غلاموں کا تذکرہ یہاں نہیں کیا گیا۔ لیکن ان کا وجود فرض کر لیا گیا۔ افلاطون ایک مثالی ریاست میں اہم اور ناگزیر سمجھتا ہے۔ لیکن انہیں ایک علیحدہ طبقہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس نے جو پانچ جماعتیں ہمیں بتائی ہیں۔ یہ غلام ان سے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی حیثیت افلاطون کے نزدیک نہیں ہے۔ (س. ط)

کی تھیں۔ اس کے پہلے مصرعے۔

"ارسٹون کے بیٹے — مقدس جوڑا،
ایک مقدس و مشہور خاندان میں پیدا ہوئے"

واقعی حقیقت پر مبنی ہیں۔ کیونکہ تم دونوں میں بلا شبہ تقدیس اور بزرگی کے عناصر شامل ہیں اور اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم بے انصافی کے مقدمے میں اس کے حق میں دلائل دیتے ہو۔ اور یہ ایمان رکھتے ہو کہ بے انصافی، انصاف سے بہتر ہے۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ تم اس پر راسخ طور پر ایمان رکھتے ہوگے کیونکہ میں تمہارے کردار اور خصائل سے واقف ہوں۔ لیکن تم نے جو تقریریں کی ہیں۔ انہوں نے مجھے شک و شبہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ جہاں تک میں گہری محسوسات سے وابستہ ہوں۔ میرا شک اور شبہ اور زیادہ بڑھتا جاتا ہے اور میرے لئے یہ امر دشوار ہو گیا ہے۔ کہ میں اب کس طرح تمہارے لئے مددگار ثابت ہو سکتا ہوں۔ میرا یہ دعویٰ تو کبھی نہیں رہا۔ کہ میں دانشور ہوں۔ اور اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔ کہ میں ابھی تک تمہیں متاثر نہیں کر سکا ہوں۔ اور تم سے اپنے دلائل کو منوا نہیں سکا ہوں۔ اور پھر میں تھریسمکس سے اپنی بحث کے دوران میں یہ کہہ چکا ہوں۔ کہ انصاف اور خیر بے انصافی اور شر سے کمتر ہیں۔ اب میں اس سے انکار بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ جب کہ میں نے زندگی بھر اسی تخیل کی پیدا کردہ فضا میں سانس لیا ہے۔ اور اب میں اس سے انکار کر کے کس طرح انکار و انحراف کی گرد میں پناہ لے سکتا ہوں۔ اس سلسلے میں پوری کوشش کروں گا۔ کہ اپنے معاملے کو بہترین صورت میں پیش کر سکوں۔"

گلوکن اور باقیماندہ اصحاب نے پرزور درخواست کی۔ کہ میں اپنے دلائل کو آگے بڑھاؤں اور اس موضوع کو ختم نہ کروں۔ اور بتاؤں کہ انصاف اور بے انصافی کی اصلیت اور غایت کیا ہے۔ اور پھر ان کے فوائد اور نقصانات کی نشاندہی کروں۔ میں نے انتہائی بے تکلفی سے اپنی بات شروع کی "یہ دنیا کا اہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس کے لئے ہمیں گہری بصیرت درکار ہے۔ اور چونکہ ہم اتنے ذہین نہیں ہیں۔ اس لئے کیوں نہ اسے اس طرح شروع کیا جائے۔ کہ ہم اپنے آپ کو کم نظر تصور کریں۔ جو دور کی دیوار پر لکھے ہوئے باریک حروف کو پڑھنے کی کوشش میں ہیں اور سب یہی الفاظ وسیع صورت اور جلی حروف میں ہمارے سامنے آ جائیں۔ اور ہم انہیں اچھی طرح پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔ تو پھر ان بڑے لفظوں کی مدد سے ہم چھوٹے لفظوں کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ آیا یہ بڑے اور جلی حروف وہی تو نہیں جو باریک خط میں لکھے گئے تھے؟"

"یقیناً" لیکن اس سے ہماری بحث پر کیا اثر پڑتا ہے؟" ایڈمنٹس نے پوچھا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں" کیا انصاف کسی جماعت یا فرد واحد دونوں کی خاصیت نہیں ہے؟"

"ہے"

"اور ایک جماعت، ایک فرد واحد سے وسیع تر ہوتی ہے" "ٹھیک ہے۔"

"اسی سے ہمیں آسانی سے پتہ چل جائے گا۔ کہ انصاف کیا ہے۔ کیونکہ فرد کی بہ نسبت، جماعت میں اس کا اثر و نفوذ اور آثار کہیں زیادہ واضح اور وسیع ہوتے ہیں۔ اس کے مطابق میں چاہتا ہوں۔ کہ ہم اپنی تحقیقات کا آغاز جماعت سے کریں۔ اور وہاں سے فرد تک پہنچیں۔ اور پھر اس چیز کو تلاش کریں۔ کہ کیا آیا وہ عمل جو جماعت میں کارفرما تھا۔ کیا فرد واحد میں بھی نظر آتا ہے یا نہیں؟

"یہ تو ایک اچھا خیال ہے" اس نے کہا۔

"اچھا تو جب ہم یہ دیکھیں گے کہ ایک معاشرہ کس طرح جنم لیتا ہے۔ تو پھر یہ بھی دیکھیں گے کہ ان میں انصاف اور بے انصافی کا منبع کون سا ہے۔ اس طرح سے میں سمجھتا ہوں کہ ہم جس تلاش میں ہیں۔ وہ زیادہ آسان ہو جائے گی۔"

"واقعی زیادہ آسان ہو جائے گی۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں ہم اس کا جائزہ لینے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اس سلسلے میں تمہاری اجازت اور تفکر کا ہونا انتہائی لازمی ہے۔"

"میں ذہنی طور پر تیار ہوں" تم بات آگے بڑھاؤ۔"

"ایک معاشرے کی تشکیل و تخلیق صرف اس لئے ہوتی ہے کہ میرے خیال میں انسان خود کفیل نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کی بے شمار ایسی ضروریات ہوتی ہیں۔ جنہیں وہ اکیلا پورا نہیں کر سکتا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں معاشرے کی تشکیل کی کوئی دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے؟"

"نہیں میرے خیال میں تو نہیں" اس نے کہا۔

"خوب تو جب ہم کئی انسان مل کر ایک دوسرے کی ضروریات کی تسکین کرتے ہیں۔ تو ہم اس طرح اپنے کئی ساتھی اور مددگار بنا لیتے ہیں جو ایک ہی مقام پر رہتے ہیں۔ اور اس طرح اس مددگاروں کو ہم کسی ریاست[1] یا جماعت کا نام دیتے ہیں۔"

"ہاں مجھے اس سے اتفاق ہے۔"

"اور اس جماعت میں تمام تر باہمی تعاون کا تبادلہ اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے؟"

"یقیناً"

"اچھا تو اب آگے بڑھتے ہیں۔ اور ہم نے ریاست کی پیدائش کا جو مفروضہ قائم کیا ہے اسے مدنظر رکھو۔ تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ریاست ہماری ضروریات کی پیدا کردہ ہے۔" "ہاں"

"اور ہماری پہلی اور سب سے اہم ضرورت خوراک کو فراہم کرنا ہے۔ جو ہمیں زندہ رکھ سکے۔"

"یہ تو واضح ہے:"

"ہماری دوسری اہم ضرورت مکان اور تیسری ضرورت مختلف قسم کے کپڑے ہیں!"

"ہاں"

"اچھا، تو سوال یہ ہے۔ کہ یہ ضروریات ہماری ریاست کس طرح پورا کرے گی۔ اس کے لئے ایک کسان، ایک معمار ایک جولاہے کی ضرورت پڑے گی۔ اور اسی طرح موچی، اور اسی طرح کے دوسرے لوگ جو ہماری جسمانی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ تو اس طرح چھوٹی سی چھوٹی ریاست کو بھی چار پانچ پیشوں کے جاننے والے افراد کی ضرورت ہوگی؟"

"یقیناً"

"تو گویا یہ لوگ اپنی تمام تر پیداوار مشترکہ گودام میں شامل کریں گے مثلاً یہ دیکھو۔ کہ آیا کسان اپنا سارا وقت صرف کر کے باقی چار لوگوں کی ضرورت پورا کرے گا؟ یا اس کے بجائے اپنے وقت کا ایک حصہ اناج پیدا کرنے میں اور باقی تین حصے مکان بنانے، کپڑا بننے، یا جوتا بنانے میں صرف کرے گا۔ لیکن یہ تو اسی صورت میں وہ کرے گا، اگر دوسرے لوگوں کا کوئی خیال نہ ہو۔ اب کیا وہ تمہارے خیال میں دوسروں کی ضروریات کو نظر انداز کر کے صرف اپنی ضروریات میں لگا رہے گا۔ یا دوسروں کا بھی خیال رکھے گا؟"

"میرے خیال میں وہ دوسروں کا خیال کرے گا!"

"اچھا -- اب یہی دیکھو کہ تم دونوں ایک طرح کے ہو۔ اور ایک ہی جگہ پیدا ہوئے

---

[1] ریاست:- (STATE) کا لفظ یونانیوں کے ہاں شہری ریاست (CITY STATE) کے معانی میں ملتا ہے۔ اور جماعت وہ جسے ہم معاشرہ یا سوسائٹی کا نام دیتے تھے۔
(س۔ ط)

ایک کسانی کا سب سے بڑا نقص اور خامی تو یہ ہے کہ وہ مُوری اور گندی ہو۔

ہو۔ لیکن ہمارے مختلف رویّے ہیں۔ جو مختلف کاموں کے لئے مناسب ہیں۔"

"بے شک یہ درست ہے۔"

"اچھا تو کیا ہم ایک کام پر پوری توجہ صرف کریں گے، یا اپنے آپ کو کئی کاموں میں اُلجھا لیں گے؟"

"ایک کام پر توجہ صرف کریں گے۔"

"اچھا تو اب یہ نکتہ ہے۔ کہ ایک کام کے سلسلے میں اگر آدمی بروقت اپنی کارکردگی کا اظہار نہ کر سکے۔ تو نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ کام کرنے والے کو اپنے کام کے بلاوے پر آنا پڑے گا۔ اس کا فرض اس کا انتظار نہیں کرے گا۔ کہ وہ کوتاہی کرے۔ عمدہ کام زیادہ تعداد میں اسی طرح آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک شخص اپنے جھے کے مطابق ایک ہی کام میں ماہر ہو۔ وہ کام ایسا ہو جس کے لئے وہ فطری طور پر موزوں ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے۔"

"اچھا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اپنی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں چار لوگوں کی بجائے زیادہ شہریوں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ کیونکہ ایک کسان کے لئے یہ ممکن اور مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ اپنا ہل، اور دوسرے زراعتی آلات بنا سکے۔ اگر وہ بھی یہ چاہتا ہو۔ کہ یہ ہتھیار بہترین طریقے سے بنائے گئے ہوں۔ اسی بات کا اطلاق معمار، جلاہے اور موچی پر ہوتا ہے کیونکہ انہیں بھی اپنے اپنے مقاصد اور کام کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ اس طرح لوہار اور دوسرے کاریگر بھی اپنا فرض سرانجام دے کر ہماری ریاست کی تعداد میں اضافے کا باعث بنیں گے۔"

"لازماً"

"اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ہم اپنی اس ریاست میں ان لوگوں کو بھی شامل کر لیں۔ تو بے جا اضافہ نہ ہوگا۔ یہاں چرواہوں، گلے بانوں، اور گودام کے نگرانوں کی ضرورت ہوگی۔ جو کہ ہل چلانے کے لئے بیل اور دوسرے باربردار جانور معمار اور کسان کے لئے تیار کر سکیں۔ اور جلاہے کے لئے اُون اور موچی کے لئے چمڑے کا بھی انتظام کریں۔"

"ہاں . . . لیکن اس سے بھی ہماری ریاست میں کوئی زیادہ اضافہ نہ ہوگا۔"

"اور اس وقت بھی ریاست نامکمل تصور ہوگی۔ جب تک اس میں باہر سے اشیاء کی درآمد نہ ہو سکے۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تو ہمیں پھر اپنی ریاست میں ایک ایسے طبقے کی بھی ضرورت ہوگی۔ جو ہمارے لئے بیرونِ ملک سے ضروریات کی اشیاء درآمد کر سکے؟"

"لازماً"

"اچھا تو اگر ہمارے کارندے ملک سے خالی ہاتھ باہر گئے۔ تو لازماً وہ ہماری ضروریات کی اشیاء ساتھ نہ لا سکیں گے۔ اور خالی ہاتھ واپس لوٹ آئیں گے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہوگا۔ کہ اپنے ملک میں نہ صرف اپنی ضرورت کے لئے اشیاء پیدا کریں۔ بلکہ ایسی چیزیں بھی پیدا کریں۔ جو غیر ملکیوں کی ضرورت کے مطابق ہوں تاکہ وہ ہماری ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس سے ہمارے ملک کے کسانوں اور دوسرے کاریگروں کی تعداد میں لازمی طور پر اضافہ واقع ہوگا۔"

"ہاں یہ اضافہ تو لازمی اور لابدی ہے۔"

"تو پھر اس میں ہمیں ان کارندوں کا بھی اضافہ کرنا ہوگا۔ جو درآمد و برآمد کا کام کر سکیں۔ انہیں ہم تاجر یا سوداگر کہیں گے۔ ہمیں ان کی بھی ضرورت پڑے گی۔"

"یقیناً"

"خوب۔ تو اگر ہماری تجارت سمندر پار تک پھیل گئی۔ تو پھر ہمیں جہاز سازی کے ماہرین اور جہاز کے سفر کے لئے عملے کی بھی ضرورت محسوس ہوگی۔"

"ہاں . . . . ان لوگوں کی بھی کافی تعداد ہونی چاہیئے۔"

"پھر یہ بھی کہ ہمارے اپنے ملک میں شہری اپنی صنعت کی پیداوار کا تبادلہ کس چیز سے کریں گے؟ یہی تو باہمی تعاون و تبادلہ کی ضرورت تھی جس سے ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔"

"وہ چیزوں کی خرید و فروخت کریں گے۔"

"تو اس کے لئے ہمیں منڈیوں اور کرنسی کی ضرورت پڑے گی تاکہ اسے تبادلے کا ذریعہ بنایا جا سکے۔"

"یقیناً"

"اچھا تو اگر ایک کسان اپنی پیداوار منڈی میں لے کر آتا ہے۔ اور اُسے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا۔ جو اس کی ضروریات کے لئے اس سے تبادلہ کرے۔ تو کیا وہ کسان اپنے فرائض اور کام کو چھوڑ کر منڈی میں بیٹھا رہے گا؟"

"یقیناً نہیں" اس نے جواب دیا۔ "یہاں ایک ایسا طبقہ بھی ہوگا۔ جو اس کی خدمت کے لئے موجود ہوگا۔ اور اسے ایک اچھے معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو جسمانی طور پر مکمل نہیں ہوتے۔ یا ان میں کوئی جسمانی کمزوری ہوتی ہے۔ اور یا وہ کسی دوسرے کام کے لئے مناسب نہیں ہوتے۔ ان کا کام اُن کا واسطہ منڈیوں سے وابستہ رکھتا ہے۔ جہاں وہ ان اشیاء کو خریدتے ہیں، جنہیں لوگ بیچنا چاہتے ہیں۔ اور وہ اُن لوگوں کے پاس بیچ دیتے ہیں جو انہیں خریدنے کے خواہشمند ہوں۔"

"خوب تو پھر اس ضرورت کے تحت ہماری ریاست میں خوردہ فروشوں کی بھی ضرورت پیدا ہوگی۔ کیونکہ وہ لوگ جو عوام کے گھروں تک اشیاء پہنچاتے ہیں ہم انہیں یہی کہیں گے۔ یہ ان تاجروں سے قطعی مختلف ہوں گے جو باہر کے ملکوں میں کاروبار کے لئے نکلتے ہیں۔"

"مجھے اس امر سے اتفاق ہے۔"

"اس کے بعد ایک اور طبقہ بھی ہے جس کی خدمات کی ہمیں ضرورت ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو دماغی قوتوں کے حامل نہیں ہوتے، لیکن ان کی جسمانی طاقت انہیں محنت مزدوری کے کام کے لئے مناسب قرار دیتی ہے۔ وہ اپنی محنت اور طاقت کو بیچتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں تنخواہ لیتے ہیں۔ اس طرح ہم انہیں تنخواہ دار لوگ کہیں گے۔ اس طرح ہماری ریاست کی آبادی مکمل ہو جائے گی۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"تو کیا اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری ریاست پوری طرح مکمل ہو گئی ہے؟"

"شاید اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔"

"اگر ایسا ہے؟ تو پھر ہم انصاف اور بے انصافی کو کہاں پائیں گے؟ جس کے عناصر کی تلاش کے لئے ہم نے معاشرے کی تشکیل کی ہے۔ اور اس کا سرچشمہ تلاش کیا ہے؟" لیکن سقراط ابھی تو ہم نے ان کے باہمی تعلقات کو مدنظر نہیں رکھا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" میں نے کہا۔ "ہمیں اپنی تحقیقات کو اور زیادہ گہرائی سے جانچنا

پڑے گا۔ اسی لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے شہری اپنے اپنے پیشے میں معروف کس طرح زندہ رہ رہے ہیں۔ یہ لوگ معیشت، شراب، کپڑے، جوتے اور اس قسم کی چیزوں کی پیداوار کریں گے اور اپنے لئے گھر بنائیں گے۔ موسم گرما میں وہ ننگے یا کم لباس پہن کر کام کریں گے، لیکن موسم سرما میں انہیں مناسب اور زیادہ کپڑوں کی ضرورت پڑے گی۔ خوراک کے لئے وہ گندم کا کھانا یا چنوں وغیرہ کا کھانا تیار کریں گے۔ وہ لوگ بہترین روٹیاں اور کیک بنا کر اپنے بچوں کے ساتھ تازہ پتوں پر رکھ کر دعوت منائیں گے۔ اور اس کے بعد وہ شراب نوشی کا شغل کریں گے۔ اس کے بعد وہ ہار سے کر دیوتاؤں کے حضور میں دعائیں مانگیں گے۔ ایک دوسرے کی رفاقت سے لطف اندوز ہوں گے۔ جنگ اور قحط کے خوف کی بنا پر وہ اپنی اور اپنے کنبوں کی تعداد اپنے ذرائع کے اندر رکھیں گے۔"[1]

"میرے خیال میں تم نے دعوت کا جو نظارہ پیش کیا ہے وہ بڑا کھردرا سا ہے۔" گلوکن نے اعتراض کیا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو" میں نے جواب دیا۔ میں بھول گیا تھا کہ یہ لوگ چند چھوٹے چھوٹے عیاشانہ کام بھی کریں گے۔ اُن کے پاس نمک ہوگا، زیتون کا تیل، یا مکھن، اور مختلف قسم کی سبزیاں، جن سے وہ کئی قسم کے کھانے تیار کر لیں گے۔ اس کے علاوہ ہم انہیں شاہ بلوط کا پھل، بینز (BEANS) انجیریں اور (PEAS) بھی مہیا کریں گے۔ تاکہ جب وہ شراب پئیں۔ تو انہیں آگ پر بھون لیں۔ اس طرح وہ ایک مطمئن اور صحت مند زندگی گزاریں گے۔ اور موت اور بڑھاپے کو فراخدلی سے قبول کریں گے اور اپنے بچوں کے ورثے میں یہی عادات اور باتیں چھوڑ جائیں گے۔

گلوکن اس قدیم معاشرے کی غیر مہذبانہ فطرت کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ سقراط اس میں تہذیب کی خصوصیات کا اضافہ کرتا ہے جس سے مختلف پیشوں اور کارکردگی کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور آبادی کثیر صورت اختیار کرتی ہے۔ دولت اور آبادی میں اضافہ جنگ کا باعث ہوگا جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ ہمیں اپنی ریاست میں ایک نئے طبقے کی ضرورت ہوگی یعنی سپاہی جو میدانِ جنگ میں لڑ سکیں[2]۔ انہیں سپاہیوں یا نگہبانوں کو افلاطون بعد میں ریاست کی حکمران جماعت کا استحقاق دیتا ہے۔ وہ اپنی فوجی خدمات سے سبکدوش ہو کر حکومت اور انتظام کو سنبھال لیتے ہیں۔ افلاطون نے اس باب میں معاشرے کی خامیوں کا ذکر کیا ہے[3]۔ یہ معاشرہ جسے وہ غیر صحت مند کہتا ہے۔ اس کے لئے "ریاست" کا سارا حصہ اس نے وقف کر دیا ہے۔ تاکہ اس غیر صحت مند معاشرے کو صحت مند بنایا جا سکے اور اس طرح ریاست میں "اصلاحات" اصلاحات کا آغاز ہوتا ہے۔

"سقراط" یقیناً اس طرح تم سوروں کی ایک جماعت کا نقشہ کھینچ رہے ہو" گلوکن نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ان لوگوں کی زندگی کے لئے معمولی آسائشیں مہیا کرو۔ انہیں کرسیاں مہیا کرو۔ میزیں دو، جن پر کھانا کھا سکیں۔ اور قدرے مہذبانہ کھانے ان کے لئے تیار کرو۔"

"بہت اچھا" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہارا مطلب بخوبی سمجھ گیا ہوں ہم صرف کسی معاشرے کی ابتداء اور پیدائش کا ہی جائزہ نہیں لے رہے ہیں بلکہ ہمارے پیش نظر یہ بھی ہے۔ کہ یہ معاشرہ کس طرح تہذیب کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ تمہارا خیال برا نہیں ہے۔ شاید ہم اسی طرح سے نتیجے پر پہنچ جائیں۔ کہ معاشرے میں انصاف اور بے انصافی کس طرح پرورش پاتے ہیں۔ اگرچہ جس معاشرے کا میں نے ذکر کیا ہے وہ میرے خیال میں بالکل درست اور معمولی نوعیت کا ہے۔ بہر حال ان کی صحت اور دیگر مشاغل متقاضی ہیں کہ ان کے لئے دوسرے آرام اور آسائشیں تلاش کی جائیں اس لئے معاشرہ صرف اپنی باتوں پر اکتفا نہیں کرے گا۔ جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اب انہیں کرسیوں، میزوں اور دوسرے فرنیچر کی ضرورت کا احساس ہوگا۔ اور دوسری لذیذ اور فرحت بخش چیزوں کی ضرورت بھی پڑے گی جیسے عطریات، بناؤ سنگھار کی چیزیں، مٹھائیاں اور بیویاں۔ اب ہم اپنی پہلی ضرورتوں پر ہی اکتفا نہیں کر سکتے جو ابتدائی ابتدائی اور سادہ تھیں یعنی مکان، کپڑے اور جوتے وغیرہ ہمیں ان اشیاء میں فنون لطیفہ جیسے تصویریں، کشیدہ کاری اور اس قسم کی دھاتوں جیسے سونا اور ہاتھی دانت کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا۔ کیا اب تم مجھ سے اتفاق کرتے ہو

"ہاں"

"اچھا تو اب ہم اپنی ریاست کو وسیع کریں گے۔ ہماری صحت مند ریاست اب ہمارے لئے کافی نہیں رہی۔ اب اس کے رقبے میں بھی وسعت پیدا کی جائے گی تاکہ اس میں وہ لوگ اور وہ کاریگر بھی رہ سکیں۔ جن کی پیداوار ضروریات زندگی سے وابستہ نہیں ہے۔ ان میں شکاری اور ماہی گیر ہوں گے۔ ان میں فن کار بھی ہوں گے۔ بُت تراش، مصور اور موسیقار پھر شاعر اور ڈرامہ نگار اور پھر ان کے متعلقات — شعر پڑھنے والے، اداکار، کورس کو تربیت دینے والے، تخلیق کار[4]۔ اس کے علاوہ وہ کاریگر ہوں گے۔ جو ہر قسم کا گھریلو فرنیچر تیار کریں گے۔ اور فیشن کے ماہر، عورتوں کے لئے۔ اس کے علاوہ ہمیں کئی اور طرح کے خدمت گاروں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ استاد، نرسیں، خواتین کی مددگار[5]، حجام، بیکری والے، اور باورچی۔ اس کے علاوہ سؤر چرانے والے بھی ہوں گے۔ جن کی ہمیں اپنی پہلی ریاست میں ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ لیکن اب ہمیں سؤروں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اور اگر ہم نے گوشت کھانا ہے۔ تو زیادہ جانور درکار ہوں گے۔ کیا اب تم رضامند ہو۔"

"ہاں اس سے میں انحراف نہیں کر سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ ڈاکٹروں کی ضرورت محسوس ہوگی۔"

"واقعی ہماری نئی عیاشیوں کی بنا پر اس کی ضرورت تو پڑے گی۔"

"اور وہ علاقہ جو پہلے ہمارے لئے کافی تھا۔ اب بہت کم پڑ جائے گا۔ کیونکہ ہمیں فصلوں کے لئے اور چراگاہوں کے لئے زیادہ علاقے کی ضرورت پڑے گی۔ اس طرح ہم اپنے ہمسایوں کے علاقے میں سے کچھ علاقے پر قبضہ کریں گے۔ اگر وہ بھی ہماری طرح خود کفیل علاقے کے مالک نہیں رہے۔ اور اُن کی ضروریات بھی اسی قسم کی وسعت کی ضرورت مند ہیں۔ تو پھر وہ ہمارا علاقہ ہتھیانے کی کوشش کریں گے۔"

"ہاں یہ صورتِ حال تو ناگزیر طور پر پیدا ہو جائے گی" گلوکن نے کہا۔

"اور اس سے جنگ کا سبب پیدا ہوگا کیوں گلوکن، میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

"نہیں"

"اس وقت ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے۔ کہ جنگ کے اثرات اچھے ہوں یا بُرے، بلکہ یہ ہے کہ ہم نے اس کا آغاز اسی طرح تلاش کر لیا ہے۔ جیسے عموماً اتفاقیہ طور پر کسی سماجی یا اجتماعی برائی کے آغاز کا پتہ چل جاتا ہے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"لیکن اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری ریاست میں ابھی اور بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ یعنی ایک فوج کا اضافہ، جو ہمارے مفادات کے لئے رجا کرے گی۔ اور ہر قسم کے حملہ آوروں

---

[1] اصول تخصیص کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ وہ ایک آزاد اور علیحدہ طبقہ ہو۔

[2] یہ خامیاں ایتھنز کے باسی کے لئے زیادہ اہمیت کی حامل نہ تھیں، بلکہ وہ ان سے بخوبی آشنا تھے، اس لئے ان میں کوئی غیر معروف بات اس عہد میں نہیں کہی گئی ہے۔ سار ٹن، افلاطون مسعود یہ بندی کا پہلا تصور۔ (س۔ط)

[3] میں نے تخلیق کار کو PRODUCER کے معانی میں لیا ہے۔

[4] LADEIS MAEDS (س۔ط)

سے اپنے شہریوں کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔"

"لیکن کیا شہری خود نہیں لڑ سکتے ؟"

"اگر ہم اپنے پہلے مصدقہ اور متفقہ اصولوں کو مدِ نظر رکھیں گے۔ تو شہری خود ہی لڑائی نہ لڑ سکیں گے۔ تمہیں وہ اصول یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ایک شخص ایک کام سے زیادہ کام یا پیشے اختیار نہ کرسکے گا۔"

"ہاں یہ درست ہے۔"

"اچھا تو کیا سپاہی ہونا ایک پیشہ نہیں ہے ؟"

"بالکل"

"تو کیا یہ ہمارے موچی سے کم حیثیت رکھتا ہے ؟"

"یقیناً نہیں۔"

"بس تو ہم ہر ایک پیشے کے لئے اسی شخص کو یہ پیشہ تفویض کریں گے۔ جو اس کے لئے مناسب ہے۔ اور جس نے اپنی زندگی میں یہی کام کیا ہو۔ اور اپنی ذہانت کی بناء پر اسی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہو۔ وہ شخص اپنے فرائض سے کبھی کوتاہی نہ کرے گا۔ وہ اپنے فرائض ہر لمحہ ادا کرسکے گا۔ اب یہ ضروری ہوگیا ہے۔ کہ جنگ کے مسئلے سے بھی نپٹا جائے۔ کیونکہ سپاہیانہ فرائض کوئی معمولی فرائض نہیں ہیں۔ کیونکہ فوری طور پر کوئی شخص نہ تو سپاہی بن سکتا ہے۔ اور نہ ہی موچی یا کسان بن سکتا۔ بلکہ اس کے لئے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا ایک آدمی اچانک اور یکدم کسی پیشے کو سیکھ سکتا ہے ؟ یا جب بھی ایک شخص ہتھیار یا ڈھال سنبھال لے تو کیا وہ سپاہیانہ فرائض سے عہدہ برا ہو سکیگا۔ لوازمات کے حاصل ہوجانے سے ہی کوئی شخص اس فن کا ماہر نہیں ہوجاتا ہے۔ ہتھیار اور آلات اسی شخص کے لئے مفید ہیں جو انہیں اچھی طرح سے استعمال کرنا جانتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک"

"تو اسی طرح ملکی دفاع کا کام بھی ہے۔ جو انتہائی اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لئے بھی لازماً تربیت اور ذہانت درکار ہیں۔ تاکہ اسے عملی صورت دی جاسکے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ درست ہے" اس نے جواب دیا۔

"اس کے لئے بھی انسان کا فطری رویہ درکار ہوتا ہے۔"

"بے شک"

"بس تو پھر ہمارے لئے لازم ٹھہرا۔ کہ ہم اس کام اور مقصد کے لئے بھی بہترین اشخاص کا انتخاب کریں۔ جن کا فطری رجحان اس طرف ہو۔"

"یہ درست ہے۔"

یہاں سے افلاطون کا مرکزی خیال اور تصور شروع ہوجاتا ہے۔ جو نگہبان یا منتظم طبقے سے وابستہ ہے۔ (بعد میں وہ اسے دو حصوں میں تقسیم کردیتا ہے) وہ لوگ جو بعض اشیاء کے حامل ہیں۔ سوداگر، اور وہ سب، جو روزمرہ کی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں اور کسی معاشرے کی اقتصادی حالت سے نپٹتے ہیں۔ افلاطون ان کا بعد میں بہت کم ذکر کرتا ہے۔ افلاطون کا موضوع **حکومت** ہے۔ اس لئے اس کی تمام تر دلچسپیاں حکومت کرنے والے طبقے سے ہیں۔

ان منتظموں کا مقابلہ چوکیدار کتوں سے کیا جاتا ہے۔ اور ان میں جسمانی طاقت، حوصلہ اور فلسفیانہ مزاج کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ حوصلہ کے لئے بلند ہمتی[1] درکار ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہمارے نگرانوں میں جو خصوصیات چاہیئں۔ وہ محافظ کتوں سے ملتی جلتی ہیں۔ میرا مطلب ہے۔ کہ ہر ایک نگران میں ایک گہری شناخت اور تیز رفتاری ہونی چاہیئے۔ اور وہ طاقت، جس سے وہ لڑ سکے، اور اپنے شکار کو پکڑ سکے۔"

"ہاں واقعی ان تمام خوبیوں کی ضرورت ہے۔"

"اور اگر وہ اچھی طرح لڑائی لڑنا چاہتا ہے۔ تو پھر اس میں ہمت اور حوصلہ ہونا چاہیئے۔"

"بے شک"

"اور کوئی کتا یا دوسری مخلوق اس وقت حوصلہ مند نہیں ہوسکتی جب تک اس میں روح اور پھرتی کا مادہ نہ ہو۔ کیونکہ ہم اندازہ نہیں کرسکتے۔ کہ انسان کی روح کتنی مضبوط اور ناقابلِ شکست ہے۔ اور وہ شخص جس میں اس کی موجودگی ہو وہ کتنا نڈر اور بے خوف ہوتا ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے۔"

"پھر ہمیں یہ بھی علم ہے۔ کہ سرحدی محافظوں کے لئے جسمانی طاقت کتنی ناگزیر ہوتی ہے۔ اور جہاں اُن کا کردار بلند ہو، وہاں وہ بلند ہمت بھی ہونے چاہیئں۔"

"ہاں"

"اچھا تو اگر ان میں یہ خصوصیات مجتمع ہوجائیں، تو کیا وہ اپنے رقیبے کے اعتبار سے وحشی کے مرتکب نہ ہوں گے، نہ صرف ایک دوسرے کے ساتھ، بلکہ دوسری جماعتوں کے ساتھ بھی ؟"

"ہاں اس امر کو بھی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا" گلوکن نے اعتراف کیا

"تو پھر لازم ہوا۔ کہ وہ اپنے شہریوں کے ساتھ نرم اور مناسب رویے کا احساس رکھیں۔ اور صرف اپنے دشمنوں کے لئے ہی خطرہ ہوں۔ ورنہ وہ ایک دوسرے ہی سے لڑکر تباہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی کی تباہی کا سبب بنیں ؟"

"یہ سچ ہے۔"

"اچھا تو اب اس کا کیا علاج ہونا چاہیئے ؟" میں نے کہا "ہم وہ قدرِ ارتست کہاں سے لائیں، جو اُن کے اس جنگجویانہ مزاج کو ایک متوازن سطح پر لے آئے۔ اگر ہم ان میں مکمل خاصیت ہی رکھیں تو وہ اچھے لڑاکے نہیں بن سکتے۔ اور اب تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہم کسی ناممکن چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور دوسری صورت میں ہم اچھے محافظ کہاں سے حاصل کریں گے۔"

"ہاں، میں بھی اسی چیز کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"میں بھی بڑی اُلجھن میں ہوں" میں نے کہا۔ اور مجھے یُوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہم کسی طرح الجھن میں رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے ایک اہم امر کو مدِ نظر نہیں رکھا۔"

"کس طرح ؟"

"ہم نے یہ بات نظر انداز کردی ہے۔ کہ یہاں فطری قوتیں اور عناصر ہوتے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی خاصیتوں کو باہم چسپاں اور وابستہ رکھتی ہیں جنہیں ہم ناقابلِ ملاپ کہتے ہیں۔"

"اچھا تو یہ خاصیتیں کہاں دستیاب ہوتی ہیں ؟" اس نے پوچھا۔

"مختلف قسم کے جانوروں میں، لیکن بالخصوص محافظ کتوں میں، جن سے ہم نے اپنی صفات کی نشاندہی کا آغاز کیا تھا۔ کیونکہ تم نے یہ نہیں دیکھا۔ کہ ایک اعلیٰ تربیت یافتہ کتا ان لوگوں سے بڑی نرمی کا سلوک کرتا ہے جو اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں جانتا رہتا ہے۔ اُسے ان کی شناخت رہتی ہے۔ لیکن کیا وہ اجنبیوں کے لئے خطرناک نہیں ہوتا ؟"

"ہاں میں تمہاری بات سمجھ گیا۔"

"تو گویا ہم جس قسم کے محافظ کی تلاش میں ہیں، وہ ناممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی غیر فطری۔"

"ہاں"

"تو کیا تمہارے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ ہمارے محافظ جہاں اولعزمی اور عالی

---

[1] افلاطون کے ہاں یہ لفظ کئی معانوں میں مرکب صورت میں استعمال ہوا ہے جس میں کئی شخصیات شامل ہیں۔ یعنی جھگڑالو پن (جھگڑنے سے رغبت) فراخ حوصلگی اور جسارت آمیز غصہ، حرص، بعد ب انہی خصوصیات کو افلاطون دماغ یا شخصیات کے تین بنیادی عناصر قرار دیتا ہے۔

حوصلگی کی صفات رکھتے ہیں۔ وہاں اُن کا ایک فلسفیانہ، سنجیدہ ذہن بھی ہونا چاہیئے؟

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا ہوں"

"ایک کتے کی خصلت کا مطالعہ کرو۔ تم دیکھو گے۔ کہ جب وہ ایک اجنبی کو دیکھتا ہے تو پھر اسے تنگ کرتا ہے۔ خواہ وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ لیکن وہ ہر اُس شخص کا استقبال کرتا ہے۔ جسے وہ جانتا ہے۔ خواہ اس شخص نے اس پر کبھی مہربانی سے ہاتھ نہ پھیرا ہو۔ کیا کبھی تم نے اس امر پر غور کیا کہ یہ خصوصیت کتنی اہمیت رکھتی ہے؟"

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں نے اس سے پہلے اس پر کبھی غور کیا ہو" اُس نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔"

"اور یہی حقیقت ہمیں ایک حقیقی امتیاز اور فلسفیانہ فطرت کی حامل نظر آتی ہے، کیونکہ کتا ایک دوست اور دشمن میں تمیز کر سکتا ہے۔ صرف اس بناء پر کہ اُس نے دشمن کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور دوست کو وہ جانتا ہے۔ تو پھر وہ شخص جو آشنا اور ناآشنا میں امتیاز کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی علم اور لاعلمی کی بنیادوں پر، تو وہ شخص لازماً علم کا ایک خزانہ اور احساس رکھتا ہوگا۔"

"اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا" اس نے کہا۔

"تو کیا فلسفہ یہی نہیں کہ علم سے پیار کیا جائے؟"

"یہ تو ہے"

تو کیا پوری طرح ایک آدمی کو اپنے ساتھیوں اور ہمسایوں کی طرف نرمی برتنے اور صحیح سلوک اختیار کرنے کے لئے فلسفیانہ احساس اور تربیت سے پیار کی ضرورت نہیں؟"

"ہے"

"اچھا تو پھر ہمارے مکمل محافظ کے لئے ان خصائص کی ضرورت ہوگی۔ ایک فلسفیانہ مزاج۔ بلند حوصلگی، سرعت اور طاقت ..."

"میں تم سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔"

کتاب سوم

افلاطون کے متن کو پڑھنے سے پہلے قارئین کو چاہیئے۔ کہ وہ قدیم یونان میں تعلیم کی جو شکل و صورت تھی اُسے مدنظر رکھیں۔ یونان میں تعلیم کو قطعی طور پر انفرادی مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ افلاطون نے اسے حکومت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اپنے بعد آنے والوں کو ایک نیا راستہ سمجھایا ہے۔ وہ کسی حد تک سپارٹا سے بھی متاثر تھا۔ اور یہ تاثر بھی اس کے نظریات میں قدرے واضح نظر آتا ہے۔ تعلیم کو یونانیوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ پڑھنا[1] اور لکھنا، جسمانی تعلیم و تربیت[2]، اور وہ تعلیم جسے ہم ثانوی یا ادبی و علمی تعلیم کا نام دیتے ہیں۔ آخری حصہ تمام تر شاعروں کی تخلیقات کے مطالعہ پر مشتمل تھا۔ انہیں زبانی یاد کیا جاتا تھا۔ اور جہاں مناسب سمجھا جاتا، وہاں انہیں گایا بھی جاتا تھا۔ تاکہ اس سے موسیقی کا علم حاصل ہو سکے۔ اس کا معیار تقریباً ہماری ثانوی تعلیم کے درجے کے برابر تھا۔ اس کے بعد دو سال میں فوج میں شامل ہونا پڑتا تھا۔ اس کے لئے اٹھارہ سال کی عمر مخصوص تھی۔

دوسرے یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ یونانیوں کے پاس کوئی الہامی کتاب نہیں تھی۔ جسے وہ بطور دینیات یا اخلاقیات کے استعمال کرتے۔ ان کے یہاں دینیات اور اخلاقیات کے طور پر شاعر تھے۔ اسی لئے افلاطون ان شاعروں کی دینیات و نظریات سے شدومد کے ساتھ بحث کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جن سے عوام دینی اور اخلاقی رہبری حاصل کرتے تھے۔

(ستار طاہر)

چونکہ نوجوانوں کے ذہن بڑی جلدی اثر قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے اگر ہم یہ چاہتے ہوں کہ انہیں مناسب اور معقول تعلیم دی جائے، تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ مری شاعری ان تک پہنچائی جائے۔ جو ہمارے مقاصد کو پورا کر سکے۔ کیونکہ شاعری کا بیشتر حصہ اس مقصد کے لئے غیر مناسب ہے۔ (۱) دینیات کے نظریئے سے خدا کا تصور غلط پیش ہوتا ہے۔ خدا مکمل خیر ہے۔ اس لئے غیر متبدل اور برائی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اسے اس کے علاوہ کسی دوسری صورت میں پیش کرنا غلط ہوگا ... !

"ہم نے یہ تو دیکھ لیا۔ کہ ہمارے محافظوں میں یہ خاصیتیں ہونی چاہئیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان کی کس طرح تربیت کریں گے۔ اور کیا تعلیم دیں گے؟۔ اگر ہم اس سوال کے جواب کے لئے کوشش کریں، تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہمیں ہماری بنیادی الجھن کا حل دستیاب ہو جائے گا جس کے لئے ہم اتنی طویل بحث اور تحقیقات کر رہے ہیں۔ اور وہ یہ کہ انصاف اور بے انصافی کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے؟ ہم کسی ٹھوس بات کو نظر انداز نہ کریں۔ لیکن ہم طویل و بے کار مباحث میں بھی نہ جائیں گے۔"

ایڈمنٹس نے اس سلسلے میں جواب دیا۔ "میرا خیال ہے۔ کہ ہم اس طرح درست طریقے سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"اچھا تو میرے عزیز ایڈمنٹس، تو پھر ہمیں اپنے سوال کا حل تلاش کرنا ہی ہوگا۔ خواہ اس میں کافی وقت صرف ہو۔ تو آؤ پھر ہم اپنے محافظوں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں۔ جیسے ہمارے پاس قصہ گوؤں کی طرح بڑا فاضل وقت ہے۔"

"اچھا تو پھر شروع کرو"

"تو پھر ہم ان لوگوں کو کس قسم کی تعلیم دیں گے؟ ہاں ایک بات تو طے شدہ ہے۔ کہ ہم جو تعلیم و تربیت اُن کے جسموں کے لئے مقرر کریں گے۔ اس میں اور اس تعلیم میں جو ان کے دماغوں اور کرداروں کے لئے ہوگی۔ بڑا واضح فرق ہوگا۔"

"یہ سچ ہے"

"اچھا تو پھر ہمیں دماغ اور کردار سے آغاز کرنا چاہیئے، کیا یہ درست نہیں؟"

"یہ بلاشبہ درست ہے۔"

"اس قسم کی تعلیم میں ہم کیوں نہ کہانیوں کو بھی شامل کر لیں؟"

"ہاں .... کیوں نہیں"

"تو پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ سچی کہانیاں اور تخیلی یا فرضی کہانیاں[1]، ہماری تعلیم ان دونوں سے استفادہ کرے گی اور فرضی کہانیوں سے اس کا آغاز ہوگا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا ہوں"

"لیکن تم بخوبی جانتے ہو۔ کہ ہم بچوں کو فرضی کہانیاں سنایا کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں حقیقت کا عنصر بھی شامل ہوا کرتا ہے۔ یہ کہانیاں ہم بچوں کو جسمانی تربیت حاصل کرنے سے پہلے سناتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

---

[1] تخیلی یا فرضی۔ یعنی انگریزی میں اس کے لئے عام مروجہ لفظ FICTION ہے۔ لیکن یونانی میں یہ لفظ PESUDOS ہے۔ اور اس کا متعلقہ فعل۔ دونوں کا مطلب صرف کہانی، قصہ، داستان ہی نہیں، بلکہ جھوٹ، فراڈ اور چالبازی بھی ہے۔ لہٰذا ذہن میں یہ معانی بھی رکھ لینے چاہییں۔ (ستار طاہر)

" تو بس پھر یہی مطلب تھا، کہ جسم کی تربیت سے پہلے ہم ذہنی تربیت اور تعلیم کا بند و بست کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ہمارے مدنظر نوجوان اذہان ہوتے ہیں۔ یہ ان کی عمر کا ایسا حصہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے خدوخال متعین کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت ہم ان کے ذہن پر جو تاثر چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے آثار دائمی ہوں گے۔"

" یہ واقعی صداقت ہے۔"

" اچھا تو کیا ہم چاہیں گے، کہ ہمارے بچے اس وقت کسی کی لکھی ہوئی کہانیاں سنیں، اور اس کے بعد جب وہ بڑے ہو جائیں، تو پھر ان کے خلاف رائے دیں؟"

" یقیناً ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

" خوب ... تو ہمارا سب سے اولین فرض یہ ہو گا کہ ہم اس قسم کی کہانیوں پر نظر رکھیں، اور ان میں سے وہ کہانیاں انتخاب کریں، جنہیں ہم مناسب سمجھتے ہوں۔ اور باقیماندہ کہانیوں کو مسترد کر دیں۔ ہم ماؤں اور آیاؤں کو ترغیب دیں گے۔ کہ وہ ہماری انتخاب کردہ کہانیاں بچوں کو سنائیں۔ اور ان کی جسمانی تربیت سے زیادہ ان کے اذہان اور خصائل کا خیال رکھیں۔ اس لئے ہمارے ہاں کی زیادہ کہانیاں ایسی ہیں، جو مسترد کر دینے کے قابل ہیں۔"

" تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟"

" ہم بعض روایتوں کو ایک شاہکار کے طور پر لے لیں گے۔ کیونکہ ان تمام کا ڈھانچہ اور تاثر ایک سا ہے۔ کیا تم اس سے اتفاق کرتے ہو۔"

" ہاں، لیکن میں اس سلسلے میں مطمئن نہیں ہوں، تم اہم کہانیوں کے سلسلے میں کس کا حوالہ دے رہے ہو؟"

" وہ کہانیاں جو ہومر، ہیسیوڈ اور دوسرے شاعروں کے ہاں ملتی ہیں۔ کیونکہ یہ کام ہمیشہ سے شاعروں کا رہا ہے۔ کہ وہ کہانیاں لکھتے ہیں اور انسانوں کو سناتے ہیں۔"

" اچھا تو ان میں سے کونسی کہانیوں کو تم کارآمد اور کسے تم بیکار تصور کرتے ہو؟"

" ایک کہانی کا سب سے بڑا نقص اور خامی تو یہی ہے۔ کہ وہ بری اور گندی ہو"

" اچھا تو یہ بری کہانی کیا ہوتی ہے؟"

" یہاں دیوتاؤں اور بہادروں[1] کو غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس مصور کی طرح جو پورٹریٹ بناتا ہے۔ لیکن اپنے ماڈل کے خدوخال کو پیش کرنے میں ناکام رہ جاتا ہے۔"

" واقعی یہ ایک بڑا نقص ہے۔ اور اس کے لئے سنسر کی ضرورت محسوس ہو گی۔ لیکن مجھے اور زیادہ تفصیلات سے آگاہ کرو۔"

" زیادہ اہم موضوعات میں سے سب سے پہلی اور سب سے احمقانہ کہانی وہ ہے۔ جو اورانوس (OURANOS) کے متعلق ہے۔ اور جو تفصیلات اس کے متعلق ہیسیوڈ نے بتائی ہیں۔ پھر اس نے جو انتقام کرونس سے لیا۔ کرونس کی یہ کہانی اس قابل نہیں ہے کہ ہم اسے نوجوان اور معصوم ذہن والے بچوں کے سامنے دہرائیں۔ بالخصوص وہ حصہ بھی۔ بڑا قابلِ اعتراض ہے۔ جہاں کرونس کی ان تکالیف کا بیان ہے۔ جو اس نے اپنے بیٹے کے ہاتھوں برداشت کیں[2]۔ بہتر ہے کہ ایسی کہانیوں کے متعلق بچوں کو بتایا ہی نہ جائے۔ اور اگر انہیں بتانا ضروری ہو جائے۔ تو پھر کسی قسم کے تحت ' انتہائی ' رازداری کے ساتھ انہیں بتایا جائے۔ اور چند منتخب نوجوانوں کو ہی ان کا علم دیا جائے۔ اور انہیں اس قسم کے تحت پابند کر دیا جائے۔ کہ وہ ان کہانیوں کو کسی اور کو نہ بتائیں گے۔ اور اگر ان کی قسم ٹوٹ جائے تو قربانی میں سور نہیں، بلکہ مہنگی اور بڑی شے پیش کی جائے۔"

" واقعی بعض کہانیاں بڑی غلط قسم کی ہیں۔"

---

[1] بہادروں HEROES

[2] پوری تفصیلات کے لئے ایڈیتھ ہیملٹن کی تصنیف گریک اشتھالوجی دیکھئے۔

★

برسرِ اقتدار
طبقے ایسے قوانین وضع کرتے
ہیں جن میں ان کا اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے

★

" اور انہیں ملک و ریاست میں دہرایا نہ جائے۔ اور نہ ہی کسی نوجوان شخص تک ایسی باتیں پہنچائی جائیں۔ کہ کسی شخص نے خوفناک جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اپنے والد کو بڑے ظالمانہ طریقے سے تنگ کیا ہے۔"

" ہاں میں اس امر سے قطعی متفق ہوں۔ کہ یہ کہانیاں حقیقت میں ہی بڑی غیر مناسب ہیں۔"

" اور پھر ہمیں ایسی کہانیوں کی بھی اجازت نہیں دینی چاہیئے جن میں دیوتاؤں کی جنگوں، سازشوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ قطعی جھوٹی کہانیاں ہیں۔ اور اگر ہم ان کی صداقت اپنے محافظوں پر ظاہر کر کے سنوانا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے ہم بہت ظلم اور بے انصافی کے مرتکب ہوں گے۔ کیونکہ یہ کہانیاں غیر حقیقی اور قطعاً غلط ہیں۔ اور پھر ہمیں وہ کہانی بھی نہ سنانی چاہیئے۔ جو کڑھے ہوئے چغے کے متعلق تھی۔ اور جس پر بہادروں[3] نے آپس میں لڑائی لڑی تھی۔ اور نہ ہی ہمیں وہ کہانیاں سنانی چاہیئں۔ جن میں دیوتاؤں، بہادروں اور ان کے رشتے داروں کی باہمی لڑائیوں اور جھگڑوں کا ذکر ملتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم اپنے بچوں کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں۔ کہ انہیں کسی شخص سے لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ گناہ ہے۔ تو پھر ہمارے بڑے بوڑھوں کو ایسی کہانیاں سنانی چاہیئں۔ جن کا انجام پہلے ہی یہ مدنظر رکھ لیا جائے۔ اور ہمیں اپنے شاعروں کو بھی یہ مشورہ دینا ہو گا۔ کہ وہ ایسی ہی کہانیاں منظوم کریں۔ جن کا اخلاقی نتیجہ امن نکلتا ہو۔ اس کے علاوہ ہمیں بچوں کو ہیرا کی کہانی نہیں سنانی چاہیئے۔ جسے اس کے لڑکے نے قید کر لیا تھا۔ یا ہیفاسٹس[4] جو اپنی ماں کو اپنے باپ کی مار سے بچانے کے لئے آسمان سے کود پڑا تھا۔ یا ہومر کی وہ کہانیاں جن میں دیوتاؤں کی باہمی لڑائیوں کا ذکر ہے۔ خواہ یہ کہانیاں تمثیلی اور کنایاتی ہیں۔ لیکن بچوں کو تمثیل و کنایہ کی پہچان نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے ان کے ذہن میں، ناپختگی کے زمانے میں جو آراء اور نقوش پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا دور کرنا بعد میں انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے لازم ٹھہرا۔ کہ جو کہانیاں یہ بچے سب سے پہلے سنیں، ان کا اخلاقی نتیجہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہانیاں گہرے غور اور توجہ کی پیداوار ہونی چاہیئں۔"

" تمہارا معاملہ خاصا مضبوط ہے۔" اس نے رضامندی کا اظہار کیا۔ " لیکن اگر کوئی شخص بالتفصیل یہ جاننا چاہے کہ آخر تمہارے ذہن میں کس قسم کی کہانیاں مناسب ہیں تو اس کا کیا جواب ہو گا؟"

" میرے عزیز ایڈیمنٹس، میں اور تم ایسی کہانیاں نہیں لکھ رہے ہیں جس سے کسی ریاست کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ لیکن ریاست کے بانی، ان کہانیوں سے بخوبی واقف ہوں گے جنہیں شاعروں کو تخلیق کرنا چاہیئے۔ اور وہ ان کہانیوں کو مسترد کر دیں گے۔ جو ان کے مقاصد کو پورا نہ کر سکیں گی۔ اور پھر اس قسم کی کہانیاں لکھی ہی نہ جائیں گی۔"

---

[3] ایتھنز کی کنواریوں نے ایک ایسا ہی لبادہ تیار کیا تھا، تاکہ وہ اسے ایتھنی کے حضور میں پیش کر سکیں۔ لیکن دیوتا اس پر آپس میں جھگڑ پڑے۔ (س۔ط)

[4] HERA (ہیرا) HEPHAESTUS (ہیفاسٹس) قدیم یونانی دیوی اور دیوتا۔

"ٹھیک۔ لیکن وہ کیا خطوط ہیں۔ جن کے متوازی ہمارے شاعروں کو لازمی طور پر دیوتاؤں[1] کے مسئلے سے نپٹنا ہوگا؟"

"بالکل واضح طور پر، دیوتا کو اسی صورت اور یقین کے ساتھ پیش کیا جانا چاہیئے۔ جیسے کہ وہ ہے۔ خواہ شاعر اسے رزمیہ، گیت یا ڈرامے میں پیش کرے۔"

"ہاں اُسے ایسے ہی کرنا چاہیئے۔"

"اور حقیقت یہ ہے۔ کہ دیوتا مکمل خیر ہوتا ہے۔ اور اسے اسی طرح دکھایا جانا چاہیئے۔"

"بالکل ٹھیک"

"اور یہ بھی کہ خیر کبھی نقصان دہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور وہ چیز جو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ شر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی کہ جو چیز شر کا سبب نہیں بنتی وہ شر نہیں ہوتی۔"

"یہ بالکل سچ ہے۔"

"جو بھی خیر اور بھلائی ہے، وہ بھلائی کا باعث ہے۔"

"ہاں"

"اچھا تو ثابت ہوا کہ خیر ہر ایک واقعہ کا سبب نہیں ہے۔ اور اس سے صرف بھلائی ہی سرزد ہوتی ہے۔ بُرائی نہیں۔"

"یقیناً"

"تب۔ دیوتا۔ جو خود خیر ہے۔ ۔ ۔ وہ ہر ایک چیز کا ذمے دار نہیں ہوتا ہے۔ (جیسے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے) بلکہ وہ انسانی افعال کے ایک حصے کا ذمے دار ہوتا ہے۔ اور بیشتر افعال کی اس پر کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری ذات میں بھلائی کم اور برائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب ہم بھلائی اور خیر کا خراج (اور ذمے دار) دیوتا کو ادا کرتے ہیں۔ تو پھر ہمیں ایک ایسے وجود کی تلاش کرنی ہوگی۔ جو برائی کی ذمے دار ہوتی ہے۔"

"میرے خیال میں تم بالکل سچ کہہ رہے ہو۔"

"تو پھر ہم اس سلسلے میں ہومر یا اُن دوسرے شاعروں سے اتفاق نہیں کریں گے۔ جنہوں نے اس سلسلے میں غلطی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ

"زیوس[2] کے محل کے فرش پر دو بڑے بڑے مرتبان بھرے پڑے ہیں۔ ایک میں اچھی قسمیں اور صفات ہیں۔ اور دوسرے میں بُرائیاں۔"

اور یہ کہ زیوس جس شخص کو، اِن دونوں چیزوں کا مرکب بنا دیتا ہے۔ تو وہ شخص "کبھی تو بھلائیاں کرتا ہے۔ اور کبھی برائیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔" اور وہ شخص جسے زیوس خالص برائی سے نوازتا ہے۔ "وہ دنیا کے چہرے پر پریشان رہتا ہے۔ مایوسی اس کے پیچھے پیچھے تعاقب کرتی ہے۔" نہ ہی ہم اس حوالے کی اجازت دیں گے۔ جس کا اطلاق زیوس پر کیا جاتا ہے۔ کہ وہ "برائی اور اچھائی کا معالج ہے۔" نہ ہی ہم اس کی اجازت دیں گے۔ کہ زیوس اور ایتھنی سفر پانڈرس کے سانحہ جو۔ عہد نے نئے تھے۔ وہ پورے نہیں کیے۔ اس کی تبلیغ کی جائے۔ اور یہ کہ دیویوں کے تم (؟) اسے اور پیرس

کے فیصلے کی وجہ تھیمز اور زیوس کا دباؤ تھا۔[3] نہ ہی ہم اپنے بچوں کو اسکلیس کا یہ فقرہ سننے دیں گے کہ

"جب دیوتا کسی گھر کی تباہی چاہتے ہیں۔ تو پھر وہ انسان میں گناہ اور برائی کا بیج بو دیتے ہیں۔"

نہیں۔ ۔ ہم ہر شخص کو اس امر سے منع کریں گے۔ کہ وہ نیوب[4] (NIOBE) کی تکالیف، یا پیلوپس[5] کے گھرانے کی تباہی، یا ٹروجن[6] کی جنگ کے موضوعات پر ڈرامے لکھے۔ اور یہ ثابت کرے۔ کہ یہ دیوتاؤں کے کام ہیں۔ اور اگر وہ یہ کہانیاں اپنا موضوع بناتے ہی ہیں۔ تو اُسے اس کا وہ اخلاقی نتیجہ اور انجام دکھانا پڑے گا۔ جو ہم اس وقت چاہتے ہیں۔ اور انہیں یہ کہنا پڑے گا۔ کہ دیوتاؤں کے اعمال بھلائی اور خیر پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ جنہوں نے تکلیفیں برداشت کیں۔ تو یہ اُن کے اپنے بُرے اعمال کی سزائیں تھیں۔ ایک شاعر کو یہ کسی صورت میں بھی کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ کہ اگر ان لوگوں نے سزائیں برداشت کیں۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ تو اُن کی تباہی اور تکلیفوں کی بنیاد دیوتاؤں کی مرضی اور ارادہ تھا۔ بلکہ شاعر کو برائی کو بدبختی کی صورت میں دکھانا ہوگا۔ اور بدبختی ان کے اعمال کی سزا کی شکل میں۔ ۔ اور اُسے یہ ثابت کرنا ہوگا۔ کہ اگر انہیں سزائیں دی گئیں۔ تو دیوتاؤں کے لئے بھلائی کو نمایاں کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اب اگر ہماری ریاست کو متوازی خطوط پر چلنا ہے۔ تو ہم ہر طرح سے اِن چیزوں کی روک تھام کریں گے۔ خواہ انہیں بیان کرنے والا نوجوان ہو یا بوڑھا، اور وہ اسے شاعری میں بیان کرے یا نثر میں۔ ہم یہ کسی صورت میں بھی تبلیغ نہ ہونے دیں گے۔ کہ خدا اگرچہ خیر ہے۔ لیکن وہ انسانوں کو برائی یا نقصان کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا کہے تو وہ گنہگار ہے۔ غلط کار ہے۔ اور اس کا علم سطحی اور غیر متوازن ہے۔

"ہاں۔ ۔ ۔ میں اس مقصد کے لئے قانون بنانے کی تجویز پیش کروں گا۔ اور تم میرے حق میں اپنا ووٹ دینا" ایڈمنٹس نے کہا۔

"گویا ہم اپنے قوانین کی بنیادیں اس اصول پر رکھیں گے۔ کہ ہر شخص یہ ماننے اور تسلیم کرے کہ "دیوتا صرف خیر اور بھلائی کا سرچشمہ ہیں۔"

"میں تمہاری اس رائے اور نتیجے سے قطعی اتفاق کرتا ہوں۔"

"اچھا تو ہمارا دوسرا قانون کیا ہوگا؟ کیا تمہارے خیال میں دیوتا جادوگر ہیں، جو اپنے ارادے سے مختلف اوقات میں مختلف بہروپ میں ظاہر ہو سکتے ہیں؟ کبھی مختلف شکلوں میں ظاہر ہونا، اور کبھی مختلف چہروں کو مختلف روپ دے دینا۔ اور پھر کبھی کبھی ہمیں یہ عقیدہ دے کر گمراہ کرنا کہ وہ ان صورتوں کو اختیار کر سکتا ہے؟ یا وہ قطعی طور پر دھوکے اور چالبازی سے ماورا ہے، اور دوسری چیزوں کی طرح اپنی اصلیت کو تبدیل نہیں کر سکتا ہے؟"

"میں اس وقت، تمہارے اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔"

"اچھا تو اسے یوں سمجھو۔ کہ اگر دیوتا کسی وقت اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت سے کسی دوسری صورت میں تبدیل کر لیتا ہے۔ تو کیا ایسی تبدیلی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا؟"

"کیوں نہیں۔"

"اچھا تو کیا سب سے بہتر یہی نہیں ہے۔ کہ وہ اپنے خارجی روپ کو کسی دوسری صورت

---

[1] افلاطون (GODS) کو دیوتا (جمع) اور (GOD) دیوتا (واحد) کی صورت میں استعمال کرتا ہے۔ جب ہم GOD کا ترجمہ کرتے ہیں تو پھر بھی اس کی تفسیر و تشریح "خدائے واحد" کی اصطلاح میں نہیں کرنی چاہیئے۔ (مستاجر)

[2] ZEUS۔ خداوند خداوندگان۔ ۔ [illegible] ہومر، ایلیڈ XXIV۔ ہومر کے اقتباسات کے لئے ڈاکٹر ڈبلیو کے انگریزی ترجمے کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔

[3] سنہری سیب کی کہانی۔ ۔ ۔ جس میں پیرس نے فیصلہ کیا تھا، جو دنیا کی سب سے حسین دیوی کے لئے تھا۔ اور شر و فساد کی دیوی نے دیویوں میں فساد پیدا کرنے کے لئے بنایا تھا۔
[4] تا [6]۔ ان کے لئے ایڈیتھ ہملٹن کی کتاب مائتھالوجی اور ہومر کی ILIAD کا مطالعہ کیجئے۔
(مستاجر)

یا بہروپ میں منتقل نہ کرسکے ؟ مثال کے طور پر صحت مند اور مضبوط جانوروں کو دیکھو، جو بعد میں اچھی غذا اور ورزش پر تکیہ نہیں کرتے، اور اسی طرح ایسے پودے، دھوپ اور ہوا سے بہت کم اثر لیتے ہیں ؟"

"ہاں ایسا تو ہوتا ہے۔"

"تو اسی طرح حوصلہ مند اور معقول کردار کے لوگ بھی خارجی اثرات سے بہت کم تبدیل ہوتے ہیں ؟"

"یہ سچ ہے۔"

"اچھا تو عام طور پر، اگر کوئی چیز فطری ہے یا مصنوعی، یا ان کا مرکب، تو اگر وہ اچھی حالت میں ہو تو اپنی ظاہری اور خارجی صورت کو بہت کم ہی تبدیل کر سکتی ہے۔"

"ہاں ظاہر تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"لیکن تقدیس۔ اور دیوتاؤں کی حالت اور روپ مکمل ہوتا ہے۔ تو پھر دیوتا کسی چیز کو نئی شکل و صورت دینے یا تبدیل کرنے کے بہت کم ذمے دار ٹھہرتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"تو کیا پھر دیوتا، اپنے آپ کو اپنے ارادے سے کسی چیز میں تبدیل یا منتقل کر سکتا ہے؟"

"اگر وہ تبدیل کرتا ہے۔ تو پھر وہ کس طرح ایسے کرتا ہے۔"

"کیا یہ تبدیلی بہتری کے لئے ہوگی یا برائی کے لئے ؟"

"میرے خیال میں تو یہ تبدیلی بدترین صورت حال کی حامل ہوگی۔ کیونکہ دیوتا کی نیکی اور بھلائی (یا خیر) تو مکمل ہوتے ہیں" اس نے جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ تو یہ کیا ایسی ہستی جو دیوتا یا انسان ہو، یہ ارادہ کرے گی، کہ وہ اپنے آپ کو تبدیل کرے۔۔۔ جب کہ وہ بدتر نتائج اور صورت کی حامل ہوگی ؟ اگر تم اس سے اتفاق کرتے ہو کہ یہ عمل ناممکن ہے۔ تو پھر یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ کوئی دیوتا اپنے آپ کو تبدیل کرنے کا کوئی ارادہ یا خواہش رکھتا ہو۔ یہ ایک دیوتا پورا مکمل۔۔ ہے جیسے مکمل خیر۔ اور وہ اپنی ہی شکل میں ہمیشہ رہتا ہے۔۔۔ کسی بھی تبدیلی سے ماوراء۔"

"تم نے جو نتیجہ نکالا ہے۔ اس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔"

"خوب تو پھر ہم کسی شاعر کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ کہ دیوتا "بہروپ بدلے دور کے اجنبیوں کی طرح۔۔ ہر طرح کی شکل و صورت اختیار کئے، ہمارے قصبے میں پھرتے ہیں۔ اسی طرح ہم وہ کہانیاں بھی رد کر دیں گے۔ جو پروٹیس اور تھیٹس کے بہروپ بدلنے اور شکلیں تبدیل کرنے کے متعلق ہیں۔ یا یہ کہ شاعروں کے تخیل کے مطابق دیوی ہیرا کسی پجارن کے روپ میں خیرات مانگتی ہے۔ کہ "آرگوس کے دریا اکس کے بچوں کی زندگی کا مسئلہ ہے" ہم اس طرح کی تمام داستانوں کو ختم کر دیں گے تاکہ مائیں یہ کہانیاں اور دیومالا کے واقعات بتا کر اپنے بچوں کو گمراہ نہ کر پائیں۔ افسانے جنہیں سن کر بچے بزدل ہو جاتے ہیں۔"

"یہ درست ہے۔ اس قسم کی کسی چیز کی اجازت نہ ہوگی۔"

"اچھا۔ اگر دیوتا اپنے آپ کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ تو کیا ان میں وہ طاقت اور اختیار ہوتا ہے۔ جس سے ہمیں یہ دھوکا دے سکیں۔ کہ وہ ہر طرح کے بہروپ میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔"

"میرے خیال میں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔"

"اچھا کیا دیوتا اپنے آپ کو بہروپ دینا چاہتے ہیں۔ اور یہ بہروپ بھر کر ہمیں دھوکا دے سکتے ہیں۔ زبانی یا اعمال کی صورت میں۔۔"

"میں نہیں جانتا۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن۔۔ یہ تو تم جانتے ہوگے۔ کہ دیوتا اور انسان۔۔۔ دونوں اصلی دھوکہ

دہی کو ناپسند کرتے ہیں۔ کیا اب تم میرا مطلب سمجھ گئے ؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب ہے۔ کہ وہ چیزیں۔۔۔ جو انسان کے لئے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کے متعلق کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ اسے دھوکا دیں۔۔۔ بلکہ وہ اس خیال سے ہی خوفزدہ رہتا ہے۔۔"

"میں اب بھی تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا ہوں۔"

"صرف اس لئے کہ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں کسی پُراسرار شے کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے۔ کہ کوئی بھی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس سے وہ اشیاء دھوکہ کریں۔ جو اس کے ذہن میں ہیں۔ اور اسی لئے آدمی دھوکے کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر اسے غلط سمجھتے ہیں۔"

"ہاں میں اس امر سے متفق ہوں۔"

"لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ جب ایک آدمی کا اپنا ذہن کسی چیز کے متعلق دھوکا کھاتا ہے۔ تو ہم اسے بلا تکلف سچائی سے لاعلمی کا نام دے کر اصطلاحاً "حقیقی دھوکہ" کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک غلط اور جھوٹا بیان زیادہ سے زیادہ اس ذہن کی حالت کی نشاندگی کرتا ہے۔ جس پر کوئی اثر ہوتا ہے۔ اور یہ عنصر (یا تاثر) اصلی فریب نہیں ہوتا ہے۔ کیا تم اس سے متفق ہو۔"

"ہاں"

"تو پھر اصلی دھوکے سے انسان اور دیوتا نفرت کرتے ہیں۔"

"یہ درست ہے۔"

"لیکن وہ دھوکہ یا غلط بیانی زبانی طور پر کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق کیا کہو گے کیا یہ کبھی کبھار، بعض موقعوں پر سودمند ثابت نہیں ہوتا۔ اور پوری طرح ناپسند بھی نہیں کیا جاتا۔ ہم اسے مختلف صورتوں میں کام میں لاتے ہیں۔ جیسے ایک ممنوعہ دوائی[1] کسی دشمن کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ یا جب ہمارا کوئی دوست، حماقت یا دیوانگی کی وجہ سے غلطی کرنے والا ہو، تو ایسی غلط بیانی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ ہم اسی غلط بیانی کو ان دیومالاؤں کے متعلق استعمال کر سکتے ہیں۔ جن پر ہم ابھی بحث کر رہے تھے۔ کیونکہ ہم ماضی کی ان چیزوں کی صداقت سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن ہم اپنی مرضی کے مطابق جیسی بھی فرضی باتیں چاہیں، تخلیق کر سکتے ہیں۔"

"یہ بالکل درست ہے۔"

"تو کیا اس صورت میں غلط بیانی کرنا دیوتاؤں کے لئے جائز اور مناسب ہے ؟ کیا انہیں بھی تخیلی اور فرضی باتوں کو تخلیق کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ ماضی کے متعلق کچھ نہیں جانتے ؟"

"یہ تو بڑی غلط بات ہے۔ بالکل بکواس۔"

"خوب تو گویا دیوتا شاعرانہ تخیلات اور فرضیات[2] کے خالق نہیں ہیں۔"

"نہیں"

"تو کیا وہ اس لئے جھوٹ بولتے ہیں۔ کہ انہیں اپنے دشمنوں کا خوف ہوتا ہے ؟"

"نہیں"

"اپنے کسی دوست کی حماقت اور دیوانگی کے لئے"

"دیوتا نہ تو احمق کو پیار کرتے ہیں۔ اور نہ پاگل کو پسند کرتے ہیں" اس نے جواب دیا۔

---

[1] یہاں دوائی کو ان معانی میں لیا جائے "وہ چیز جو کسی فائدے کے لئے ہو، کسی تکلیف کو دور کرنے والی ہو۔" (ستار طاہر)

[2] FICTION وسیع تر معانوں میں۔۔۔۔

"تو پھر ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ دیوتا جھوٹ اور غلط بیانی کو اختیار کریں۔ تو پھر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ تقدیس اور رُوح میں کوئی غلط بیانی اور فریب نہیں ہوتا ہے۔"

"بالکل درست"

"تو دیوتا، اعمال و افعال، کردار و گفتار میں جھوٹ، فریب اور دھوکے بازی سے ماورا ہوتے ہیں۔ نہ وہ اپنے آپ کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اور نہ دوسروں کو سوتے یا جاگتے دھوکا دے سکتا ہے۔ نہ اشاروں نہ الفاظ اور نہ کنایوں سے۔"

"میں اس سلسلے میں تمہارے ایک ایک حرف سے اتفاق کرتا ہوں۔"

"تو پھر تم اس سلسلے میں متفق ہو۔ کہ ہمارا دوسرا قانون اس اصول کے تحت ہوگا۔ کہ تمام تر زبانی اور تحریری اشکال میں دیوتاؤں کو اس صورت میں پیش نہیں کیا جائے گا۔ کہ وہ طلسمی بہروپ بھرتے ہیں۔ کسی صورت میں دھوکا یا فریب دے سکتے ہیں"

"بالکل ٹھیک"

"پھر بہت ساری چیزیں جو ہم ہومر میں پسند کرتے ہیں۔ اُن میں اس خواب کو نہ مانیں گے۔ جو بادشاہ اگمنان کو آئی تھی۔ اور جس میں ؟ سے زیوس ملا۔ نہ ہی ہم ایکیلس کی اس موقع پر تعریف کریں گے۔ جب وہ بتاتا ہے۔ کہ تھیٹس دیوی (THETIS) نے کہا تھا کہ اپالو دیوتا نے اس کی شادی کی تقریب پر اس کے بچے کی تعریف میں گیت گائے تھے۔

"میں وعدہ کرتا ہوں .... کہ اسے طویل عمر نصیب ہوگی، اور یہ ہر طرح کی بیماری سے آزاد ہوگا۔
اور اسے ہر طرح کی برکت حاصل ہوگی۔ اس کی فاتحانہ تعریف میری روح کو خوش کرے گی۔ یہ لب .... میرے خیال میں، مقدس ہیں۔
دیوتا بشارت دیں گے، دیوتا کا وعدہ پورا ہوگا۔ اور یہ مقررہ ..
جو ہماری شادی میں مہمان تھا ...... وہ خوبصورت زبان تھا ..
پیغمبر ــــ جس نے میرے بچے کو قتل کر دیا۔"

اگر کوئی سے مرد دیوتاؤں کے ساتھ اس قسم کی باتیں منسوب کرتا ہے۔ تو ہم اس سے ناراض ہوں گے۔ اور اُسے اس کا ڈرامہ کھیلنے کی اجازت نہ دیں گے۔ اور نہ ہی اسے بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال کریں گے۔ کیونکہ ہمارے محافظین کے لئے لازمی ہے۔ کہ وہ دیوتاؤں کا خوف دل میں رکھ کر پرورش حاصل کریں۔ اور جہاں تک انسانیت اجازت دیتی ہے۔ مقدس نہیں۔"

"میں تمہارے ان اصولوں پر رضامند ہوں۔ اور ہم انہیں بھی قانون کی شکل دیں گے"

(ب) اب یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اخلاقی لحاظ سے بیشتر موجودہ شاعری مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں دیوتاؤں اور بہادروں کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے جس سے کئی اخلاقی کمزوریوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

"اچھا تو جہاں تک دینیات[۱] (مذہب) کا تعلق تھا ہم نے ان امور کی نشاندہی کر لی ہے۔ کہ وہ کہانیاں کسی صورت بھی بچوں کی تعلیم و تربیت کے مقاصد کیلئے استعمال نہ کی جائیں۔ جن کی وجہ سے بچوں کے ذہنوں میں دیوتاؤں اور والدین کے لئے احترام و عزت نہ پیدا ہو سکے۔ اور ہم یہ بھی جان گئے ہیں۔ کہ ہمارے لئے ایک دوسرے سے

سرپراہوں اور نگہبانوں کے لیے ایک نصاب ہونا چاہیے تاکہ وہ خیر اور صداقت کو پا سکیں

پیار کرنا، پُرامن رہنا، کتنا ضروری ہے۔"

"اور میرا خیال ہے۔ کہ ہم نے جو نتائج نکالے ہیں۔ وہ بالکل درست ہیں۔"

"لیکن اگر ہم یہ چاہتے ہوں۔ کہ ہمارے بچے بہادر ثابت ہو سکیں، تو کیا ہمارے لئے ضروری نہیں۔ کہ انہیں اس قسم کی زیادہ سے زیادہ تعلیم دیں۔ جس سے اُن کے ذہنوں میں موت کا کم سے کم خوف باقی رہ سکے؟ کیا وہ شخص جو موت سے ڈرتا ہے۔ کبھی بہادر بن سکتا ہے؟"

"یقیناً نہیں"

"اچھا تو وہ شخص جو آئندہ زندگی کے خوف و دہشت میں ایمان رکھتا ہے، موت کے خوف سے خالی ہوگا اور میدانِ جنگ میں (لڑتے ہوئے) مرنا پسند کرے گا، یا اس پر شکست اور غلامی کو ترجیح دے گا، موت کو شکست اور غلامی پر ترجیح دیگا؟"

"نہیں۔"

تو اس سے یہ ظاہر ہوا۔ کہ ہمیں ان لوگوں پر اپنا اختیار رکھنا ہوگا۔ جو ایسی چیزیں لکھتے ہیں۔ اور ہم شاعروں کو ہدایت کریں گے۔ کہ وہ ایسے واقعات حیات بعد الممات کے متعلق بیان نہ کریں۔ جو غلط اور نامناسب ہوں۔ اور جو ایک لڑنے والے کی بلند ہمتی میں کمی واقع کرنے کا باعث بنیں۔ بلکہ انہیں ان عناصر کی ہمت افزائی کرنی ہوگی۔"

"تو پھر ہمیں اس کا آغاز اس قسم کی تحریروں کو کتابوں سے کانٹ چھانٹ سے کرنا ہوگا۔

"ایک بے زمین شخص کے گھر میں غلامی کی زندگی کو پسند کروں گا جس کے پاس اپنے کھانے اور گزر اوقات کے لئے بھی مناسب اسباب نہ ہوں۔ بجائے اس بادشاہ کے ــــ جو مردہ آدمیوں کا بادشاہ ہو۔ اور جنہوں نے زندگی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو[۱]۔"

یا

اور اُن فانی، اور لافانی آنکھوں کو افشا کر، جو تنزل کے حقارت انگیز کمرے ہیں .... جو دیوتاؤں کو بھی خوفزدہ کر دیتے ہیں[۲]۔"

اور یہ

"اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ ہمارا کچھ حصہ موت کی سرزمین میں بھی باقی رہتا ہے۔ لیکن یہ جبلت یا شخصیت نہیں ہوتی صرف انسان سے ملتا جلتا اس کا ایک سایہ[۳]

اور

صرف وہی اکیلا ہے۔ جو معقولیت یا دانش سے واسطہ رکھتا ہے۔ باقی تو

---

[۱] میرے خیال میں یونانیوں کے عقیدے کے اعتبار سے انگریزی لفظ RELIGION کا ترجمہ مذہب یا یونانی نظام دینیات اور دیوی دیوتاؤں کو اچھی طرح واضح نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس انگریزی لفظ RELIGION کو یونانیوں کے مذہبی تصور سے قریب تر کرنے کے لئے انہیں "دینیات" کا نام دیا جائے۔ تو بہتر رہے گا۔

[۱] اوڈیسی: (ہومر) 489 - XI ص ۳ الیمیڈ: (ہومر) 64 - XX ص 6.3
[۲] الیمیڈ (ہومر) ہیڈیز: موت کا دیوتا HALL OF HDES ص ۱۰۳ XXXIII (درمیان)
[۳] اوڈیسی (ہومر) 495 - X

سب سمائے ہیں۔ جو ادھر اُدھر بہار ہے ہیں [1]

اور

اس کی جسم سے علیحدگی ہوئی رُوح موت [2] کی سرزمین کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔ اور اُس کی مردانگی جوانی اور باقی چیزیں ماتم کرتی رہ جاتی ہیں [3]

اور

رُوح دھوئیں کے مرغولے کی طرح غائب ہو جاتی ہے اور ناقابلِ فہم ——تیز و سریع بڑبڑاہٹ کے ساتھ زمین کے نیچے چلی جاتی ہے [4]

اور پھر آخر میں

"(وہ) ناقابلِ فہم بڑبڑاہٹ' جیسے چمگادڑیں۔ ... جو کسی پُراسرار غار کی گہرائیوں میں اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیے مار رہی ہوں۔ اور جب اُن میں سے ایک' اپنے ساتھیوں کے سہارے کی گرفت سے محروم ہو کر اس چٹانی چھت سے گر جائے ... اور وہ ناقابلِ فہم صدا ... جب باقی چمگادڑیں باہر نکل بھاگتی ہیں گئے۔"

ہمیں ہومر اور دوسرے شاعروں سے اس امر کی معذرت کرنی چاہیئے۔ کہ ہم اُن کی تصانیف سے یہ حصے خارج کر رہے ہیں۔ اور اس لئے انہیں خارج نہیں کیا جا رہا۔ کہ یہ اچھی شاعری نہیں ہے۔ یا مقبول نہیں ہیں۔ بلکہ شاعری کی صورت میں تو بہتر ہیں۔ لیکن بچوں اور نوجوانوں کے کانوں کے لئے انتہائی ناخوشگوار ہیں۔ ہاں اس کی بہتر صورت تب ہو سکتی تھی۔ جب وہ موت کو غلامی سے بہتر سمجھے۔ جیسے کہ آزاد انسانوں کا شیوہ ہے۔"

"میں قطعیت کے ساتھ تمہارے ساتھ متفق ہوں۔"

"اس کے علاوہ ہم کو اُن تمام خوفزدہ اور ہراساں کرنے والے ناموں سے بھی چھٹکارہ حاصل کرنا ہوگا۔ جو نچلی دنیا میں ہیں۔ جیسے ماتم و افسوس کا دریا۔ اور دھندلاہٹ اور ظلمات ... اور بھوت اور لاشیں ... اور پھر ایسی چیزوں کا نام، جن کا نام ہی سننے والوں کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ یہ چیزیں دوسرے مقاصد کے لئے تو مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہمیں خوف ہے کہ یہ چیزیں ہمارے محافظوں کو اعصابی مرضوں میں مبتلا کر دیں گی۔ اور وہ انہیں خوف زدہ رکھیں گے۔"

"ہاں اس طرح ہماری فکرمندی ختم ہو جائے گی۔"

"ہم لازمی طور پر ان سے چھٹکارہ حاصل کریں گے۔ اور اپنے شاعروں کو یہ ہدایت دیں گے۔ کہ وہ اس سے مخالف' اور مختلف طرز کی تخلیقات پیدا کریں۔"

"یہ تو بالکل واضح ہے"

"اسی طرح ہم لازمی طور پر مشہور آدمیوں کے نوحوں کی کانٹ چھانٹ کریں گے۔"

"ہاں یہ بھی درست ہے۔ اگر ہمیں متوازن زندگی بسر کرنی ہے تو" اس نے جواب دیا۔

"ہاں اس طرح ہمارے مقاصد کی تکمیل ہو سکے گی۔ ہم اس امر پر تو متفق ہیں۔ کہ ایک اچھا آدمی یہی سوچتا ہے۔ کہ موت اس پر اور اس کے دوست پر کوئی خوف طاری نہ کرے گی۔ اور اگر وہ موت سے پہلے کچھ تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ بہت کم ماتم کریگا۔"

"یہ درست ہے"

"اور یہ بھی ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ ایک بھلے آدمی کی زندگی مکمل خود اعتمادی اور اس کی اپنی ذات پر ہی منحصر ہوتی ہے۔ اور وہ بہت کم دوسروں پر تکیہ کرتا ہے۔

---

[1] الیڈ (ہومر) XVI - 856

[2] الیڈ - XXIII [3] اوڈیسی 6 - XIV

اسی لئے اسے اپنے بیٹے، بھائی یا جائیداد یا کسی اور قسم کا نقصان بہت کم متاثر کرتا ہے اور وہ اس سے بہت کم خوفزدہ ہوتا ہے۔ اور جب اس پر کوئی ایسا سانحہ وارد ہو جائے۔ تو وہ بہت کم رنج کرے گا۔ اور اس کو صبر و متانت سے دوسرے لوگوں کی نسبت برداشت کرے گا۔"

"ہاں وہ ایسا ہی کرے گا۔"

"تو پھر اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ اگر ہم مشہور آدمیوں کے نوحوں کو مختصر یا ان کی کانٹ چھانٹ کرتے ہیں۔ تو یہ فعل بجا ہے۔ کیونکہ ہم جن لوگوں کی تربیت کر رہے ہیں۔ انہیں عورتیں یا شریر آدمی بننے نہیں دیں گے۔ ورنہ اس سے ہمارے کارکنوں کو ہی اُن سے ندامت محسوس ہو گی۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔"

"تو ہم پھر دوبارہ ہومر اور دوسرے شاعروں سے معذرت کریں گے۔ جنہوں نے دیوی کے بیٹے ایکلیز [4] کا یوں نقشہ کھینچا ہے۔

"کبھی وہ پہلو کے بل لیٹتا' کبھی پشت کے بل' اور پھر منہ کے رُخ

اور پھر کھڑا ہو جاتا اور

بحیرہ نمک کے کنارے پر بے مقصد آوارہ گردی کرتا [5]

یا سیاہ مٹی کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے' اپنے سر پر ڈالتا [6]

غرضیکہ جس طرح بھی شاعروں نے اُسے افسردہ غمگین اور رنجیدہ دکھایا ہے ہم ایسے پریام کو پسند کرتے ہیں۔ جو دیوتاؤں کا قرابتدار ہوتے بھی ذلت و خواری سے غلاظت میں رینگتے ہوئے اُن تمام لوگوں کو اُن کے ناموں سے پکارتے ہوئے التجائیں کر رہا تھا [7]

اور اس سے بھی زیادہ ہم شاعروں کو اس امر سے منع کریں گے۔ کہ وہ دیوتاؤں کو اس طرح ایسے الفاظ کے ساتھ نوحہ کناں پیش نہ کریں۔

آہ میری بدقسمتی! میں جو دنیا کے بہترین انسانوں کی بدقسمت ماں ہوں [8]"

اور اس سے بھی کچھ زیادہ انہیں اس سے باز رکھیں گے۔ کہ تمام دیوتاؤں سے عظیم تر دیوتا کو اس طرح ہمارے سامنے پیش کریں۔

"میرے دل میں اس شخص کے لئے ایک پُرجوش جگہ ہے۔ جس کا تعاقب' میری آنکھوں کے سامنے' ٹرائے کی دیواروں کے اردگرد کیا گیا ہے [9]

اور

"قسمت مجھ پر نامہرباں ہے۔ سرپیڈان — جسے میں نے بے انتہا پیار کرتا تھا' اس کی موت میں مینوٹس کے بیٹے پیٹراکلس کے ہاتھوں جس قدر ہو چکی ہے [10]

اس لئے میرے عزیز ایڈیمنٹس' اگر ہمارے نوجوان ان اقتباسات کو پڑھتے ہیں۔ اور انہیں سنجیدگی سے اپناتے ہیں۔ اور ان پر نہ تو ہنستے ہیں۔ اور نہ ہی انہیں نامناسب سمجھتے ہیں۔ تو وہ ان چیزوں کو بالغ ہونے پر اپنے لئے غیر مناسب سمجھیں گے۔ اور انہیں اس سلسلے میں کوئی شرم و حیا محسوس نہ ہو گی۔ وہ نہ تو کوئی مستقل مزاجی

---

[4] قدیم یونان کا سب سے بڑا بہادر۔ ایکلیز دیوی سپاہ تھا۔ جس نے ٹرائے کی جنگ میں انتہائی اہم حصہ لیا (الیڈ: ہومر دیکھئے) [5] SALT SEA [6] الیڈ 10 - XXIV -

[7] الیڈ 23 XVIII - [8] پرائم ... ایلیم کا بادشاہ ... پیرس کا باپ ... (الیڈ ہومر دیکھئے) [9] الیڈ 414 XXII -

[10] الیڈ 54 - XVIII [11] الیڈ 168 XXII -

[12] الیڈ 433 - XVI

برقرار رکھ سکیں گے۔ اور کسی چھوٹی سی تکلیف پر ہی شکایتوں اور گلوں کے انبار لگا دیں گے۔ ماتم و افسوس پر کمربستہ ہو جائیں گے۔

"یہ بالکل سچ ہے"

"لیکن یہ طریقۂ کار اور دلیل شاید ابھی پیش از وقت ہے۔ اور اس وقت تک ہمیں اسی پر انحصار کرنا ہی پڑے گا۔ جب تک کہ اس سے بہتر نظریہ پیدا نہیں ہو جاتا۔"

"ہاں، ہم یہی کریں گے۔"

"اور یقیناً ہم نوجوانوں کو ہنسی مزاح اور ٹھٹھول کا بھی زیادہ مشتاق نہ ہونے دیں گے۔ کیونکہ حد سے بڑھی ہوئی ٹھٹھول بازی اگر ہو جائے تو اس کا مطلب طرار بازی بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم یہ کسی صورت نہ چاہیں گے۔ کہ ہمارے باوقار کرداروں پر ٹھٹھول بازی اور سستا مزاح غالب آ جائے۔ اور اسی طرح اگر دیوتاؤں کا نقشہ بیان کیا جائے۔ تو ہم اس کی رکاوٹ کریں گے۔"

"ہاں میں بھی اس سے رضامند ہوں۔"

تو پھر ہم ہومر کو دیوتاؤں کے متعلق یہ کہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

"جب دیوتاؤں نے ہیفیسٹس کو ہال میں دوڑ دھوپ کرتے ہوئے دیکھا۔ دیوتا ایک بے ساختہ قسم کی ہنسی میں شریک ہو گئے"[1]

تمہاری دلیل کے مطابق تو ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں۔"

"خوب۔ چلو یہ میری دلیل ہی سہی۔ لیکن ہم ایسے حالات میں ان چیزوں کی اجازت نہیں دے سکیں گے۔" ایڈیمینٹس نے قدرے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم سچائی اور صداقت کو سب سے اعلیٰ اور برتر قدر مانیں گے، اور یہ تو ہم مان چکے ہیں۔ کہ دھوکہ اور فریب دیوتاؤں کے لئے کسی طور بھی مفید نہیں ہے۔ ہاں آدمیوں کے لئے صرف اس صورت میں مفید ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اسے بطور دوائی کے استعمال کریں۔ اور دوائی کے متعلق یہ وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ وہ قابلِ اعتبار شے جس پر ڈاکٹر بھروسہ کرتے ہوں۔ ایک اناڑی کی نصدیق سے ہم کسی چیز کو دوائی نہیں کہہ سکتے ہیں۔"

"ہاں"

"تو ہمارے حکمرانوں کے لئے بھی یہ جائز ہو سکتا ہے۔ کہ وہ دشمنوں یا شہریوں کو مملکت کے مفاد کے لئے دھوکہ دے سکیں۔ لیکن دوسرا کوئی شخص ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہوگا اور اگر کوئی شہری حکمران کے سامنے جھوٹ بولتا ہے۔ تو ہم اس کو اتنے بڑے جرم کا ملزم قرار دیں گے۔ جیسے کوئی مریض اپنے معالج سے غلط بیانی کرے۔ یا کوئی کسرت کرنے والا اپنے معلم سے غلط بیانی کرے اور اسے اپنی جسمانی حالت کے متعلق غلط بتائے۔ یا کوئی ملاح اپنے کپتان سے جہاز سے متعلقہ امور کے متعلق غلط بیانی کرے۔" اب خواہ وہ کاریگر، پیشگوئی کرنے والا، معالج یا ماہر جہاز ساز ہو[2]" ہم اسے مملکت اور جہاز کو نقصان پہنچانے کے جرم میں قرار واقعی سزا کے قابل سمجھیں گے۔

"ہاں اگر ہمارے اندر ہمارے الفاظ کی سی صداقت ہے۔ تو ہم انہیں لازماً سزا دیں گے۔"

"اس کے علاوہ ہم یہ بھی چاہیں گے۔ کہ ہمارے نوجوانوں کو اپنے آپ پر قابو پانا آتا ہو۔ اور اجتماعی طور پر اپنے آپ پر قابو کے معانی یہ نہیں ہیں۔ کہ صرف قوانین کی ہی پابندی کی جائے۔ بلکہ یہ بھی کہ وہ اپنی اُن خواہشوں پر بھی قابو پا سکتے ہوں، جو کھانے پینے، اور مسرتوں کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن میں جنس بڑی ہی طاقتور شے ہے۔"

"میں اس سے متفق ہوں۔"

"یہاں ہم اس چیز کی تصدیق کریں گے جسے ہومر نے ڈیومیڈ (DIOMEDE) کی زبان سے کہلوایا ہے۔

"اے شخص... مت بیٹھو، اور مجھ سے اپنے لئے رمز و کنایہ حاصل کرو۔"[3]

اور اسی قسم کے مصرع کے جو اس کے بعد آتے ہیں۔

"ایکیین افواج آگے بڑھیں، بیباکی اور بہادری سے، خاموشی کے ساتھ اپنے افسروں کی اطاعت کرتے ہوئے"[4]

"ہاں ہم انہیں قبول کریں گے" اس نے جواب دیا۔

"لیکن اس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"تم ۔۔۔ جو دائمی مخمور رہتے ہو، تمہاری آنکھیں کتے کی سی ہیں اور تمہارا حوصلہ کسی ہرنی جیتنا ہے۔"[5]

اور پھر وہ مصرعے جو اس کے بعد آتے ہیں؟ کیا ہم ایسے اشعار کو اپنے افسروں اور کمانداروں کے حوصلے اور کردار کے لئے مناسب سمجھتے ہیں۔ خواہ یہ نثر میں ہوں یا نظم میں؟"

"ہرگز نہیں"

"ہاں۔ اور صرف اس لئے کہ یہ ہمارے نوجوانوں میں ضبط و تحمل پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ علیحدہ بات ہے۔ کہ بعض دوسرے طریقوں سے ایسے مقولے اور اشعار انہیں محظوظ کر سکتے ہیں۔ کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟

"میں تم سے متفق ہوں"

"تو پھر بہتر یہی ہے۔ کہ ہم نوجوانوں کی اس سلسلے میں ہمت افزائی کریں۔ کہ وہ اپنے جذبات کو بے لگام نہ ہونے دیں۔ اور اگر شاعروں کے خیال میں عقلمند ترین انسان کچھ کہتے ہیں تو پھر اس کے لئے شاید بہترین لمحہ وہ ہوتا ہے جب

"میزیں روٹی اور گوشت سے لدی پڑی ہیں۔ اور ایک خادم شراب لے کر پھرتا ہے۔ اور وہ صراحیوں سے انڈیل کر ان کے پیالوں میں ڈالتا جاتا ہے"[6]

اور ان کے متعلق کیا خیال ہے

"کسی انسان کا اس سے بدتر انجام نہیں ہو سکتا، کہ وہ فاقوں کی موت مرے"[7]

اور پھر یہ کہانی ہے۔ کہ زیوس کس طرح اس وقت جاگتا رہا۔ جب تمام دیوتا اور انسان سو رہے تھے۔ اور اس کے ذہن میں کوئی تجویز تھی۔ لیکن وہ جلدی ہی اس منصوبے کو بھول گیا، کیونکہ اس کے دل میں تیز و تند خواہش بیدار ہو گئی تھی۔ وہ دراصل ہیرا دیوی کے حسن و جمال سے متاثر ہو گیا تھا۔ اور فوری طور پر اسی وقت اس کے ساتھ محبت کرنے کا خواہشمند تھا۔ اور وہ دروازے سے بھی اندر نہ جانا چاہتا تھا۔ اور وہ اسے بتانا چاہتا تھا۔ کہ جب وہ پہلے محبت کیا کرتے تھے۔ تو اب اس کے دل میں ہیرا دیوی کے لئے اس سے بھی زیادہ محبت تھی۔ "اپنے والدین کو بھی علم نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔"[8]
پھر اسی طرح کی کئی کہانیاں ہیں، جیسے ہیفیسٹس، دیوی آفروڈائٹ اور ایرس کو پھانستا ہے۔ اور الفیروڈائٹ بھی اسی طرح کی سرگرمیوں میں مشغول نظر آتی ہے۔ ان سب کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ کہانیاں تو انتہائی نامناسب ہیں۔" اس نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"لیکن جب ایک شاعر یا ڈرامہ نگار ہمیں قدیم رسم و رواج کے خلاف بہادر کہانیاں

---

[1] مڈ 599
[2] اوڈیسی 383 XVII
[3] ایلیڈ 412 IV
[4] ایلیڈ 431-IV اور 8 و III
[5] ایلیڈ 225 و I
[6] اوڈیسی 342 و XII
[7] ایلیڈ 294 XIV
[8] ...

اور ڈرامے پیش کرتا ہے۔ تو پھر ان کے لئے ہمیں سامعین اور ناظرین کا انتظام تو کرنا ہی پڑے گا۔ مثلاً جب ہومر ہمیں بتاتا ہے۔ کہ اوڈیسیس نے اپنے سینے کو پیٹا۔ اور "دل کو ہمت کرنے کے لئے کہا۔" اور ساتھ ہی یہ بھی۔

"میرے دل صبر کرو! اس قسم کے جذبوں سے بہتر تھا کہ تم احمق ہوتے"[1]

تو ایسے الفاظ تو ہمیں ضرور سننے چاہیئں۔" اس نے کہا۔

"لیکن ہم یہ ضرور چاہیں گے کہ وہ اپنے کرداروں کو آوارہ گرد اور پاجی بنا کر پیش نہ کرے۔ ہم کسی شاعر کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

"دیوتا نذرانوں سے تسخیر کئے جا سکتے ہیں۔ اور اسی طرح بادشاہ کی شان و شوکت بھی"[2]

"ہم ایکلیز کے معلم فینکس کے اس مشورے سے بھی اتفاق نہیں کریں گے۔ کہ اس نے ایکلیز سے کہا تھا۔ نہ تو وہ اپنی ناراضگی ہی ختم کرے نہ ہی اکیلین فوجوں کی اس وقت تک امداد کرے، جب تک وہ اس کے لئے تحفے تحائف نہ لائیں۔ اور نہ ہی ہم ایکلیز کو سراہیں گے۔ کہ اس نے بادشاہ اگمنان کے تحائف لے لینے کے باوجود ہیکٹر کی لاش کو اس وقت تک واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ جب تک کہ اسے یرغمال نہ دیا گیا ہو"[3]

"ہاں اگر ہم ایسی چیزوں کو سراہتے ہیں۔ تو یہ ہماری بہت بڑی نادانی ہوگی" اس نے کہا۔

"میں نے ان چیزوں کو جلدی جلدی اس لئے کہہ دیا ہے۔ کہ ہومر ان روایتوں کا ذمہ دار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ ایکلیز ایسا نہ تھا۔ اس لئے ایکلیز ایسے بہادروں کے سلسلے میں ایسی باتیں منسوب کرنا بہت بری بات ہے۔ اور جب ہم تک ایسی باتیں پہنچیں تو ہمیں ان پر یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ اس قسم کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ جیسے ایکلیز اپالو دیوتا سے کہتا ہے۔

"اے تیر انداز دیوتا! تم نے مجھے بڑا ہی بے وقوف بنایا ہے۔ اور تم تمام دیوتاؤں میں سب سے زیادہ شر انگیز ہو۔ اگر مجھ میں قوت ہوتی، اگر میرا بس چلتا تو جانتے میں تم سے کیا سلوک کرتا"[4]

پھر یہ کہ وہ دریائے سکمنڈر (SCA MANDER) کی نافرمانی کرتا ہے۔ جو خود ایک دیوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے بالوں کا وہ حصہ کاٹتا ہے۔ جو اس نے پہلے ہی دریائے سپرکیس کی نذر کیا ہوا تھا۔ اور اسے "مردہ آقا پٹروکلس"[5] کی نذر کر دیتا ہے۔ ہم اس قسم کی روایتوں پر بالکل یقین نہیں کریں گے۔ اور ہم انہیں اسی طرح غلط سمجھیں گے۔ جو ہیکٹر کی لاش کو گھسیٹنے کے متعلق مشہور ہے۔ یا یہ کہ اسے پٹروکلس کے مقبرے کے اردگرد گھسیٹا گیا، اور اس کے معبد پر قیدیوں کو قتل کر دیا گیا۔[6] حقیقت کے مدنظر، ہم کبھی بھی اپنے شہریوں کو یہ منوانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، کہ ایکلیز، جس کی ماں دیوی تھی، اور جس کا باپ پیلوس، بڑا ہی مستحکم مزاج، اور مضبوط ارادے کا مالک تھا۔ اور جو زیوس کا پوتا تھا۔ اور جو کیرون CHIRON کے تمام علموں میں سے ذہین تھا۔ اس ایکلیز میں ضبط و تحمل کا مادہ نہ تھا۔ اور اس کے اندر اتنے بڑے تضادات کار فرما تھے۔ اور وہ اتنا غلط کار تھا۔ کہ وہ لوگوں کی لاشوں کو گھسیٹتا تھا۔ اور وہ بھی صرف روپے کے لالچ میں۔ اور اتنا بغض و عناد دیوتاؤں اور انسانوں کے متعلق اپنے دل میں رکھتا تھا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے اتفاق کیا۔

"اسی طرح ہم نہ تو پوسیڈن دیوتا کے بیٹے تھیسیوس کے خوفناک انتقاموں کی کہانیوں کی تشہیر کی اجازت دیں گے اور نہ ہی ان پر یقین کریں گے۔ اور نہ ہی پر تھیسیوس جو زیوس کا بیٹا تھا اس کے متعلق غلط کہانیوں پر یقین کریں گے۔ اور نہ ہی اُن کہانیوں کو پھیلنے دیں گے۔ جو دیوتاؤں کے بیٹوں یا خود اُن کے متعلق مشہور ہیں۔ اور ہم اپنے شاعروں کو وہ قصے کہانیاں بھی تراشنے کی اجازت نہیں دیں گے جن میں وہ دیوتاؤں کے بیٹوں کے متعلق شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں، کہ اُن کی یہ پیدائش مشکوک اور مشتبہ ہے۔ ہم اس قسم کی باتیں برداشت نہیں کریں گے۔ اور انہیں بھی نوجوانوں کو یہ ترغیب دینے کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ دیوتا برائیوں کا منبع اور سرچشمہ ہیں۔ اور یہ کہ بہادر (ہیرو) عام آدمیوں سے بہتر نہیں ہیں۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ اور ہم اس سلسلے میں پہلے اتفاق کر چکے ہیں، کہ دیوتاؤں میں قطعی طور پر شر کا شائبہ نہیں ہوتا۔"

"بے شک"

"اس سے بھی علاوہ ایک اور بات ہے۔ یہ جھوٹ انتہائی مضر اور خطرناک ہیں اس لئے جو انہیں سنے گا۔ وہ اپنے کام میں تیزی اور مستقل مزاجی برقرار رکھنے کی وجہ سے اپنی توقعات پر پورا نہ اتر سکے گا۔ اس طرح وہ دیوتاؤں کے باہمی تعلقات کے متعلق مشکوک ہو جائے گا۔ اور ان کا اعتقاد اُٹھ جائے گا۔ جن کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ

"زیوس کے قرابتداروں کو،
موروثی طور پر تقدس و عزت ملی ہے،
اور انہوں نے معبد کی شان کو بلند کیا ہے۔

اور جن کی رگوں میں

"اب بھی دیوتاؤں کا خون دوڑ رہا ہے۔"[7]

"ہم اس قسم کی تمام کہانیوں کا خاتمہ کریں گے۔ تاکہ یہ ہمارے نوجوانوں میں بری عادات پیدا نہ کر سکیں۔"

"یقیناً ہمیں ایسا کرنا ہی پڑے گا۔"

"ابھی تک ہم نے جو گفتگو کی ہے۔ وہ اُن امور سے متعلق ہے۔ جو دیوتاؤں، دیوتا صفت لوگوں، بہادروں اور حیات بعد الممات سے متعلق ہے۔ اگر ہم سے پوچھا جائے۔ کہ کس قسم کا ادب ابھی باقی ہے۔ تو ہمارا جواب یہی ہوگا۔ کہ ابھی وہ ادب باقی ہے جو انسانوں کی عکاسی کرتا ہے۔ یا انسانوں کو اپنا موضوع بناتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو"

"لیکن ہم ابھی اس موضوع کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکتے ہیں۔"

"بھلا وہ کیوں؟"

"کیونکہ میرے خیال میں جب ہم اس موضوع کی گہرائی میں جائیں گے تو ہمیں پتہ چلے گا۔ کہ شاعروں اور قصہ گوؤں نے بڑے ہی غلط خیالات اور آراء کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً وہ بتاتے ہیں کہ بے انصاف آدمی دنیا میں خوشحالی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور عادل اور منصف بڑی تنگی اور بدبختی کی زندگی گزارتے ہیں۔ پھر یہ کہ برائی کرنے کا عموماً فائدہ اپنی ذات کو پہنچتا ہے۔ لیکن بھلائی کی بھی جائے تو اس کا فائدہ اپنی ذات کو نہیں پہنچتا۔ ہمیں ایسی باتوں کو پھیلنے سے روکنا ہی پڑے گا۔ اور ہم اُن کی

---

[1] اوڈیسی ۱۷-XX [2] قدیم یونانی کہاوت ہے۔ [3] اس کی تفصیلات کے لئے ایلیڈ دیکھئے۔ IX 515 اور 278- XIX۔ [4] ایلیڈ 20-15-XXII

[5] ایلیڈ - ۱۴۰ و XXIII — 130 XXI -

[6] ایلیڈ دیکھئے۔ 175 XXIII اور 14 XXIV

کہانیوں اور نظموں کو سراہیں گے، جو اس کے بالکل مخالف نظریئے کے اخلاق کی حامل ہوں۔ کم نہ اس سے رضامند ہو؟"

"ہاں میں قطعی مطمئن ہوں۔ کہ تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔"

"خوب ہو گیا تم میرے ساتھ متفق ہو۔ تو کہ ہماری اس رضامندی کو بھی دعویٰ کی صورت نہیں دے سکتا۔ جو مجھے اس بحث اور تبادلۂ خیالات کے سلسلے میں حاصل ہوئی۔"

"ہاں تمہارا دعویٰ کافی وزنی ہے۔"

"لیکن میرے خیال میں ہمیں ابھی اس امر پر متفق نہیں ہونا چاہیئے۔ جو انسانی زندگی کے متعلق ہے۔ اور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ہم اس پر تبھی کچھ کہہ سکیں گے۔ جب ہم انصاف کی صحیح تعریف کر سکیں گے اور ساتھ ہی اُن مفادات کی بھی نشاندہی کر سکیں گے جو اس شخص کو ملتے ہیں۔ جو انصاف کو اپنے ذہن میں رکھتا ہے اور اس کا اندازہ عموماً ظاہری نہیں ہوتا ہے۔"

"بالکل سچ"

نوٹ:۔ مسٹر ... کے حوالے سے افلاطون ادیب فی خیر کو تمام احمد اور عوامل کے حوالے سے سامنے لانا چاہتا ہے اور وہ ہے۔ انصاف اور انصاف کی صحیح تعریف۔ (مترجم)

(ج) دیگر ضروریات

"اچھا تو جہاں تک ادیب کے مواد کا معاملہ ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا۔ کہ اسے کس طرح پیش کیا گیا ہے۔ اور اس طرح ہم اس کے مضامین اور اسلوب سے واقف ہو جائیں گے۔"

میرے اس فقرے پر اڈیمنٹس نے کہا کہ وہ میرا مطلب نہیں سمجھا ہے۔ "اچھا تو میں وضاحت کرتا ہوں" میں نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں تم اس طرح میرا مفہوم سمجھ جاؤ گے ہر ایک کہانی یا نظم ان مسائل اور مواد سے متعلق ہوتی ہے۔ جن کا ماضی، حال یا مستقبل سے تعلق ہوتا ہے۔ کیا یہ درست ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے"

"اور اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس کو بیانیہ انداز یا نمائندہ طریقہ یا دونوں کے مخلوط۔۔۔ وامتزاج سے کام لینا پڑتا ہے۔"

"مجھے اب بھی تمہاری بات کا مطلب واضح نہیں ہو سکا۔"

"میرا خیال ہے۔ اگر تم میرے خیالات کی پراگندگی کی ہنسی اڑا رہے ہو" میں نے کہا "اب میں ایک عملی مثال کے ساتھ، ایک اناڑی لیکچرر کی طرح اپنے مقصد کی وضاحت کرتا ہوں تمہیں ایلیڈ کا آغاز تو یاد ہو گا۔ جہاں شاعر کہتا ہے کہ قریسیس[1] بادشاہ اگممنان کے سامنے التجا کرتا ہے۔ کہ وہ اس کی بیٹی کو رہا کر دے، اور جب اگممنان ناراض و خشمگیں ہو کر اس کی درخواست نامنظور کر دیتا ہے تو پھر قریسیس بددعا دیتا ہے۔ کہ دیوتاؤں کا غضب وعتاب یونانیوں پر نازل ہو۔"

"ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے"

"اور پھر یہ الفاظ آتے ہیں"

"اس نے یونانی افواج کے سامنے درخواست کی، اور سب سے زیادہ منت و عاجزی اس نے دونوں کمانڈروں آٹریس کے بیٹوں کے سامنے کی۔"

---

[1] CHRYSES [2] ایلیڈ 1,15۰

انصاف ایک اعلیٰ
اور عمدہ صفت
اور
بے انصافی ایک ادنیٰ اور
بُری صفت ہے

یہاں شاعر اپنی ذات کے واسطے سے ہمیں مطلع کر رہا ہے۔ اور ایسی کوئی کوشش نہیں کرتا کہ جس سے وہ ہمیں یہ ترغیب دے سکے۔ کہ یہاں مقرر اس کے سوا کوئی اور شخص ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ قریسیس کی ذات و کردار کے حوالے سے بات کرتا ہے۔ اور یہاں وہ اپنی طرف سے بہترین کوشش کرتا ہے۔ اور یہ بات ہومر نے نہیں کی۔ بلکہ یہ ایک معمر راہب بول رہا ہے۔ اور یہ وہ طریقہ ہے جس سے اُس نے ایلیڈ اور اوڈیسی کو ایک اسلوب دے کر ہمیں بیانیہ انداز دیا ہے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے" اُس نے جواب دیا۔

"تو گویا اس کے اسلوب میں دونوں قسم کی باتیں شامل ہیں، یعنی مکالمے اور گفتگو بھی، اور پیرے بھی، کیا یہ ٹھیک ہے؟"

"بالکل"

"جب وہ کسی دوسرے شخص کی زبان سے بولتا ہے۔ تو کیا ہم یہ نہیں کہتے ہیں۔ کہ اصل مصنف سے اپنی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ کہ وہ اپنے کردار کے اطوار، طرزِ گفتگو اور سکنات و حرکات کو پیش کرے تاکہ ہمیں یقین ہو جائے۔ کہ یہاں اس کا کردار اپنے کیفیت و انداز میں پیش ہو رہا ہے۔"

"خوب۔ تو گویا ایک شخص کو اس کی گفتگو اور اطوار سے بھرپور اور حقیقی انداز میں پیش کرنا وہ طریقۂ کار ہے۔ جسے ہم "نمائندہ" کہتے ہیں۔ کہ یہی وہ شخص ہے۔ جو اصل میں گفتگو کر رہا ہے؟"

"بالکل یہی بات ہے"

"تو پھر یہی وہ اسلوب ہے جس سے کام لے کر ہومر اور دوسرے شاعروں نے اپنے بیانیہ میں کرداروں کو پیش کیا ہے۔"

"ہاں میں سمجھ گیا"

"بلاشبہ، اگر شاعر یہی سعی کرتا ہے۔ کہ وہ کسی دوسرے کی ذات میں مدغم نہ ہو، اور اپنی ذات کو پیش کرے تو اس کا اسلوب اور بیان ایک نمائندگی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ لیکن کسی ممکنہ غلط فہمی سے بچنے کے لئے میں بتاتا ہوں۔ کہ وہ کیا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ فرض کرو کہ ہومر یہ بیان کرنے کے بعد کہ قریسیس کی طرح اپنی لڑکی کے یرغمال کے ساتھ یونانی لوگوں کے پاس آیا یا بادشاہوں کے پاس گیا۔ اور اس سے یہ ظاہر ہو۔ کہ قریسیس نہیں بلکہ ہومر ہے۔ تو ہم اسے صرف بیانیہ ہی کہیں گے۔ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ایک کردار اپنے آپ کو خود پیش کر رہا تھا۔ اپنی نمائندگی خود کر رہا تھا۔ اور وہ تحریر کچھ اس طرح ہوتی (اور چونکہ میں شاعر نہیں ہوں اس لئے نثر میں ہی بیان کروں گا۔) راہب یونانی لوگوں کے سامنے آیا۔ اور اس نے دعا کی کہ دیوتا انہیں ٹرائے پر فتح دلائیں۔ اور وہ اپنے گھروں میں امن و امان سے لوٹ سکیں۔ اس کے بعد اس نے منت کی۔ کہ یونانی دیوتاؤں سے اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کریں کہ وہ اس سے یرغمالے کر اس کی بیٹی کو رہا کر دیں۔ کئی لوگوں نے اس کی درخواست منظور کی اور اس پر

رضامندی کا اظہار کیا لیکن اگممنان اس سے خفا ہو گیا۔ اور اسے کہا۔ کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ اور پھر کبھی واپس نہ آئے۔ اور اگر اس نے ایسا کیا۔ تو پھر اس کا شاہی عصا اور تاج و تخت اس کی حفاظت کے ذمے دار نہ ہوں گے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ وہ اس وقت اس کی لڑکی کو آزاد نہ کرے گا۔ جب تک آرگوس میں جا کر اس کی لڑکی عمر نہ ہو جائے۔ اور یہ کہ اگر وہ اپنے گھر اس دامان سے جانا چاہتا ہے۔ تو ابھی چلا جائے اور اسے تنگ نہ کرے۔ یہ بوڑھا آدمی اگممنان کی باتیں سن کر خوفزدہ ہو گیا اور بغیر کچھ بولے واپس لوٹ گیا۔ لیکن جب وہ فوجوں کے ڈیرے سے باہر نکل گیا۔ تو اس نے پورے خلوص اور احترام کے ساتھ اپالو دیوتا کو اس کے تمام اعزازات اور خطابات سے پکارنا شروع کر دیا۔ اور دیوتا اپالو کو اپنی تمام خدمات یاد کرائیں۔ جو اس نے مندر کی تعمیر اور قربانی، اور نذرانے پیش کرتے ہوئے بجا لائی تھیں۔ اور اس کے بعد اس نے اپالو دیوتا سے دعا کی۔ کہ وہ اس کے آنسوؤں کے بدلے میں یونانی والوں سے اپنے تیروں سے انتقام لے۔

اور اس طرح یہ پیرا ایک سادہ بیانیہ صورت میں لکھا جاتا۔ اور کسی کردار کی اپنی نمائندگی اس میں شامل نہ ہو سکتی تھی۔

" خوب " اس نے جواب دیا۔

" اچھا تو اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس سے مختلف اسلوب وہ ہے۔ جہاں شاعر اسی مواد کو گفتگو اور مکالموں کی صورت میں پیش کرتا ہے

" ہاں میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ اس نے جواب دیا۔ اس کی مثال ہم المیے سے بھی دے سکتے ہیں۔ "

" ہاں۔ بالکل ٹھیک، اور اب میں سمجھتا ہوں۔ کہ میں پہلے جس بات کو واضح کرنے میں ناکام رہا تھا۔ وہ بالکل واضح ہو گئی ہے۔ شاعری اور ادب کی تین قسمیں یا اسلوب ہیں۔ (۱) جس میں صرف کردار اپنے آپ کو خود پیش کرتے ہیں۔ اپنی نمائندگی خود کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر طربیہ اور المیہ۔ (۲) جس میں شاعر خود اپنی ذات کو پیش کرتا ہے۔ اور شاعر اپنی طرف سے سب کچھ بیان کرتا ہے۔ اس کی بہترین مثال نغمیہ شاعری ہے۔ تیسری قسم وہ ہے۔ جہاں شاعر ان دونوں اسلوبوں کو استعمال کرتا ہے۔ اور ان کے امتزاج سے فن پارے کی تشکیل ہوتی ہے۔ جس کی مثال رزمیہ اور دوسری اقسام کی شاعری ہے۔ کیا اب میری بات واضح ہو گئی۔

" ہاں اب میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ کہ پہلے تم کیا بات سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔" اس نے جواب دیا۔

" اچھا تو اب ہمارے سامنے مسئلہ یہ ہے۔ کہ کیا ہم اپنے شاعروں کو انہیں دو لیے اسلوب میں کرداروں کی نمائندگی پیش کر سکتے ہیں ؟ اگر وہ ایسا کرنے کے مجاز ہوں۔ تو کس حد تک ؟ اور کس مقصد کے لیے ؟ یا ہم انہیں اس کی قطعی ممانعت کر دیں "

" میرا شبہ ہے۔ کہ تم اس امر پر کچھ کہنا چاہتے ہو۔ کہ ہماری ریاست میں المیہ اور طربیہ لکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ " اس نے کہا۔

" ہو سکتا ہے میرا مطلب یہی ہو، اور نہ بھی ہو ؟ کیونکہ میں خود ابھی تک اپنے مطلب سے آگاہ نہیں ہوں۔ بہرحال دلائل ہمارے سامنے ہیں۔ اور مسئلہ بھی .. اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ ہمیں کس طرف لے جاتا ہے۔ "

" ٹھیک ہے "

" اچھا تو ایڈمنٹس، تمہارے خیال میں ہمارے نگہبانوں کو ایک ہی وقت اور ایک ہی ذات کے ساتھ کئی کرداروں اور کاموں کو کرنے کی اجازت ہو گی یا نہیں ؟ یا وہ اس قابل ہوں گے کہ مختلف کرداروں کو ادا کر سکیں ؟ ہاں اس سلسلے میں یہ یاد رہے۔ کہ ہم ایک اصول پہلے وضع کر چکے ہیں کہ ایک آدمی ایک ہی کام کو بخوبی سرانجام دے سکتا ہے اور اگر وہ ایک کام کی بجائے کئی کاموں کو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اس کی کارکردگی کی تقسیم کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ وہ کسی کام کو بھی نہ کر سکے گا اور اپنی کوشش میں ناکام رہے گا؟"

" ہاں تمہاری یہ دلیل نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ "

" تو کیا یہی بات " نمائندگی " پر اطلاق نہیں کر سکتی ؟ اور یہ کہ ایک آدمی مختلف کرداروں کو اس خوبی سے ادا نہیں کر سکتا۔ جس خوبی سے ایک کردار کو ؟ "

" یہ بھی ٹھیک ہے۔ "

" تو پھر وہ اس قابل نہ ہو گا۔ کہ اگر وہ ایک " مشاقانہ " کردار۔ جتنا چاہتا ہے۔ تو مختلف کرداروں کو بھی کھیل سکے۔ اسی طرح مصنفوں پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ ان دونوں متعلقہ صنفوں میں " نمائندگی " کے اسلوب میں المیہ یا طربیہ لکھ سکیں۔ تم یہ قربان ہی چکے ہو کہ یہ دونوں صنفیں نمائندگی کرنے والے اسلوب ہیں۔ اب تیسرے سوال کا جواب اسی امر کو مدنظر رکھ کر دو۔

" نہ ہو سکے گا۔ نہ ایک شخص ان دونوں چیزوں کو سہی لکھ سکتا "

" اور پھر ایک ہی شخص ایک وقت میں گویا اداکار نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی طربیہ اور المیہ کا اداکار ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ان دونوں میں اداکاری کر سکے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں اور اصناف نمائندگی کے اسلوب میں۔"

" یہ سچ ہے۔ "

" اس طرح تو ہم انسانی فطرت کو اور طرح ہی تقسیم کرتے۔ یہ بات ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ ایک شخص کے لیے کسی کردار ادا کرنا ناممکن ہے جو۔ یہ واقعہ حقیقی زندگی میں پیش آئے یا وہ سٹیج پر کسی کردار کی نمائندگی کرے۔ "

" یہ بالکل درست ہے۔ "

" لیکن ہم اس سلسلے میں مان چکے ہیں کہ ہمارے نگہبانوں کو ان تمام سانحوں اور محنت و مشقت کے کاموں سے آزاد رہنا چاہیئے۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم حصہ یہی ہے۔ کہ وہ مملکت کی حفاظت کے لئے دوسرے ہر قسم کے فرائض سے سبکدوش ہو جائیں۔ اور وہ اپنے مخصوص فرائض کے لئے اپنی تمام تر کوششیں اور طاقتیں صرف کر دیں۔ اس لئے کہ جس ادب میں اپنا کردار اجاگر کرنا ہے یا زندگی میں، تو میرے خیال میں ان کے ابتدائی سالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں جرأت، مستقل مزاج، آزاد مذہبی اصولوں کا نمونہ بننا ہو گا۔ تاکہ وہ اپنے صحیح اور اصلی فرائض کی انجام دہی میں غلطی نہ کر سکیں۔ ایک بات اور قابلِ ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم ادب سے چھوٹی عمر میں ہی اتنا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ کہ وہ انسان کی اخلاقی فطرت پر اپنی چھاپ ہمیشہ کے لئے برقرار رکھتا ہے اور اس سے نہ صرف انسان کا ذہن بلکہ جسمانی طاقت اور اس کے اطوار پر بھی دور رس اثرات ثبت ہو جاتے ہیں۔[1] "

" یہ بالکل درست ہے " اس نے جواب دیا۔

" تو پھر جب اخلاقی بہبود کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو ہم اپنے نگہبانوں کو کبھی یہ اجازت نہ دیں گے۔ کہ وہ مرد ہوتے ہوئے، نوجوان یا بوڑھی عورتوں کا سوانگ بھریں۔

---

[1] افلاطون نے یہاں بات کو بہت ہی نازک اور ابہام انداز سے پیش کیا تھا۔ اور یونانی میں جو اس کا لب و لہجہ تھا۔ اس کے لئے کوئی زبان بھی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اسے قدرے بدل کر ترجمہ کیا گیا ہے یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ وہ اثرات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ افلاطون کی نظر میں ان کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف ڈرامہ دیکھنے سے بھی ان اثرات کا شکار ہو جاتا ہے۔"

(مترجم)

نہ تو وہ ایسے کردار ادا کریں، جن میں بیویاں اپنے شوہروں کو بُرا بھلا کہتی ہیں، اور نہ ہی انہیں آسمانی دیوتاؤں کے خلاف لڑتے جھگڑتے دکھا سکتے ہیں۔ جب وہ سخت پرجوش یا رنجیدہ نظر آتے ہیں۔ اور اس کو قسمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم عورتوں کو محبت، بیماری اور بچے کو جنتے ہوئے دکھانے یا ان کی نمائندگی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"ہاں ہم اس قسم کی باتوں کی قطعی طور پر مخالفت کریں گے۔ اور اس کی قطعاً ممانعت ہوگی۔"

"اور پھر یہی بات غلاموں کے لئے بھی صحیح ہے .... خواہ وہ مرد ہو یا عورت جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کر رہے ہوتے ہیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔"

"اور پھر بُرے اور بزدل کردار، جن کا رویّہ ہمارے لئے پسندیدہ نہیں کیونکہ ہم اس سے قطعاً مختلف رویّے کا مطالبہ کرتے ہیں۔" پھر وہ طربیہ اور مزاحیہ اداکاری، جن میں گپیں، فقرے بازیاں اور گالیاں ہوتی ہیں، جن میں انسان کو بڑا متین یا شرابی دکھایا جاتا ہے۔ اور ایسی باتیں کہی یا کی جاتی ہیں۔ جن سے خود ان کی ذات اور ہمسایوں کو بھی الزام آ... ہے۔ اسی طرح میرا خیال ہے۔ کہ ہم کسی پاگل کے کردار اور حرکات کو بھی برداشت نہ کریں گے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کئی لوگ بُرے اور پاگل ہیں۔ لیکن ہم ان کی نمائندگی، ڈرامے یا شاعری میں پیش کرنے کی اجازت نہ دیں گے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔"

"تو کیا ہم اس کو برداشت کریں گے۔ جہاں ہمارے لوہاروں یا کاریگروں کو کام کرتے دکھایا جائے، یا قومی سپہ سالاروں کی نمائندگی اور عکاسی کی جائے؟"

"ہرگز نہیں، کیونکہ یہ پیش کرنے والے، جو ان کرداروں کی نمائندگی کرتے ہیں، اُن کا یہ اصل پیشہ نہیں ہے۔ اور اس سے ہم کبھی نہیں چاہیں گے۔ کہ ہمارے نگہبان ان سے رہنمائی حاصل کر کے غلط راستوں پر لگیں۔ یا ان پر توجہ ہی دیں۔"

"اور پھر ان چیزوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ ہنہناتے ہوئے گھوڑے، ڈکارتے ہوئے بیل اور دریا سے اُبھرتی اور چھینٹیں اُڑاتی ہوئیں، سمندروں کی گھن گرج اور بجلیوں کی کڑک ...... اور ایسی چیزیں۔"

"ہم ایسی چیزوں کو جو مجنونانہ ہوں اور جو مجنونانہ چیزوں کی نمائندگی کرتے ہوں، ان کی ممانعت کر چکے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے، کہ ایک اچھا آدمی جب کوئی بات بیان کرنا چاہے گا، تو وہ اپنی ذات سے متعلق اچھے آدمیوں کا ذکر کرے گا۔ اور اپنی ذات کے مخالف انسان کے افعال کے ذکر سے گریز کرے گا۔ کیونکہ وہ ایسے آدمی کی سرگرمیوں اور افعال سے قطعاً بے خبر ہوتا ہے۔"

"اس کی وضاحت کرو۔"

"اس سے میرا مطلب ہے۔ کہ جب ایک نفیس آدمی دوسرے اچھے آدمی کو پیش کرنا چاہے گا۔ تو وہ اپنی ذات سے بلند ہو جائے گا۔ وہ ایسے آدمی کا ذکر اچھے طریقے سے نہیں کر سکتا۔ جو اس کے مخالف صفات کا حامل ہو۔ اسے اس کی نقل کرتے، اس کی اداکاری اور نمائندگی کرتے وقت شرم و ندامت محسوس ہوگی۔ ہاں وہ اس بُرے آدمی کے بھونڈے پن سے اچھے کاموں کی ضرور نقل اتار سکتا ہے۔ وہ بُرے آدمی کے غلط کردار کی نقل نہیں اتار سکتا۔ کیونکہ اس کے اپنے معیار سے کم تر ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اسے ایسے لوگوں کی نقل اور اداکاری کرنے کی مہارت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ایسے کرداروں کے لئے ایک مثال یا نمونہ نہیں بن سکتا ہے۔ جن کے متعلق اس کا اپنا فیصلہ یہ ہو۔ کہ یہ اس کے اپنے معیار سے کم تر ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ کبھی صرف تفنن طبع کے مقصد کے لئے ایسا کرے۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"ایسی صورت حال میں وہ صرف بیانیہ انداز ہی اختیار کر سکتا ہے جس کے متعلق ابھی کچھ عرصہ ہوا ہم نے ہومر کے رزمیئے کی وساطت سے گفتگو کی تھی۔ یا وہ ایسی صورت حال میں بیانیہ اور نمائندگی کا امتزاج پیش کرے گا۔ لیکن یہ ایک بدیہی امر ہے۔ کہ وہ نمائندگی کے کام کو اختصاراً ہی پیش کر سکتا ہے۔ کیا میری رائے غلط ہے؟"

"نہیں .... بلکہ وہ اسی طرح سے ہی اپنے خیالات کا اصلی اور صحیح اظہار کر سکتا ہے۔"

"اسی طرح دوسری قسم کے انسان بھی اپنے اپنے معیار کو برقرار رکھیں گے۔ اور اس سے کمتر نہیں ہوں گے۔ اور وہ عوام کے سامنے وہی چیزیں پوری سنجیدگی اور ذمہ داری کے ساتھ پیش کریں گے۔ جن کا ہم ابھی ذکر کر رہے تھے۔ ہم اس کے علاوہ بجلی کی کڑک، ہوا کا شور، کلہاڑے (AXELES) دھرے اور پہیے، ڈھولوں کی آواز، بیگ پائپ، اور وسیلوں کی اجازت دیں گے۔ اور اس کے علاوہ ہر قسم کے سازینے کی۔ اور کتوں کا بھونکنا بھیڑوں کی مَیں مَیں .... اور پرندوں کی چہچہاہٹ .. یہ تمام چیزیں آواز اور اشاروں کے ساتھ پیش کی جاسکیں گی۔ لیکن یہاں بیانیہ کا حصہ بہت کم ہوگا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"اچھا تو پھر اظہار کے لئے یہ دو اسلوب ہیں، جن کا میں نے حوالہ دیا ہے۔"

"ہاں، میں اس سے متفق ہوں۔"

"اور پھر ان دونوں ذریعۂ اظہار میں سے ایک تو خاصا پابند ہے۔ اس میں موسیقی، موڈ اور لے سُر کا بہت کم حصہ ہوگا۔ اور اس کی بہت کم ضرورت محسوس ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر اس کو صحیح پیمانے سے شروع کیا گیا۔ تو پھر آخر تک یہی درستگی اور سلاست اس میں برقرار رہ سکے گی۔ کیونکہ اس اسلوب کی ترتیب و ربط ہی اس کی اصلی سُر اور لے ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے۔"

"لیکن دوسرے طریقۂ اظہار اور اسلوب کے لئے کئی مقتضیات کی ضرورت درپیش آئے گی۔ اس میں ہر قسم کے موڈ، اور ہر قسم کے ساز و سُر کی ضرورت درپیش آئے گی۔ کیونکہ ہم اس میں مناسب اظہار چاہیں گے۔ اور اس کے لئے اس کی مقتضیات لامحدود ہیں۔"

"یہ بھی سچ ہے۔"

"لیکن کیا شعراء اور مصنفین ان دونوں اسلوبوں اور ذریعۂ اظہار سے کام نہ لے سکیں گے، میرا مطلب ہے کیا وہ ان کی ہم آہنگی سے ایک نیا اور اعلیٰ امتزاج پیدا نہ کر سکیں گے؟"

"ضرور۔"

"اچھا تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔" میں نے پوچھا "کیا ہمیں ان دونوں اسلوبوں کو ماں لینا چاہیئے۔ اور ان کے امتزاج کو بھی، یا ان میں سے کسی ایک کو چننا چاہیئے؟"

"میری رائے تو اس اسلوب کی طرف جائے گی، جس میں اچھے آدمی کو پیش کیا جائے گا۔"

"پھر بھی ایڈمنٹس!" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ان دونوں اسلوبوں کا امتزاج ہی بڑا حسین ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ کہ تم نے جس اسلوب کو منتخب کیا ہے۔ اس کا مخالف اسلوب بھی، بچوں اور آیاؤں اور عام لوگوں کے لئے بڑا مسرور کن ہے۔"

"ہاں اگر صرف ان کا مقصد مسرت حاصل کرنا ہی ہے تو۔"

"لیکن شاید تم یہ سمجھو گے۔ کہ یہ اسلوب ہماری ریاست کے لئے ناخوشگوار ثابت

ہوگا۔ کیونکہ یہاں ایک آدمی ایک وقت میں صرف ایک کام ہی کرے گا۔ اور وہ زیادہ کام نہیں کرسکتا"

"یقیناً یہ انتہائی غیر مفید اور ناخوشگوار ثابت ہوگا۔"

"تو پھر ہماری ریاست ایسی ہوگی جہاں ہم (مثال کے طور پر) موچی کو جوتے سازی کا کام کرتے ہی دیکھیں گے۔ اسے کسی اور کام سے مناسبت نہ ہوگی اور کسان صرف کھیتی باڑی ہی کرے گا، اس کا عدالتی کاموں سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور سپاہی صرف اپنے ہی فرائض سرانجام دے گا۔ وہ کسی کا روبار کو نہ کرسکے گا؟"

"ہاں"

"لیکن فرض کرو، کہ اگر ہماری ریاست میں کوئی ایسا شخص آجائے یا مل جائے، جس میں اتنی ذہانت ہو۔ کہ وہ اپنے آپ کو ہر قسم کے کرداروں میں منتقل کرسکے۔ اور ہر قسم کی چیزوں کی نمائندگی کرسکے۔ اور وہ ان تمام کا مظاہرہ کرنا چاہے۔ اور وہ اپنی تمام نظمیں سنانا چاہے۔ تو ہم اس شخص کے ساتھ وہی سلوک کریں گے۔ جو کسی راہب اور مذہبی رہنما کے لئے ہوتا ہے۔ اور اسے ایک ایسی خوشی بخشنے والا شخص کہیں گے، جو نادر ذہانتوں اور مسرتوں کا مالک ہو۔ لیکن کیا اس کے بعد ہم اسے یہ بتائیں گے۔ کہ اس کے لئے ہمارے شہر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لئے ہمارا قانون اجازت نہیں دیتا ہے۔ اور اسے عزت و اعزاز بخش کر، خوشبوؤں سے نہلا کر، تاج پہنا کر، کہیں اور بھیج دیں گے کیونکہ ۔ ہمارے لئے شاعر ہی کافی ہیں۔ جن کے لئے یہ قید اور پابندی ہے۔ کہ وہ صرف اچھے پہلوؤں کی عکاسی کریں۔ اور اُن اصولوں پر عمل کریں۔ جو ہم نے ان کے لئے وضع کئے ہیں۔ وہی اصول جو ہم نے اپنی بحث کے دوران میں اپنے "طبقہ افواج" کی تعلیم کے سلسلے میں وضع کئے دیں ہیں؎"

"ہاں اگر ہمیں انتخاب کا موقعہ دیا گیا۔ تو ہم اسی طرز کو چنیں گے۔"

"میرا خیال ہے، کہ ہم نے ادب کا بھی جائزہ لے لیا ہے جس کی ہمیں اپنی نئی تعلیم و تربیت کے لئے ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم نے جہاں مواد اور موضوع پر بحث کی ہے۔ وہاں اس کے اسلوب اور فنی خصوصیات پر بھی ایک رائے قائم کرلی ہے۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

اگر حالات
مناسب نہ ہوں تو پانگے
آدمی سے مستعار لی ہوئی چیز واپس نہ کی جائے۔

نوٹ:

اگلے حصے میں افلاطون نے موسیقی کے بارے میں بحث کی ہے۔ اسے پرانی اخذ کردہ بنیادوں سے ہی جانچا گیا ہے۔ یونانی موسیقی کو وسیع پیمانے پر گیت کا ہی ایک لازمی حصہ اور جزو سمجھا جاتا تھا یعنی گیت ـــ اور موسیقی کا آپس میں اٹوٹ سمبندھ تھا۔

یہاں ایک خاص امر قابل ذکر ہے کہ یونانی موسیقی کی تکنیک کو ابھی مکمل طور پر سمجھا نہیں جاسکا ہے۔ (س۔ط)

؎ یہاں یہ اظہار ہوتا ہے کہ نگہبانوں کا فوجی فرض نوج سے ہی کا واسطہ ہے۔ اگرچہ یہاں ان کی تعلیمی ضروریات سے بحث ہو رہی ہے۔ بعد میں افلاطون نے شاعری کی ان تمام اصناف کو ریاست سے خارج کر دیا ہے۔ جن پر اُسے کسی قسم کا اعتراض تھا۔ (س۔ط)

کتاب چہارم

"میرے خیال میں ابھی گیتوں، اور موسیقی کی مختلف اصناف پر تبادلۂ خیالات باقی رہ گیا ہے۔" میں نے بات جاری رکھی۔ "اور میرا خیال ہے۔ کہ اس سلسلے میں ہر شخص کو علم ہو چکا ہوگا۔ کہ ہمارے کیا مطالبات ہیں۔ اور ہمیں اس سلسلے میں کون سا اصول وضع کرنا چاہیے"

گلکن زور سے ہنسا اور بولا۔ "مجھے ڈر ہے۔ کہ میں اُن لوگوں میں اپنے آپ کو شامل نہیں کرسکتا ہوں۔ جسے تم نے "ہر شخص" کہا ہے۔ اور اس وقت میں کوئی مشورہ بھی نہیں دے سکتا ہوں۔ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میرا ذہن بعض شکوک سے خالی نہیں ہے۔"

"اچھا تو میرے خیال میں تم اس پر تو متفق ہوگے۔ کہ ایک گیت میں تین بنیادی چیزیں ہوتی ہیں اور وہ عناصر الفاظ، موڈ اور اوزان و بحور" (وزن اور بحر)

"ہاں، میں اس سے قطعی متفق ہوں۔"

"تو جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے۔ ہم یہاں بھی انہیں اصولوں کا اطلاق کریں گے جو موسیقی کے لئے مناسب نہ ہوں، اپنی تشکیل اور مواد کے اعتبار سے ...."

"یہ سچ ہے"

"اور یقیناً وزن، بحر اور موڈ کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے۔"

"یقیناً"

"لیکن ہم پہلے ہی نوحوں اور مرثیوں اور ماتمی گیتوں کی ممانعت کر چکے ہیں۔ ٹھیک ہے نا۔"

"بالکل"

"اچھا تو اب تم بتاؤ ـــ تم ایک موسیقار ہو ـــ ماتمی گیتوں کے لئے کونسے موڈ مناسب ہوتے ہیں۔"

"ملا جلا لیڈین ـــ: اور اکیلا لیڈین"؎

"تو پھر ہم اسے قطعی طور پر نامنظور کر دیں گے۔ حتیٰ کہ اگر عورتیں بھی با وقار اور ذہین ہیں۔ تو انہیں پسند نہیں کریں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن اس کے علاوہ شراب نوشی، رقت انگیزی، لاابالی پن، ایسی خصوصیات بھی ہمارے نگہبانوں کے لئے مناسب نہیں ہیں۔"

"بے شک"

"تو پھر اطمینان و سکون پہنچانے والے موڈ کون سے ہوسکتے ہیں۔ کیا وہی تو نہیں جن کا اظہار ہم شراب سے متعلقہ گیتوں میں کرتے ہیں؟"

"اینونین اور کئی موڈ جو لیڈین ہیں جنہیں عموماً ہم "ڈھیلے ماندے" بھی کہتے ہیں۔"

"اچھا تو پھر یہ بتاؤ" میں نے پوچھا "کہ کیا یہ گیت فوجی تربیت کے لئے بھی مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں،" اُس نے جواب دیا۔ "اس سلسلے میں تم ڈورین اور فیگیرین موڈ کو نظر انداز کر گئے ہو۔"

؎ ENENYON اور MIXED LYDIAN

"میں ان سے بخوبی واقف نہیں ہوں" میں نے کہا۔ "لیکن میں ایک ایسا موڈ چاہتا ہوں۔۔۔ جو ایک ایسی آواز اور لہجہ رکھتا ہو۔ جو ایک بہادر آدمی کا خاصا ہوسکتا ہے۔ جو فوجی ضرورت کو پورا کرسکیں۔ یا کسی بھی خطرناک موقع پر جیسے ایک شخص جو کسی تکلیف، شکست، یا موت یا کسی اور بدقسمتی کا سامنا کر رہا ہو۔ تو اس کی ہمت افزائی کرسکے۔ پھر زمانۂ امن میں وہ ایک اور خدمت رضاکارانہ طور پر ادا کرسکے۔ جیسے کسی کے سامنے ایک درخواست بن جائے گروہ اچھا کام کرے، دیوتاؤں کے آگے تعمیر و ترقی اور ہمسایوں کی خوشحالی کی ایک دعا بن سکے، اور تمام انسانوں کے لئے ایک بہترین رہنما ثابت ہوسکے۔ مجھے تو بس یہی دو موڈ چاہئیں ایک سخت۔۔۔ جانفشانی کا حامل، اور ایک خوشگوار، جو ہمت اور ولولہ اور مناسبت کے عزم اور تسکین کے انداز میں اچھے حالات اور بُرے دنوں میں قائم کرسکے"

"اچھا تو یہ دو موڈ جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے۔ وہی ہیں، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا۔"

"اور پھر۔۔۔۔" میں نے بات جاری رکھی "اسی طرح ہماری موسیقی اور گیت کو کئی (STRINGS) والے سازوں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ جس کا وسیع (HARMONIC RANGE) ہو۔ ہم کاریگروں کو ایسے ساز بنانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جیسے کہ (HARPS) اور (HARP SCORDS)

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"یہ بھی واضح بات ہے" اس نے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر ہماری بات آگے بڑھنی چاہیئے۔ موڈ کے بعد ہم سُروں اور بحروں کے متعلق گفتگو کریں گے۔ ہمیں ان کے بے شمار متعلقات اور شاخوں کی ضرورت شاید نہ محسوس ہو، بلکہ ہمیں وہ بحر اور سُر درکار ہوں گے۔ جن کا تعلق زندگی، ہمت اور تنظیم سے ہو۔ ہم اس سلسلے میں الفاظ اور اُن کے لہجے کو خاص طور پر مدنظر رکھیں گے یہ نہیں ہوگا۔ کہ ہم سُر پہلے یا دُھن پہلے بنائیں۔ اور پھر الفاظ کو مرتب کریں۔ لیکن تم موسیقی سے اچھی طرح عملی طور پر واقف ہو، اس لئے تم ہی اس سلسلے میں کچھ بتا سکو گے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ میں شاید اس کام سے عہدہ برآ نہ ہوسکوں گا۔ بنیادی طور پر ہمارے ہاں تین بحور ہیں۔ جن میں سے بے شمار شاخیں نکلتی ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے کہ موڈ چار عناصروں پر مشتمل ہے۔ اور اس کے متعلقات بیسیوں کی تعداد میں ہیں۔ میں موسیقی کے اسرار و رموز کے مطابق تو بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔ لیکن اس سلسلے میں کچھ بتانے سے قاصر ہوں۔ کہ زندگی سے کون سے قریب ہیں۔۔۔۔"

"اچھا تو اس سلسلے میں ڈامن[1] کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور اس سے پتہ چلانا چاہیئے۔ کہ کون سی دُھنیں اور سُر ایسی ہیں۔ جو کمتر جذبات، حقیر خیالات، اور مجنونانہ جذبات، اور دوسری شرانگیز خصوصیات کو ادا کرنے کے قابل ہیں۔ اور یہ کہ کون سے بحور ہمیں ان سے مختلف صفات کے سلسلے میں اخذ کرنا چاہیئے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ میں نے اُس سے بعض بحور کا ذکر سُنا تھا۔ جن میں "پیشِ قدمی کا راگ" "مکمل و مستحکم راگ"[2] (COMPOSIT) پھر "شعر کا وزن" اور۔۔۔ پھر "رجزیہ بحور"۔ ان سے پھر کئی اور بحریں نکلتی ہیں۔ جو ان میں زور اور شدت پیدا کرتی ہیں۔ اور میرے خیال میں اُس نے زحافات[3]، مستزاد[4] کا بھی ذکر کیا تھا۔

---

[1] DAMON۔ پانچویں صدی قبل مسیح کا ایک معروف موسیقار۔

[2] وشعر کا وزن DACTYLE

[3] IAMBICS۔ چھوٹے بڑے ارکان والی نظم۔

[4] TROCHEES شعر کا وزن جس میں اول رکن طویل اور دوسرا مختصر ہوتا ہے

اسی طرح اس نے اور بہت سی تکنیکی خوبیوں اور نقائص کا واضح بیان دیا تھا جو اب صحیح معنوں میں مجھے یاد نہیں رہا۔ بہرحال، جہاں تک میرا خیال ہے ہمیں اس سلسلے میں ڈامن کو ترجیح دینی چاہیئے۔ اور وہی اس کی بالتفصیل ضروریات اور جزئیات سے آگاہ کرسکتا ہے۔ کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟

"بلاشبہ تم ٹھیک کہتے ہو۔"

نوٹ:۔

اب افلاطون اسی بات کو آگے بڑھاتا ہے۔ یعنی تعلیم کے عمومی مقصد کی طرف آتا ہے۔ جس میں کردار، کی تربیت کے علاوہ، اخلاقی اور جمالیاتی تربیت بھی شامل ہے۔ اور ان کا آپس میں بہت ہی گہرا ربط ہے۔ اور نشو و نما پاتے ہوئے اذہان پر ان کے اثر و تسلط پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اسی لئے افلاطون نے موسیقی اور شاعری کے بے مزہ، بے مقصد عناصر پر سخت پابندی اور کانٹ چھانٹ کی حمایت کی ہے۔ اور تعلیمی مقاصد کے لئے صحت مند شاعری اور زندہ موسیقی پر بڑا زور دیا ہے۔ (س۔ ط)

"لیکن ایک بات ہے۔۔۔ جس کا ہم کوئی فوری فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ حسن اور بدصورتی، اچھے اور بُرے اشعار سے منتج ہیں۔"

"واقعی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔"

"ایک اچھا شعر اس موسیقی سے گہرا ربط رکھتا ہے، جس کی شاعری کو انتہائی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بُرا شعر اس سے متضاد ہوتا ہے۔ اور یہی صفت اچھی دھن اور موڈ کی ہوتی ہے۔ اور ہم اس سے پہلے یہ کہہ چکے ہیں۔ کہ شعر کا وزن، اور مزاج۔۔ ۔۔ الفاظ سے تعلق رکھتا ہے۔۔۔۔ دوسری باتوں سے نہیں، ٹھیک ہے؟"

"الفاظ میں موسیقیت کا ہونا لازمی امر ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن تم شعر کے اسلوب اور مفہوم و متن کے متعلق کیا کہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔ "کیا یہ بھی اور سوچی چیزوں کی طرح کردار پر انحصار نہیں رکھتے ہیں؟"

"ضرور"

"تو پھر۔ اچھا ادب، اچھی شاعری، اچھی موسیقی، اور اس کا تشکیلی اور ہیئتی حُسن تمام تر کردار کی اچھائی پر استوار کرتے ہیں۔ یہاں "اچھائی" سے میرا مطلب اس لاعلمی کا نام نہیں ہے۔ جو دنیا سے ہوتی ہے۔ اور جسے ہم "اچھائی" کہتے ہیں۔ بلکہ وہ کردار جو حقیقی رائے، فیصلے اور اصول کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔"

"میں اس سے پوری طرح متفق ہوں۔"

"تو کیا یہی وہ صفات نہیں ہیں۔ جن کو ہمارے نوجوانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ انہیں زندگی میں اپنے فرائض پوری طرح سرانجام دینے ہوتے ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور یہی چیزیں ہم مصوری اور اس سے قریبی فنون جیسے کپڑا سازی، اور کڑھائی، تعمیری کام، اور فرنیچر، زندہ اشیاء، جانوروں اور پودوں وغیرہ میں دیکھتے ہیں۔ ان تمام اشیاء میں ہمیں حسن اور بدصورتی ملتی ہیں۔ بدصورتی اور غیر آہنگی بے ربطی، بھدے آرٹ اور بُرے کردار کے قریب ہے۔ ان کی رشتے دار ہے۔ اور ان سے متضاد چیزیں اُن صفات کی رشتے دار ہیں۔ جو اچھے کردار اور تنظیم و ربط کی نمائندگی کرتی ہیں۔"

"یہ ایک مطلق سچائی ہے۔"

"اس لئے ہم صرف شاعروں کو ہی ایسے احکام اور ہدایات نہیں کریں گے۔ کہ وہ اچھے کردار کی نمائندگی اپنی شاعری میں کریں۔ بلکہ ایسے احکام ہم جملہ فنکاروں

پر بھی لاگو کریں گے۔ کہ وہ بُرے کرداروں کا خاکہ پیش نہ کریں۔ جن میں کمتری بے ربطگی ہو۔ اور مصوری، مجسمہ سازی، عمارتوں کی تعمیر کے کام میں بدصورتی نہ ہو۔ اور اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں۔ تو انہیں اپنے فنون کو عملی صورت دینے سے سبکدوش ہونا پڑے گا۔ اس طرح ہم اپنے نگہبانوں کو ایک ایسی فضا میں پروان چڑھا سکیں گے جہاں برائی کی نمائندگی نہ کی جاتی ہو۔ اور وہ کبھی بھی روزمرہ کی معمولی اور ادنیٰ برائیوں اور بدصورتیوں سے اپنے کرداروں کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اس طرح ان کی ذہنی اور جسمانی نشوونما میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو سکے گی۔ ہمارے فنکاروں اور دستکاروں کو حسن کی حقیقی فطرت کا احساس اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ اور اس طرح ہمارے نوجوان ایسی فضا میں سانس لیں گے۔ اور فائدہ اٹھائیں گے۔ جہاں جابجا وہ دیکھیں گے، اچھائی سے متاثر ہوں گے۔ اور انہیں ایسی ہی ہوا اس سے ملے گی۔ جیسے وہ کسی صحت مند ملک میں رہ رہے ہوں۔ اور اس طرح وہ ایک ایسے سانچے میں ڈھلتے جائیں گے جو ہمدردی، استحکام اور عقلیت و انصاف کا ایک مجسمہ تیار کر دے گا۔

”ہاں نوجوانوں کی تربیت اور پرورش کے لئے یہی بہترین ماحول ہو سکتا ہے۔“

”اور اسی لئے میرے عزیز گلوکن تعلیم کی یہ منزل، یہ مرحلہ بڑا نازک ہے۔ کیونکہ شعر، فن اور ہم آہنگی ذہن و دماغ پر انتہائی گہرا اثر پیدا کرتی ہے۔ اور اس کا تاثر انتہائی قوی ہوتا ہے۔ اور اسی لئے یہ امر مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔ کہ اگر تعلیم —— اچھی ہے تو وہ ذہنی توازن اور سلجھاؤ پیدا کرے گی۔ لیکن اگر یہ بُری ہے۔ تو پھر اس سے قطعی مختلف نتائج برآمد ہوں گے۔ اور اس طرح جب ہم صحیح اور مکمل تربیت اپنے نوجوانوں کو دیں گے۔ تو وہ فنونِ لطیفہ کے کاموں اور اُن کی فطرت کو سمجھ کر بہت جلد اُن کی بدصورتیوں کو ناپسند کرنا شروع کر دیں گے۔ اور وہ ہر ایک اچھی اور خوبصورت چیز کا استقبال کریں گے۔ اور اسے قبول کرنے کے بعد اپنے فائدے کے لئے استعمال کریں گے۔ اور ہر وہ چیز جو بُری اور بدصورت ہوگی۔ وہ اس کو ناپسند کرے گا۔ اس کا خاتمہ چاہے گا۔ اُسے نظرانداز کر دے گا۔ حتیٰ کہ وہ اس وقت بھی یہی کرے گا۔ جبکہ وہ ابھی نوجوان ہے۔ اور اس پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی وجوہات کی تشریح نہیں کر سکتا ہے۔ اور جب شعور و عقل اس کے قریب آئیں گے۔ تو وہ انہیں پہچان کر اُن کا استقبال کرے گا۔ اور ان کی حیثیت اس کی تعلیمی تربیت کی وجہ سے ایک جانے پہچانے دوست کی سی ہوگی۔“

”میرے خیال میں بھی اس مرحلے پر تعلیم کا یہی مقصد ہے؟“ اُس نے کہا۔

”اچھا۔ تو جب ہم پڑھنا سیکھ رہے تھے، تو ہم اس وقت تک مطمئن نہیں ہوئے تھے، جب تک ہم حروفِ ابجد اور ابتدائی الفاظ سے واقف نہیں ہو گئے تھے۔ ہم نے اپنے خیال میں یہ امر پیدا نہیں کیا تھا۔ کہ آیا یہ لفظ جلی ہیں یا چھوٹے، لیکن اُن سے ہر طرح شناسائی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ جہاں بھی مل جائیں۔ ہم انہیں پڑھ سکیں۔“

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔“

”ہم ان الفاظ کے عکس اور تصویر کو پانی میں یا شیشے میں اس وقت تک نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ جب کہ ہمیں ان الفاظ کا پہلے سے ہی مکمل علم حاصل نہ ہو۔ اور اسی طرح... یہی طریقۂ کار —— محنت کی طرف لے جاتا ہے۔ جو ہماری تعلیم و تربیت کے لئے انتہائی ناگزیر ہے۔“

”یہ درست ہے۔“

”تو پھر میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں، کہ ہم اس وقت تک اپنے آپ کو یا اپنے نگہبانوں کو صحیح معنوں میں تعلیم سے آراستہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اور نہ کر سکیں گے۔ جب کہ ہم تنظیم و ربط، ہمت و ولولہ، فیاضی، دماغ کی عظمت اور اس سے متعلقہ اشیاء کی خصوصیات سے کلی طور پر واقف نہ ہو جائیں۔ اور اس کے علاوہ ہمیں ان اشیاء کے منفی رُخ سے بھی واقف ہونا چاہیئے۔ ان کے تمام تر معانی و مفہوم و اثرات کے ساتھ۔ اس طرح ہمیں ان دونوں قسموں کو ان کی اپنی ذات اور اُن کی نمائندگی سے واقف ہونا پڑے گا۔ خواہ وہ کہیں بھی، کسی صورت میں واقع ہوں۔ اور انہیں چھوٹا یا بڑا سمجھ کر نظرانداز نہ کرنا پڑے گا۔ بلکہ علم و تربیت کے حصول کے لئے یہی حربہ کار اختیار کرنا پڑے گا۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ ہم ان دونوں کو بخوبی جان جائیں۔“

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے۔“ اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

”تو کیا یہ مجموعی نظارہ ... اس شخص کی آنکھوں کے لئے دلکش نہیں ہے۔ جو بصیرت رکھتا ہے۔ جو ایک امتزاجی صورت میں اچھے شخص کی ذات، کردار اور نگاہوں میں جھلکتا ہے؟“

”بلاشبہ“

”اور یہ امتزاج حقیقتاً بڑا ہی دلکش ہوگا، کیا خیال ہے؟“

”مجھے تم سے اتفاق ہے“

”تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ لیکن جہاں بھی کشش غیر تسلی بخش یا نامکمل ہوگی۔ اور وہ لوگ اس میں کوئی جاذبیت محسوس نہ کریں گے۔“

”لیکن اس سلسلے میں ایک بات اور ہے۔ اگر یہ نقص ذہنی ہے، یا کردار کا نقص ہے تو پھر وہ برگشتہ ہوگا۔ لیکن جسمانی نقص کی صورت میں شاید وہ برگشتہ خاطر نہ ہو۔“

”میں جانتا ہوں۔ کہ تم اس سے کیا مطلب اخذ کر رہے ہو۔ اور تمہارے ساتھ اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حد سے بڑھی ہوئی خوشی اور مسرت کا حصول اپنے آپ پر قابو پانے اور مناسب حدود میں رہنے سے حاصل ہوتا ہے؟“

”حد سے زیادہ بڑھی ہوئی محبت تو انسان کو بے قابو کر دیتی ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے شدید درد کی بناء پر انسان ضبط سے باہر ہو جاتا ہے۔“

”تو کیا یہ بات ہم دوسری اچھائیوں پر بھی منطبق کر سکتے ہیں؟“

”یقیناً“

”کیا جنس کی تسکین اور مسرت سے بڑھ کر بھی کوئی خوشی یا مسرت ہے؟“

”نہیں“

”لیکن سچا پیار، اور مناسب محبت تو یہی ہے۔ کہ آدمی حسن اور خیر سے محبت کرے، اور وہ بھی ایک توازن اور تناسب کے ساتھ۔“

”میں اس سے بالکل متفق ہوں۔“

”تو کیا سچی محبت کا رابطہ کسی طرح بھی حدِ اعتدال سے بڑھے ہوئے جذبات یا غیر متوازن احساسات کے ساتھ ہو سکتا ہے؟“

”میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”تو پھر اس کا رابطہ جسمانی اور جنسی مسرت سے بھی نہیں ہو سکتا۔ اور محبت کرنے والے جو سچی محبت کرتے ہیں وہ اس سے کوئی دلچسپی نہ لیتے ہوں گے۔“

”سقراط یقیناً ایسا ہی ہوتا ہے“ اس نے بڑے غور و فکر سے کہا۔

”تو پھر میرے خیال میں ہمیں ایسے قوانین بھی وضع کرنے چاہئیں۔ کیونکہ جس ریاست کی ہم تشکیل کر رہے ہیں۔ اُس میں کوئی اہم فروگذاشت نہ رہ جائے۔ اچھا تو اس قانون کی رُو سے ہم ایک شخص کو یہ اجازت دیں گے۔ کہ اگر اُس کا ”لڑکا دوست“ (BOY FRIEND) اُسے اجازت دیتا ہے۔ تو وہ اُسے

مجرم سکتا ہے۔ جھو سکتا ہے۔ لیکن اُس کا رویہ ایسے ہونا چاہیئے۔ جیسے ایک باپ کا اپنے بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کا برتاؤ بھی معقول ہو۔ اور اُسے کوئی ایسا موقعہ فراہم کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی اس کی حرکات سے کوئی ایسا شبہ پیدا ہونا چاہیئے۔ جس سے دوسرے لوگوں کو اس مروجہ اور مجوزہ قانون —— کی قانون شکنی کا احساس ہو۔ اور اگر وہ ایسا کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ وہ شخص نہ تو صاحب ذوق ہے۔ اور نہ ہی تعلیم یافتہ ہے"

"ہاں... میں بھی اسی طرح اسے قانونی شکل دینا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر... میرا خیال ہے۔ کہ تعلیم کا یہ مرحلہ یہیں پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے اہم امر یہ ہے۔ کہ تعلیم کا مقصد اولیٰ یہ ہے۔ کہ وہ ہمیں خوبصورتی اور حسن سے پیار کرنا سکھائے۔

"مجھے تم سے قطعی اتفاق ہے"

نوٹ :- اب افلاطون جسمانی تعلیم کے متعلق بحث کرتا ہے۔ اور اس کے خیالات جسمانی تربیت سے کہیں زیادہ ملٹری تربیت کے زیادہ قریب ہیں۔ اور جیسا کہ آپ دیکھیں گے۔ اُس نے اس سلسلے میں اٹھارہ سے بیس سال کی عمر اس تربیت کے لئے مقرر کی ہے۔ اس زمانے کے ایتھنز کے قوانین کے تحت یہ عمر نوجوانوں کو ملٹری ٹریننگ حاصل کرنے میں صرف کرنا پڑتی تھی۔ اور اس عمر میں ثانوی علمی تعلیم کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا۔ اسی فوجی تربیت میں جسمانی تربیت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ ایتھنز کا وہ ماحول اور عہد افلاطون کے سامنے تھا۔ اور افلاطون یہاں اپنے زمانے کی بے شمار ادبیات پر تنقید کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو ہمارے اس دور میں بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں۔ اور بعض ایسے محرکات اور واقعات کو بھی زیر تنقید لاتا ہے۔ جو اس دور میں مردہ ہو چکے ہیں۔ افلاطون کے مدنظر اس وقت کا ایتھنز تھا۔ اور اس کی فکر اس سلسلے میں اپنے ہی ماحول و سدھارنے اور اصلاح کے لئے مخصوص تھی۔ لیکن اس ماحول سے نکل کر وہ ایک بڑی بات اور اصول ہم تک پہنچا تا ہے۔ کہ ثانوی تعلیم اور جسمانی تربیت دراصل ایک کردار کے ارتقا اور پرورش کے لئے انتہائی ناگزیر ہیں۔" (ستار طاہر)

"ہمارے نوجوان کی تعلیم و تربیت کا دوسرا مرحلہ ان کی جسمانی تربیت ہوگی۔ اور اس سلسلے میں بھی بچپن سے ہی اُن کی اِن ضرورتوں اور تربیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ میرے کچھ اپنے نظریات ہیں۔ میں انہیں بیان کرتا ہوں ہو سکتا ہے کہ تم بھی ان پر اتفاق کرو۔ میرے اپنے خیال میں جسمانی خوبیاں اور حسن..... لازمی نہیں ہے۔ کہ وہ ایک اچھے کردار کو جنم دے سکیں۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ روحانی اور کرداری خوبی اور حسن.... جسمانی حسن کی نشوونما کے لئے بڑا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں تم سے متفق ہوں۔"

"تو پھر میرا خیال ہے۔ کہ جسمانی تربیت کے متعلق جو لمبی چوڑی باتیں اور دوسرے مسائل موجود ہیں۔ ہم ان سب پر بحث نہیں کریں گے۔ بلکہ اس سلسلے میں لب لباب اور اختصار سے کام لیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"ہم اس سے پہلے شراب نوشی کی ممانعت کر چکے ہیں۔ ایک محافظ اور نگہبان — دنیا کا آخری شخص ہو سکتا ہے۔ جو شراب پیئے۔ اور اس کے نشے میں اُسے خود علم نہ رہے۔ کہ وہ کہاں ہے۔"

"بالکل.... یہ بات انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ کہ ایک نگہبان کو یہ ضرورت در پیش آئے۔ کہ کوئی دوسرا شخص اس کی دیکھ بھال کرے۔"

"اچھا اب غذا کے متعلق کیا خیال ہے؟ تم اس سے اتفاق کرو گے۔ کہ ہمارے محافظین کئی قسم کے مقابلوں اور جنگوں میں حصہ لیں گے۔ تو کیا ہم عام کھلاڑیوں کی طرح ان کی تربیت کریں گے؟"

"شاید..."

"لیکن ایک کھلاڑی کی صحت میں ہوشیاری اور چستی نہیں ہوتی ہے۔ وہ تو ایک خوابیدہ سا شخص ہوتا ہے۔ کیا تم نے کبھی یہ نہیں دیکھا۔ کہ کھلاڑی نیند کے کتنے متوالے ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنا زیادہ تر وقت سونے میں گزارتے ہیں۔ اور یہ کہ اگر ان کی روزمرہ کی خوراک اور معمولات میں ذرہ سا فرق بھی پڑ جائے۔ تو وہ کتنی جلدی شدید بیمار ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں..... میں یہ مشاہدہ کر چکا ہوں۔"

"تو پھر یہ ہمارے لئے لازم ٹھہرتا ہے۔ کہ ہم اپنے فوجی کھلاڑیوں اور سپاہیوں کے لئے تربیت کے نئے قواعد وضع کریں۔ وہ انتہائی چالاک اور ہوشیار ہونے چاہئیں۔ جیسے کہ محافظ کتے ہوتے ہیں۔ اُن کی قوت سماعت اور بصارت بہت عمدہ ہونی چاہیئے۔ اور اُن کی جسمانی صحت ایسی ہونی چاہیئے۔ کہ خوراک اور غذا کی تبدیلی انہیں بیمار نہ کر سکے۔ اور نہ ہی موسموں اور ماحول کا رد و بدل ان پر اثر انداز ہو سکے۔"

"یہ درست ہے۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں یہ بہترین جسمانی تربیت کا رابطہ اُس سادہ تعلیم و تربیت سے نہیں ہوتا ہے جس کا ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔"

"اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"اس سے میرا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ایک ایسی جسمانی تربیت...... جو ہمارے محافظوں کے لئے خاص طور پر جنگوں اور لڑائیوں میں کارآمد ثابت ہو سکے۔"

"بھلا یہ کس طرح؟"

"اوہ..... اس سلسلے میں تو ہومر بھی تمہیں بہت کچھ بیان کر سکتا ہے۔ جب اس کے بہادر ہیرو جنگی سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ تو وہ اُن کے کھانے میں مچھلی کو شریک نہیں کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ہیلس پونٹ کے ساحلوں پر ہیں۔ اور نہ ہی اُبلا ہوا گوشت بلکہ صرف بھنا ہوا..... تو یہ ہے وہ بہترین غذا، جو سپاہیوں کے لئے انتہائی موافق ہے۔ اور پھر اس کی تیاری اور پکانے میں بھی بیسیوں فوائد ہیں۔ یہ بڑی آسانی سے بھونا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے آگ ہی کافی ہے۔ یہ نہیں کہ مختلف قسم کے بے شمار برتن جمع کئے جائیں۔ اور اُن میں کھانا پکوایا جائے۔"

"درست ہے۔"

"اور پھر تمہیں یاد ہوگا۔ کہ ہومر نے موسموں کا کہیں ذکر تک نہیں کیا۔ کیونکہ ایک سپاہی کے لئے سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ وہ ہر موسم کو برداشت کر سکے۔

لہ جمالیات اور حسن و عشق کے متعلق یہاں افلاطون کا "افلاطونی محبت" کا نظریہ شروع ہوتا ہے جس پر صدیوں سے بحث ہوتی رہی ہے۔ ہمارے جدید دور میں محبت کا تصور جنس کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اور فرائیڈ اور اس مکاتیب فکر کے دوسرے علماء بھی اس نظریئے کو خاصا مضحکہ خیز تصور کرتے ہیں۔ لیکن اس جدید اور سائنٹیفک دور میں بھی ایک ایسا جذبہ اور احساس محبت موجود ہے۔ جس میں جنس کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ جو صرف روح اور صرف ایک "فیروزات جنس" سے متعلق ہے افلاطون کا PLATONIC LOVE ایک زندہ جاوید و ساری حقیقت اور نظریہ ہے۔ (ستار طاہر)

اور موسم اس کی جسمانی صحت اور کارکردگی پر قطعی اثر انداز نہ ہوں۔ اور اس حقیقت سے ایک عام سپاہی بھی واقف ہوتا ہے۔"

"ہاں ..... یہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"تو پھر میرا خیال ہے۔ کہ ان حالات میں تم سیر یکیشن[I] یا سسلین[II] عیش و عشرت اور کھانوں کا تصور کبھی نہیں کرو گے؟"

"بالکل ... میں تو ان کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر کورنتھین لڑکیوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم ان کی اہمیت کو ان لوگوں کے لئے نظر انداز کرو گے۔ جو صحت مند رہنا چاہتے ہیں؟"

"میں یقیناً اس کی حمایت کروں گا۔"

"تو پھر (حلوہ) CONFECTIONERY جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ انتہائی عمدہ ہوتی ہے۔ اسے بھی ہم جنگ میں ساتھ لے جائیں گے۔"

"ہرگز"

"تو پھر ہمیں، انصاف کے ساتھ ان سہولتوں اور لذتوں کا مقابلہ زندگی کے معیار، خوراک اور موسیقی کے ساتھ کرنا ہوگا۔ جس میں توازن اور ضبط ہو۔ ہم جان چکے ہیں کہ غیر متوازن اور شور یلے سر موسیقی ایک طرح سے بے انتظامی اور انتشار پیدا کرتی ہے۔ اور پھر یہ کہ غیر مناسب امرغن غذائیں بیماریاں لاتی ہیں۔ لیکن موسیقی کی سادگی — تنظیم اور ضبط پیدا کرتی ہے۔ کردار اور شخصیت میں۔ اور جسمانی تربیت میں سادگی کا لطف — جسم میں صحت پیدا کرتا ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے۔"

"اور یہ بھی کہ انتشار، پھر عدم توازن اور بے ربطگی سے معاشرہ میں عدالتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور بیماری اور دوسری خامیوں کا نتیجہ — ہسپتالوں میں اضافہ کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور پھر قانونی عدالتیں۔ اور پیشیاں ..... اُن کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ اور اُن کی تعمیری اور صحت مند سرگرمیوں کی طرف بہت کم توجہ باقی رہ جاتی ہے"

"ہاں ایسا ہونا ممکن ہے۔"

"اچھا تو جب مزدوروں اور چھوٹے پیشے کے لوگوں کے علاوہ پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ لوگ بھی اپنی زندگی کا بیشتر وقت عدالتوں، ہسپتالوں، ماہر قانون دانوں اور ماہر ڈاکٹروں کی تلاش میں بسر کرنے لگیں، تو پھر یہ تو قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ہم جس ریاست میں زندہ رہ رہے ہیں۔ اُس کا تعلیمی دستور اور تعلیم ناقص ہیں۔ کیا یہ تعلیمی خامیوں کی ہی وجہ نہیں، کہ انسان کو اچھے اور بُرے کی تمیز نہ رہے۔ اور وہ انصاف حاصل کرنے کے لئے دوسروں کا محتاج بن جائے۔ اور انہیں اپنا آقا اور منصف مان لے؟"

"ہاں ... اور میرے خیال میں اس سے زیادہ بُری بات کوئی نہیں ہو سکتی" اُس نے جواب دیا۔

"ہاں ... لیکن اس سے بھی بُری بات ایک اور بھی ہے۔ کیونکہ وہ آدمی جو اپنے بیشتر وقت اور روپے کو عدالتوں میں مدعی یا مدعا علیہ کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ تو اس میں ایک اور بہت بُری تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے وہ ذاتی طور پر عموماً بے خبر رہتا ہے۔ وہ ایک ماہر اور مشاق قانون شکن بن جاتا ہے۔ اور وہ قانون کو مختلف صورتوں میں توڑ مروڑ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ انتہائی ذہین اور چالاک بن کر معاشرے کے لئے ایک مصیبت بن جاتا ہے۔ اور وہ اس خیال اور نظریئے سے قطعی ناواقف ہو جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کو کس طرح اپنی زندگی

وہ لوگ جو سچائی، انصاف اور ایمانداری پر عمل کرتے ہیں وہ اسے جبر اور تشدّد کی وجہ سے اپناتے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ اسے اپنے لیے مفید سمجھتے ہیں

اس طرح گزارنی چاہیئے۔ کہ وہ کوئی غلطی ہی نہ کرے۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو کسی کے منصف ہاتھوں کے سپرد کرے۔ بلکہ خود ہی اپنا منصف بن کر زندگی گزار سکے۔ اور اپنے بدتر انجام سے بچ جائے۔"

"ہاں ... " اُس نے تسلیم کیا " تو یہ پہلے سے بھی بڑی بُرائی ہے۔"

"اور یہ امر بھی قبیح ہے۔ کہ ہم ڈاکٹر کی ضرورت کو کسی زخم یا خاص بیماری کے علاوہ محسوس کریں۔ اور صرف اس لئے کہ ہم ایک اس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں جس سے ہماری صحت اور جسم کو تناسب اور حُسن حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اور ایسی ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جن کے لئے ہمارے معالجوں کو نئے نئے نام تلاش کرنے پڑتے ہیں۔"

"ہاں یہ درست ہے۔ ہمارے یہاں بیماریوں کے نام بھی کتنے عجیب و غریب ہیں۔"

"اور مجھے یقین ہے۔ کہ تم نے ان بیماریوں کا ذکر ایسکلپس[ت] کے زمانے میں بالکل نہ سُنا ہوگا۔ اور اسی طرح تمہیں اس امر کا پتہ بھی ہوگا، کہ جب ٹرائے کی جنگ میں ایوری پلس (EURYPYLUS) زخمی ہوا تھا۔ تو اُسے پرمینن شراب میں جَو کا ستو پیسے اور کھلا ہوا پنیر پینے کے لئے دیئے گئے تھے۔ ایک ایسا مشروب جس کے نتیجے میں اُسے بخار ہو گیا تھا۔ اور ایسکلپس کے بیٹوں نے اُن عورتوں کو قصوروار نہ گردانا تھا۔ جنہوں نے اُسے یہ مشروب پینے کے لئے دیا تھا۔ اور نہ ہی پیٹروکلس کو ... جس نے یہ نسخہ تجویز کیا تھا۔

"تاہم وہ ایک زخمی آدمی کے لئے نامناسب نسخہ نہ تھا۔" اُس نے کہا

"خیر میں ایسے نہیں سوچتا ہوں۔ کیونکہ ہیروڈکس (HERODICUS) کے ایام سے پہلے ڈاکٹروں نے زخموں اور بیماریوں کے علاج کے لئے جدید طریقے اختیار نہ کئے تھے۔ ہیروڈکس کھلاڑیوں کا استاد تھا۔ جب اس کی صحت جواب دے گئی، تو اس نے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اور اس پیشے کو اختیار کر لیا۔ اور اس کے بعد اس کے پیچھے آنے والے لوگوں نے بھی یہی غیر متوازن طریقہ اختیار کیا۔ جس میں صحت اور بیماری کو ایک عجیب صورت میں ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔"

"اچھا"

"ہیروڈکس نے بڑی بُری طرح موت کا ذائقہ چکھا۔ اس کی بیماری انتہائی طول پکڑ گئی۔ اس کی تمام تر توجہ ایسے امراض پر مبذول رہی، جو فانی تھیں۔ اور وہ اس سے اپنا علاج نہ کر سکا۔ اُس نے تمام عمر اپنا علاج کیا۔ اور اپنے روزمرّہ کے قواعد اور علاج کے طریقوں پر بُری طرح سے عمل کیا۔ اور اس کی ذہانت اور محنت اس وقت تک جوش سے کام میں مصروف رہی۔ جب تک کہ وہ بالکل بوڑھا نہ ہو گیا۔"

"آہ ... کیا انعام پایا ..... اُس نے؟"

"ہاں .... اور ایسے شخص کو ایسا ہی انعام ملنا چاہیئے تھا۔ جو اتنا بھی علم

ت ASCLEPIUS یونانی دیومالا میں طب و صحت کا دیوتا۔

I- SYRACUSAN II- SICILION

نہ رکھتا تھا۔ کہ یہ اُس کی کم علمی، یا ذہانت کی کمی ہے۔ کہ وہ اس امر کو صحیح جان پایا ہو کہ ایسکلیپس نے علاج کا یہ طریقہ اپنے جانشینوں کو قطعی نہیں بتایا تھا۔ لیکن وہ حقیقت سے نا آشنا تھا۔ کہ ایک تیز رفتار معاشرے میں ہر شخص کو اپنے کام سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔ اور اُسے اپنی زندگی، بیماریوں اور علاج معالجے میں صرف نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہی بات جہاں نچلے طبقوں پر عائد ہوتی ہے۔ وہیں دولت مند لوگوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔"

"وضاحت کرو"

"مثلاً ایک بڑھئی کی مثال لو، کہ وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ وہ ڈاکٹر کو تمام صورتِ حالات سے آگاہ کرنے کے بعد دوائی کے متعلق کہتا ہے۔ یا یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کا آپریشن کیا جائے۔ تاکہ اُسے بیماری سے نجات مل سکے۔ اگر ڈاکٹر اسے یہ کہے۔ کہ وہ گھر جا کر طویل و دراز علاج سے گزرے، اسر باندھے، اور اس قسم کی دوسری باتوں کو پورا کرے۔ تو وہ بڑھئی میرے خیال میں یہی کہے گا۔ کہ اس کے پاس اتنی لمبی بیماری بسر کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ اور اگر وہ اپنی تمام زندگی اس بیماری پر ہی توجہ دینے میں صرف کر دے گا۔ تو پھر وہ اپنے کام کو کس طرح پورا کرے گا۔ اور اس کی زندگی زندہ رہنے کی صفت سے خالی ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ اس ڈاکٹر کی خدمات سے اپنے آپ کو محروم کرے گا۔ وہ اپنے روزمرہ کے معمولات میں پھنس جائے گا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اپنی صحت دوبارہ حاصل کرے گا۔ اور کام پر چلا جائے گا۔ اور اگر اس کی حالت خستہ ہو گی۔ تو موت ہی اُس کی منزل ہوگی۔ اور اس طرح ان مصائب سے نجات حاصل کرے گا۔

"ہاں.... اس قسم کا شخص طبی مشورے کی اسی طرح قدر کرے گا۔"

"اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اُسے اپنا کام کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اپنا کام نہیں کرتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"ہاں یہ تو بالکل واضح ہے"

"تو کیا امیر آدمی کے لئے کوئی ایسا کام نہیں ہوتا جسے وہ کریں۔ اور اگر وہ نہ کریں۔ تو پھر ان کی زندگی بھی بے کار ہو جاتی ہے۔"

"عموماً ایسے لوگوں کے پاس کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔"

"تو پھر تم نے فیوکلائڈز (PHOCYLIDES) کی بات کو نہیں سُنا" میں نے جواب دیا۔ "جس نے کہا تھا۔ کہ جب کسی آدمی کو اپنی ضروریات کے لئے کام کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ تو پھر اُسے کسی خوبی کے لئے عمل کرنا چاہیئے۔"

"میں نے تو سوچا تھا۔ کہ اس کام کے لئے تو اسے بہت آغاز میں کام کرنا شروع کر دینا چاہیئے۔"

"بہرحال..... سوال یہ ہے۔ کہ کیا امیر آدمی کو یہ کام کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ یہ کام نہیں کرتا تو پھر اس کی زندگی اس قابل ہوتی ہے۔ کہ اُسے زندہ لوگوں میں شامل کیا جائے وہ اپنی توجہات کو بڑھئی کے کام کے لئے، یا ایسے پیشوں کے لئے وقف کر دے۔ تو کیا فیوکلائڈز کے احکامات کو ہم نظر انداز کر دیں گے؟"

"ہاں یہ واقعی ایک رکاوٹ ناگزیر ہے۔ ایک آدمی کی صحت کے لئے یہ عمل بھی غلط ہے۔ کہ وہ ضرورت سے زیادہ ورزش کرتا ہے۔ یہ چیز تو جہاں گھر میں تھکا دینے والی ہے وہیں فوج یا کسی بھی شہری دفتر میں.. "

"اس سے بھی بری بات یہ ہے۔ کہ یہ جسمانی تربیت حد سے زیادہ بڑھ جائے۔ آدمی کو ہر قسم کے مطالعے، تفکر، سوچ بچار کے لئے نا اہل بنا دیتی ہے۔ اگر تم اپنے مطالعے اور کتب بینی کو سر درد یا کسی اور بیماری کی وجہ بناتے رہو، تو تم اس قابل نہ ہو گے۔ کہ اپنے ذہن میں مطالعے کے لئے صحیح فضا تیار کر سکو، اور نہ ہی ورزش وغیرہ کر سکو گے۔ اور اس طرح تمہاری صلاحیتوں کا صحیح مقام نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ تم تو ہر وقت یہی سوچتے رہو گے۔ کہ تم بیمار ہو۔ اور تمہاری صحت گر رہی ہے۔"

"بالکل ایسا ہی آج کل ہو رہا ہے"

"تو پھر مجھے یہ کہنے دو۔ کہ ایسکلیپس ان تمام باتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور اسی لئے وہ علاج اور معالجے کو ان لوگوں کے لئے ناگزیر سمجھتا تھا۔ جن کی جسمانی صحت اچھی ہے۔ اور جو ایک صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر وہ کسی وجہ سے زخمی ہو جائیں یا بیمار پڑ جائیں۔ تو وہ اس کا علاج دوائیوں اور جراحی سے کر کے انہیں بتاتا کہ وہ اپنے معمولات پر عمل کرتے رہیں: تاکہ معاشرے میں ان کی کارکردگی میں فرق نہ آئے۔ اور وہ معاشرے کے فوائد کے لئے کام کرتے رہیں۔ لیکن وہ ان لوگوں کا علاج کرنے کی کبھی کوشش نہ کرتا تھا۔ جو بنیادی طور پر ہی بیمار ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کی حالت انتہائی خستہ ہو چکی ہوتی ہے۔ دوائیاں، غذائیں اور دوسرے طبی تعاون سے صرف آشنا ہی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ایک ناخوشگوار زندگی کو طوالت دے سکیں۔ اور جو بچے ان سے پیدا ہوں۔ وہ بھی اُن کی طرح غیر صحت مند ہوں۔ اس کے خیال میں ایسے کسی شخص کو علاج اور طبی سہولتوں سے بہرہ ور نہ کرنا چاہیئے۔ جو اپنے معمولات کے فرائض اور کام سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا ہو۔ اور جو اسی وجہ سے جہاں اپنے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا وہیں اپنے معاشرے کے لئے بھی بیکار ہوتا ہے"

"تم تو ایسے باتیں کر رہے ہو۔ جیسے، ایسکلیپس اصل میں ایک سیاسی سائنسدان تھا"

"بلاشبہ ایسا ہی تھا" میں نے جواب دیا "اور یہی وجہ ہے کہ ٹرائے کی جنگ میں ہم اس کے بیٹوں کو بہادر سپاہیوں کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اور وہ لوگوں کے لئے بہترین معالج ثابت ہوئے تمہیں یاد ہوگا، کہ جب مینلیوس کو پانڈرس نے زخمی کیا۔ تو انہوں نے "خون کو صاف کیا اور بڑی ذہانت اور خوبی سے اچھا کرنے والی دوائی زخم پر لگا دی[1]" لیکن انہوں نے اسے غذا کے متعلق کسی قسم کی ہدایت نہیں دی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ جو شخص طبعی طور پر صحت مند زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کے لئے یہ مرہم ہی کافی ہے۔ اب وہ جو چاہے کھائے پیئے لیکن وہ شخص جس کی زندگی لاپروائی سے گزری۔ اور وہ بنیادی طور پر ہی صحت مند تھا۔ اس پر وہ کوئی توجہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور وہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ ان کا کام نہیں ہے۔ کہ وہ ان لوگوں پر اپنی ذہانت اور محنت کو ضائع کریں۔ اس سلسلے میں وہ کسی امیر کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ خواہ وہ میڈاس (MIDAS) سے زیادہ امیر ہوتا۔"

"خوب.... تو ایسکلیپس کے بیٹے تو بڑے ممتاز تھے۔"

"ہاں، انہیں ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا لیکن پنڈار اور دوسرے المیہ نگار ہماری باتوں پر یقین نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں ایسکلیپس، دیوتا اپالو کا بیٹا تھا۔ اور اسے ایک بڑی فیس کا لالچ دے کر ایک امیر آدمی کے علاج کے لئے بلایا گیا تھا۔ جو موت کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی بجلی کی کڑک سے اُسے اس موقع پر اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اگر ہم معقول ذہن اور مزاج کے لوگ ہیں۔ تو پھر ہم ان دونوں باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ اگر وہ ایک احساسات سے ماورا تھا تو پھر لازماً وہ دیوتا نہ تھا۔"

"ہاں سقراط تم جو کچھ کہہ رہے ہو بالکل درست ہے" "لیکن مجھے یہ بتاؤ" اُس نے پوچھا۔ "کیا ہمیں اپنی ریاست میں اچھے معالجوں کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اور اچھے ڈاکٹر وہی ہوتے ہیں۔ جنہیں مریضوں اور صحت مند دونوں کے علاج کا وسیع تجربہ ہوتا ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے ایک اچھا منصف انسانوں کے تمام طبقوں میں گھلا ملا ہوتا ہے۔ اور اُسے اچھے اور بُرے کا علم ہوتا ہے۔"

---

[1] ہومر، ایلیڈ۔ 218 - IV

”واقعی نہیں“ ”اچھے“ ڈاکٹروں کی ضرورت پڑے گی۔ لیکن کیا تم جانتے ہو کہ ”اچھے“ سے میرا کیا مطلب ہے؟“

”اگر تم بتاؤ گے تو مجھے پتہ چل جائے گا۔“

”میں وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن تمہارے سوال کا ایک جواب نہیں ہو سکتا ہے۔“

”اس سے تمہارا کیا مطلب ہے“

”ایک ڈاکٹر کو اس کے علم کی تکمیل کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے۔ کہ وہ اولین عمر میں ہی اپنے آپ کو اس فن کے تجربات کے لئے مختص کر دے۔ اس کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ کہ وہ گہری اور خطرناک بیماریوں سے واقف ہو۔ اُس نے ہر طرح کی بیماریوں کے متعلق خود تجربات کئے ہوں۔ اور یہی نہیں کہ وہ صرف بیماریوں اور بیماروں کا ہی تجربہ رکھتا ہو۔ بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ صحت مند اجسام سے بھی اُسی طرح واقف ہو۔ جس طرح مریضوں سے۔ خود ڈاکٹروں کی اپنی صحت بہت اعلیٰ اور عمدہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ علاج کے لئے اپنے ذہن اور عقل کو استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر وہ کسی وجہ سے ذہنی طور پر نقص رکھتے ہوں۔ تو اُن کا علاج اچھا نہیں ہو سکتا۔“

”یہ درست ہے“

”لیکن جج کا واسطہ صرف ذہن سے ذہن کا واسطہ ہوتا ہے۔ اور ذہن کو ہم بچپن ہی سے برائی کے ساتھ متعلق نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی اُسے خطرناک قسم کے جرائم کے مطالعے اور تجربے کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کو جو سلوک اپنی کم عمری ہی میں مریضوں اور امراض کے تجربے کے لئے کرنا پڑتا ہے وہ جج کے لئے معیار بنایا نہیں جا سکتا ہے۔ کیونکہ کم عمری میں انسانی دماغ بے خطا، صاف اور پاک ہوتا ہے۔ اس لئے دماغ اور ذہن کو اس تجربے سے دُور رکھنا چاہیئے۔ بلکہ امر خاص یہ ہونا چاہیئے کہ ایسے لوگ ..... جنہیں منصفی کے فرائض سونپے جانے والے ہیں۔ اُنہیں اچھے لوگوں اور اچھی باتوں سے آشنا کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ بعد میں وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اسی لئے۔ ایک امر یہ بھی قابلِ غور ہے۔ کہ وہ لوگ جن کے کردار اچھے ہوتے ہیں۔ وہ نوجوانی کے دنوں میں سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اگر انہیں بُری صحبت مل جائے۔ تو وہ بڑی آسانی سے اپنے آپ کو برائی سے متاثر کر لیتے ہیں۔“

”ہاں یہ بات تو عام ہے،“ اُس نے مجھ سے اتفاق کیا۔

”اسی لئے ایک اچھے جج کے لئے ہم کسی نوجوان کو نہیں چُن سکتے ہیں۔ بلکہ ایک ایسا معمر آدمی، جس نے کافی عمر گزار لینے کے بعد برائی کے متعلق علم حاصل کیا ہو۔ اور یہ علم خود اُس نے ذاتی تجربہ سے حاصل نہ کیا ہو۔ بلکہ ایک لمبے تجربے اور مطالعے کی بنا پر اُس نے دیکھا ہو۔ کہ برائی لوگوں پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ مختصراً اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک جج کو برائی اور ظلم سے کماحقہ آگاہی ہو۔ لیکن یہ اس کا اپنا ذاتی تجربہ نہیں ہونا چاہیئے؟“

”ہاں ایک ایسا آدمی انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔“

”ہاں اور ایک اچھا آدمی وہ ہوتا ہے۔ جس کے پاس وہ خوبیاں ہوتی ہیں جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جس نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہو۔ اس تجربے سے ذاتی طور پر گزرا ہو۔ اور اس سے اُس نے کئی ہنر، چالاکیاں، اور عیاریاں سیکھی ہوں۔ وہ کسی طرح بھی اس کام کے لئے مناسب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ جب وہ خود ایماندار آدمیوں کے سامنے آتا ہے۔ تو اُسے خود علم نہیں ہوتا۔ کہ راست بازی اور ایمانداری کیا ہے۔ وہ ایماندار اور راست بازی کے متعلق ایک شک و شبے میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی پہچان کرنا اس کے لئے بڑا دشوار امر ہے۔ کیونکہ اس کے فیصلے، مزاج اور رائے میں خود اس کے اپنے بُرے اصول شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر زندگی میں اس کا واسطہ اچھے آدمیوں کی نسبت بُرے آدمیوں کے ساتھ زیادہ رہتا ہے۔“

”یہ بالکل درست ہے۔“

”اس لئے ہم منصف کے انتخاب کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب نہیں کریں گے۔ بلکہ اس شخص کا جس کے متعلق ہم پہلے ایک فیصلہ کر چکے ہیں۔ برائی میں تو خود شناسی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی وہ اچھائی اور شعور سے آگہی رکھتی ہے۔ لیکن اچھائی جب وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھلتی ہے۔ تو اُسے برائی کی اصلیت، کمیت اور کیفیت کا علم ہو جاتا ہے۔ اس لئے میری رائے میں ہم جس شخص کو منصف یا جج بنائیں گے۔ وہ بُرا آدمی نہیں، بلکہ اچھا آدمی ہوگا۔“

”مجھے تم سے اتفاق ہے۔“

”تو پھر ڈاکٹروں اور ججوں میں یہ خوبیاں ہونی چاہیئں۔ جن کی بنا پر ہم اپنی ریاست میں ان کو اُن کے فرائض سونپیں گے۔ وہ اُن لوگوں سے رابطہ رکھیں گے۔ جو ریاست کے صحت مند اور باشعور شہری ہیں۔ اور وہ لوگ جو غیر صحت مند ہیں۔ انہیں مرنے دیں گے۔ اسی طرح جو لوگ نفسیاتی طور پر ناقابلِ علاج ہیں، وہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے!“

”بالکل۔ ایک معاشرے کے لئے انفرادی طور پر اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہو سکتی“

”اور اسی طرح ہمارے نوجوان جو ہمارے مجوزہ دستورِ تعلیم کے مطابق تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اُن کی جسمانی تربیت بھی ہوگی۔ اور اس امر کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ کہ انہیں اس دوران میں قانونی یا عدالتی امداد کی ضرورت نہ پڑے گی۔“

”درست“

”اور اگر وہ اسی طرح اپنی جسمانی تربیت کی راہ پر گامزن رہے، تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ انہیں سوائے ناگزیر حالات کے، کبھی بھی ڈاکٹروں کی ضرورت محسوس نہ ہو گی۔“

”میں اتفاق کرتا ہوں۔“

”اسی لئے ان کی طاقت، شعور، اور وجدان کو مکمل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ان سختیوں کو برداشت کریں۔ تاکہ وہ ہر طرح سے مکمل ہو سکیں۔ اور انہیں مناسب غذا دی جائے۔ اور وہ تربیت حاصل کر سکیں۔ اسی لئے میرے عزیز گلکن میں نے کہا تھا۔ کہ تعلیم (ادبی ثانوی اور جسمانی) علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا آپس میں انتہائی گہرا تعلق ہے۔ بلکہ ان کا اصل میں ایک ہی مقصد ہے۔“

”وہ مقصد کیا ہے؟“

”میرے خیال میں ان دونوں تربیتوں کا سب سے اہم مقصد ایک ہی ہے دماغی نشوونما۔“

”وہ کس طرح تربیت پاتے ہیں۔“

”تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ جسمانی ورزش پر حد سے زیادہ دھیان دینا، اور شہر بھر اسی کا خبط دل میں رکھنا..... اس سے دماغ کا ایک مخصوص ڈھانچہ بن جاتا ہے، اور اگر جسمانی تربیت کو نظر انداز کر دیا جائے، تو ذہنی حالت اس سے قطعی مختلف ہوتی ہے۔ ایک قسم تو وہ بن جاتی ہے۔ جو غیر مہذب ہے اور دوسری جو نرم، حساس اور۔“

”ہاں میں اس کا مشاہدہ کر چکا ہوں۔ اگر جسمانی تربیت اور ورزش پر ہی زور دیا جاتا رہے۔ تو ذہنی حالت بالکل غیر مہذب ہو جاتی ہے۔ جب ایک خالص ادبی اور علمی تربیت سے انسان صرف ”علمی ادبی“ انسان بن کر رہ جاتا ہے۔“

”یہ تو اُن کے ذہنوں کی قوت اور وجدان ہوتا ہے، جو انہیں غیر تہذیب یافتہ انسان کی شکل دے دیتا ہے۔ اگر ان کی مناسب تربیت کی جائے۔ توازن کو مدِ نظر رکھا جائے۔ تو وہ بہادر بن سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ چیز اپنی حدود سے تجاوز کر جائے تو پھر نتیجہ بھدا اور ناخوشگوار نکلتا ہے۔“

"میں اس سے متفق ہوں۔"

"خالصتاً فلسفیانہ مزاج کی تربیت بھی نرمی اور حد سے زیادہ نرم دلی پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر اس کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے، تو نتیجہ میں تہذیب اور انسانیت کا پھل ہاتھ لگے گا۔"

"ہاں"

"گویا ہم اس نکتے پر متفق ہیں۔ کہ ہمارے محافظوں کی فطرت میں یہ دونوں عناصر موجود ہونے چاہئیں۔ کیا یہ درست ہے؟"

"بالکل"

"کیا یہ بھی درست نہیں۔ کہ یہ دونوں عناصر یکجا ہو کر ایک ایسا ذہن پیدا کرتے ہیں۔ جو مہذب اور بہادر ہوتا ہے۔ اور وہ بزدلی اور بدتمیزی کا اُلٹ ہوتے ہیں؟"

"بالکل"

"خُوب ۔۔۔ تو جب ایک آدمی موسیقی اور سُروں کی آوازوں کے سحر سے مسحور ہو جائے، جو نرم، پیاری، اور غم انگیز ہوتی ہیں، تو اُس کی رُوح میں طوفان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ، پینا تمام وقت موسیقی کی مسرت میں گنوانے لگتا ہے۔ اس کا اولین اثر اس کے وجدان، طاقت، پر ہوتا ہے، جو ذہن سے متعلقہ ہیں۔ اور اس کے ذہن کی سنگلاخی کو نرم کرنے لگتا ہے۔ اور وہ کوئی بوجھل اور سخت کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اگر وہ اس حصار سے اپنے آپ کو باہر نکالنے کی کوشش نہیں کرتا۔ یا کامیاب نہیں ہوتا۔ تو پھر اس کی اگلی منزل یہی ہے۔ کہ اس کے ذہن کی سنگلاخی پانی ہو کر بہنے لگتی ہے۔ اور بالآخر اس کی رُوح اس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ اور اس کی ذہنی صلاحیتیں بالکل معدوم اور منتشر ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ہومر کے الفاظ کے مطابق "ایک کمزور ناتواں جنگجو" بن کر رہ جاتا ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے۔"

"اگر وہ شخص فطری طور پر پہلے ہی رُوح سے خالی ہو، تو پھر نتیجہ پہلے مرحلے پر ہی نکل آتا ہے۔ لیکن اگر وہ شخص کسی رُوح کا مالک ہے۔ تو پھر اس کا اثر اسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کی رُوح کمزور پڑنے لگتی ہے۔ اور وہ اس قابل نہیں رہتا۔ کہ جلدی غصّے میں آجائے، یا تیزی سے کسی چیز کا پیچھا کر سکے۔ یا یوں ہوتا ہے۔ کہ وہ جتنی تیزی سے غصّے اور جوش میں آتا ہے۔ اُسی تیزی کے ساتھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس کی طاقت، اور قوتِ احساس اتنی کمزور ہو جاتی ہے۔ کہ بدمزاجی اور بزدلی میں ڈھل جاتی ہے۔"

"بالکل ایسے ہی ہوتا ہے۔"

"اب دوسری طرف وہ شخص ہے۔ جو بڑی سخت جسمانی ورزش کرتا ہے۔ اور صحت مند زندگی گزار رہا ہے۔ لیکن اپنی اس جسمانی کسرت کی نسبت سے ادب یا فلسفہ سے بہت کم شناسائی رکھتا ہے۔ وہ جسمانی ورزش اور تربیت پہلے تو اُسے اعتماد اور طاقت سے لبریز کر دیتی ہے۔ اور اس کے حوصلے اور جرأت کو دُگنا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر وہ اسی پر اپنا سارا وقت صرف کرنے لگے، اسی میں ہی ڈوب جائے۔ اور کبھی کوئی کتاب نہ کھولے، تو اس کے اندر تعلیم و تربیت اور علمی شوق کا جو تھوڑا بہت حصہ ہوتا ہے، وہ بھی کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور کتب سے دلچسپی نہ ہونے سے وہ فاقہ کشی پر مجبور ہوتا ہے۔ اور علمی مباحث میں حصہ نہ لینے سے وہ بالکل بہرہ اور اندھا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے حواس اور ذہنی صلاحیتوں کو اس کا عادی بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔"

"واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"اور اس طرح وہ ایک بے شعور، اور نادان انسان بن جاتا ہے۔ جس کے لئے معقول جواز اور دلائل کوئی کشش نہیں رکھتے۔ اور اس کے اندر ایک وحشیانہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے دباؤ اور طاقت سے وہ اپنا ہر ایک کام کرتا ہے۔ اس کی زندگی بے شعوری اور لاعلمی کی زندگی بن جاتی ہے۔ جس کا تعلق فیاضی، حُسن اور علمی احساسات سے قطعی طور پر باقی نہیں رہتا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک بیان کیا ہے۔"

"اب میں یہ کہنا چاہوں گا۔ کہ دیوتاؤں نے یہ دونوں علم انسان کو اس کے وجدان اور شعور کو مکمل کرنے کے لئے بخشے تھے۔ اُن کا یہ قطعی ارادہ نہ تھا۔ کہ ایک شخص صرف جسمانی طور پر مکمل ہو، اور دوسرا ذہنی طور پر۔ بلکہ طاقت اور وجدان میں ایک مکمل اور مناسب ہم آہنگی اور توازن ہو۔ اور دونوں اپنے اپنے قیام اور حصّے کے مطابق انسانی زندگی پر اثر انداز ہوں۔ اور اپنا اثر دکھائیں۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ شخص جو علمی اور جسمانی دونوں تربیتوں سے اپنے آپ کو مکمل کرتا ہے۔ وہ اُس شخص سے زیادہ اہم شخصیت اور کردار کا مالک بن جاتا ہے۔ جس نے صرف ایک ہی شعبے پر اپنی قوتوں کو صرف کیا ہے۔"

"تمہاری یہ بات بڑی مدلل ہے۔"

"خُوب ۔۔۔ تو میرے عزیز گلوکن میں یہ کہوں گا۔ کہ ہماری ریاست میں دونوں طرح کی تعلیم و تربیت کا ایک توازن اور آہنگ ہونا چاہیئے اور دستور میں اس کے لئے قانون بننا چاہیئے۔"

"لازماً ہم اس کو قانونی شکل دیں گے۔"

نوٹ :-

آنے والے صفحات میں میں نے ری پبلک کی باقی کتابوں کی تلخیص اور خلاصہ پیش کیا ہے۔ جیسا کہ میرا مقصد تھا۔ اس کے تحت میں نے ابتدائی چار حصّوں میں بھی تلخیص کا عمل اختیار کیا تھا۔ لیکن افلاطون کے مخصوص انداز اور مکالموں میں جو ڈرامائی عنصر ہے۔ وہ بھی اپنے قاری تک پہنچانا میرا مقصد ہے۔ میرے سامنے ری پبلک کو اُردو میں منتقل کرتے وقت جو مقاصد تھے۔ ان کا ذکر میں دیباچے میں کر چکا ہوں کہ اسے نئے دَور کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر نئے دَور کے اس قاری کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جو فلسفہ سے آشنا نہیں۔ اور جو افلاطون کو نہیں پڑھ سکا۔ ایسے قارئین کے لئے "ری پبلک" کا یہ ترجمہ اور تلخیص ایک تحریک بن سکتا ہے کہ وہ پورا متن پڑھے اور اصل کی طرف رجوع کرے۔ (س۔ ل)

کتاب پنجم

افلاطون ری پبلک کے پانچویں حصّہ میں سقراط کے حوالے سے یہ بحث چھیڑتا ہے کہ ایک ریاست کو کس طرح چلایا جا سکتا ہے۔ اس کے سامنے ایک آئیڈیل ریاست کا خاکہ بھی بنتا ہے لیکن اس مسئلے پر وہ اصرار نہیں کرتا کہ کیا ایسی ریاست معرضِ وجود میں آسکتی ہے؟ دراصل وہ ہمارے سامنے کوئی بلیو پرنٹ نہیں رکھتا۔ کہ ہم اس پر یہ ریاست تعمیر کر سکیں۔

سقراط کہتا ہے۔ کہ جس طرح چار اچھائیاں یا خوبیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح چار برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ اڈیمنٹس مداخلت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ وہ پہلے اس امر کی وضاحت کرے جس میں عورتوں کو بھی سربراہ بنایا جا سکتا ہے۔ اڈیمنٹس یہ جاننے کا خواہاں بھی ہے کہ ہم جنہیں سربراہ بنائیں گے۔ ان کی خاندانی زندگی کیسی ہوگی۔ اُسے یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ اس طرح ہم جن کو سربراہی کے فرائض سونپیں گے وہ کہیں بددیانتی کا شکار نہ ہو جائیں

اس سلسلے میں یہ بات بھی سامنے لائی جاتی ہے کہ سربراہوں (سیاست دانوں) کا خاندان نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی ان کو شادی نہ کرنی چاہیے۔ اگر ان کی اولاد ہوگی تو خواہ وہ آہنی ارادے کے مالک ہی کیوں نہ ہوں وہ اپنی اولاد کے لئے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھیں گے اور ان کو مراعات بھی دیں گے۔ اس لئے یہ بہتر ہے کہ معاشرہ اجتماعی بنیادوں پر کھڑا کیا جائے اور سربراہوں کی بیویاں اور بچے بھی "مشترکہ" ہوں۔ عورتوں کو سربراہی اور معاشرتی ذمہ داریاں کو سونپنے کے لئے افلاطون یہ وزنی دلائل دیتا ہے۔ کہ جس طرح ایک کتا۔ ریوڑ کی نگرانی بڑی ذمہ داری اور چوکسی سے کرتا ہے۔ اسی طرح ایک کتیا بھی یہ فرائض اور یہ ذمہ داری انجام دیتی ہے۔ جب ایک گھوڑی بھی گھوڑے کی طرح ایک چھکڑا کھینچ لیتی ہے تو پھر گھوڑی یا کتیا کو کمتر کیوں سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ جب ہم جانوروں میں جنسی حیثیت سے کوئی حد امتیاز قائم نہیں کرتے تو پھر انسانوں کی صلاحیتوں اور جنسی امتیاز کو سامنے کیوں رکھا جائے۔

اس لئے سقراط کہتا ہے کہ ہمیں اپنی ریاست میں عورتوں کو بھی ذمہ داریاں سونپنی چاہئیں۔ جو مردوں کو سونپی جاتی ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کے امتیازات یا ترجیحات کو روا نہیں رکھنا چاہیئے۔ اس لئے ہمیں عورتوں کو بھی وہی تعلیم دینی چاہیئے۔ جو ہم مردوں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

> اگر انسان معقول اور خوش مزاج ہو تو بڑھاپے کو بڑے اچھے طریقے سے برداشت کر سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو جوانی بھی ایک بوجھ ہے۔

اس سلسلے میں جو بحث آگے بڑھتی ہے۔ اس میں یہ اعتراض اٹھائے جاتے ہیں کہ ہم ہر شخص کو ایک سا کام نہیں سونپ سکتے۔ کیونکہ ہر شخص کو اس کی فطرت اور صلاحیت کے مطابق کام لینا چاہیئے۔ مختلف طبائع کے لوگوں کے لئے مختلف طرح کے کام ہونے چاہییں۔ اس سلسلے میں بحث یہاں پہنچتی ہے کہ پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ "مختلف" یا "یکساں فطرت اور عادت" میں کیا فرق ہوتا ہے۔ "مختلف" سے ہم یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ کام جو واضح مختلف ہوں۔ یہ نہیں کہ ایک گنجا شخص بڑھئی نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی بڑھئی بننے کے لئے انسان کے سر پر بال ہونے ضروری ہیں۔ یہ درست ہے کہ مردوں اور عورتوں میں ایک واضح فرق پایا جاتا ہے۔ عورتیں — بچے جنتی ہیں۔ جو مردوں کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن اس فرق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم مردوں اور عورتوں کے درمیان — ہر شعبے اور ہر معاملے میں فرق روا نہیں رکھ سکتے۔ نہ ہی یہ جنسی امتیاز اس سکیم میں بھی روا رکھا جاسکتا ہے۔ جو ہم سب کے لئے مناسب سمجھتے ہیں۔

سیاسی اور سربراہی ذمہ داریوں میں جنس کے حوالے سے عورتوں اور مردوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جا سکتا۔ قدرت نے مردوں اور عورتوں کو یکساں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

یہ متنازعہ "مسئلہ" جب سقراط تسلیم کرلیتا ہے تو پھر اس حصے میں ایک دوسرے مسئلے کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ ریاست کی سربراہی کرنے والوں کی بیویاں اور بچے مشترکہ ہونے چاہئیں۔ تاکہ کوئی والد یا ماں اپنے بچوں کو صحیح طور پہچان نہ سکے کہ کون کس کا بچہ ہے۔ اور یوں وہ کسی کے ساتھ خصوصی برتاؤ یا سلوک نہ کرسکیں گے۔

حکمرانوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ یہ جانتے ہوں کہ حکمرانی کس طرح کی جاتی ہے سربراہوں حکمرانوں اور سیاست دانوں کی اپنی کوئی نجی جائیداد نہیں ہوگی۔ وہ کمیونٹی میں مشترکہ اور اجتماعی طور پر ہی زندگی بسر کریں گے۔ ان کا اپنا کچھ بھی نہ ہوگا۔ وہ اجتماعی بارکوں میں سوئیں گے۔ اور اجتماعی بارکوں میں کھانا کھائیں گے۔ وہ مرد اور عورتیں جو سربراہی کی ذمہ داریاں اٹھائیں گے۔ وہ روزانہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم کریں گے۔ ریاست کی بہتری کے پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اسے اخفا میں رکھیں گے کہ کون کس کی اولاد ہے۔ کوئی ماں اپنے بچے کی شناخت نہ کرسکے گی۔ [1]

افلاطون "ری پبلک" میں بتاتا ہے کہ عورت کے بچہ جننے کی عمر بیس سے چالیس برس تک ہونی چاہیئے۔ اور مرد کی عمر پچیس برس سے پچپن برس تک۔ یہ عمر کے وہ حصے ہیں۔ جن میں انسان توانا اور ذہنی طور پر مستحکم ہوتا ہے۔ سربراہوں کو بھی اسی عمر میں بچے پیدا کرنے کی اجازت ہوگی۔ اور جو بچے پیدا ہوں گے وہ سب کے سب ایک دوسرے کے "بھائی" اور ایک دوسری کی بہنیں ہوں گے۔

ایک ریاست اس وقت مستحکم اور متحد ہوتی ہے۔ جب اس کے عوام یکساں اور زیادہ چیزوں پر اپنی مسرت اور اطمینان کا اظہار کریں۔ اور ایسی صورت حال اسی وقت ہی کسی ریاست میں پیدا کی جا سکتی ہے۔ جب عوام میں "من و تو" کا جھگڑا نہ ہو کہ یہ چیز "میری" ہے۔ اور یہ چیز تیری۔ جب سب یہ سمجھیں گے یہ چیز مشترک ہے تو پھر وہ صورت حال پیدا ہوگی کہ جیسے انگلی میں درد ہو تو سارا جسم درد کرتا ہے۔

عوام اپنے سربراہوں کو اپنا آقا نہیں سمجھیں گے بلکہ انہیں اپنا محافظ پائیں گے۔ اور سربراہ بھی اپنے عوام کو اپنے معاون اور مددگار پائیں گے۔ سربراہ ایک دوسرے کو "ساتھی" سمجھیں گے جیسے ایک دوسرے کے عزیز ہوں۔ ان سب کے معاملات، دکھ درد، اور خوشیاں مشترک ہوں گی۔ ایسا معاشرہ۔ یا کنبہ اس لئے بھی مفید اور ناقابل شکست ہوگا کہ ان سربراہوں کی نہ تو کوئی جائیداد ہوگی اور نہ ہی انہیں کوئی معاوضہ یا تنخواہ دی جائے گی۔ جس طرح ان کا کنبہ اجتماعی اور مشترکہ ہے۔ اسی طرح ان کی ہر چیز مشترکہ اور اجتماعی ہوگی۔ اس لئے ان میں کبھی "میری" اور "تیری" کا تنازعہ پیدا نہ ہوگا۔ کسی سربراہ کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ کسی ایسی چیز کو اپنالے جس کی وجہ سے اس کی ریاست کے ساتھ کسی قسم کی بھی کشمکش پیدا ہوسکتی ہے۔ اُسے یہ موقع ہی نصیب نہ ہوگا کہ وہ اپنے ذاتی اثر و رسوخ کو بروئے کار لاسکے۔ ان کے پاس ایسا کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ جس کو تقسیم کرسکیں۔ اس کا بین نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اپنے سے بڑے سب عمر لوگوں کو اپنے والدین سمجھیں گے اور اپنی عمر کے تمام لوگوں کو اپنا بھائی۔ اور اپنے سے چھوٹوں کو اپنے بیٹے اور بیٹیاں۔

چونکہ ان کے پاس کبھی نقد رقم نہ ہوگی اس لئے وہ کبھی کسی کو کسی سلسلے میں بھی رشوت نہ دے سکیں گے۔ کیونکہ ان کے لئے کسی کو رشوت دینا ممکن ہی نہ ہوگا۔ ان کا طرۂ امتیاز اور ان کی خدمات کا حاصل یہ ہوگا کہ معاشرے میں ان کو عزت و تکریم سے دیکھا جائے گا۔ ہر شخص ان کی عزت کرے گا۔

سقراط ایڈمنٹس کے سوالوں کے جواب میں حکمرانوں کی صفات بیان کرتا ہے۔ اور یوں یہ بحث طول پکڑتی ہے۔ سقراط کہتا ہے کہ اگر کسی ریاست میں برائی نظر آتی ہے۔ اگر کوئی

---

[1] افلاطون کے بعض شارحین نے اس امر پر زور دیا ہے کہ افلاطون ایک ایسی ریاست کی تشکیل چاہتا تھا۔ جو اشتمالی بنیادوں پر کھڑی ہو۔ لیکن افلاطون کی یہ تشریح میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہمیں کسی ایسی ریاست کا خاکہ مہیا نہیں کرتا۔ جسے تخلیق کرنا چاہیئے۔ بلکہ وہ اس امر پر زیادہ زور دیتا ہے کہ انسان کتنا نامکمل ہے۔ اگر وہ کمیونزم کے خدوخال واضح کرتا تو پھر وہ اصول نہ بناتا۔ کہ جن میں عوام کے بجائے صرف سربراہوں کو قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح وہ نجی جائیداد کا مخالف نہیں۔ صرف سربراہوں اور حکمرانوں پر یہ پابندی لگاتا ہے۔ کہ ان کی کوئی جائیداد نہ ہو۔

(س۔ ط)

ریاست مکمل اور مثالی ریاست نہیں ہے تو اس کا ایک ہی سبب ہے اور وہ یہ کہ طاقت اور دانش۔ ایک ہی ہاتھ میں نہیں ہوتے۔ وہ جن کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار ہوتی ہے۔ وہ دانش سے محروم ہوتے ہیں۔ اور وہ جو عالم اور دانشمند ہوتے ہیں وہ اقتدار سے دُور رکھے جاتے ہیں۔ یا وہ خود اقتدار سے دُور رہتے ہیں۔ جب تک حکمران فلسفی نہ ہوں یا فلسفی جب تک حکمران نہ ہوں۔ جب تک سیاسی قوت اور فلسفہ و دانش ایک ہی حکمران یا سربراہ ہی میں یکجا نہیں ہوتے۔ تب تک دنیا سے برائی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ [1]

یہاں گلوکن کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ فلسفی کی صحیح تعریف کیا ہے۔ وہ فلسفی جو حکمران بھی ہو سکے۔ سقراط اپنے مخصوص انداز میں سوال و جواب کے مراحل سے گزرتا ہوا کہتا ہے۔

"وہ لوگ جو سچائی کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو سچائی کے عاشق ہیں۔"

یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو سقراط، گلوکن نے کہا۔ "لیکن کیا تم اس کی کچھ اور وضاحت نہ کرو گے۔"

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا تم اسے تسلیم کرو گے۔"

"ہاں وہ کیا ہے؟" گلوکن پوچھتا ہے۔

"خوبصورتی ــــ بدصورتی کی ضد ہے۔ یہ دو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں کیا تم یہ تسلیم کر سکتے ہو؟"

"بلاشبہ یہ دو چیزیں ہیں۔"

"اگر یہ دو چیزیں ہیں تو جب ہم ان دونوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ سمجھیں گے تو وہ ایک چیز بن جائیں گے۔"

"ہاں یہ بھی سچ ہے۔"

"تو بس پھر یہی بات ہے جو انصاف اور بے انصافی، خیر اور شر اور تمام عمومی تصورات کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ ان میں سے ہر چیز۔ علیٰحدہ ہے۔ لیکن جب وہ اعمال اور اجسام میں کسی طرح اندر ہی اندر گھل مل جاتی ہیں اور وہ ہمیں ہر جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ تو پھر ہر ایک چیز ــــ کئی چیزوں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"اچھا تو پھر اس اصول کی روشنی میں مَیں تمہارے سامنے ایک حد کھینچتا ہوں جس سے تم ان لوگوں میں فرق محسوس کر سکو گے۔ جو ظاہر بین ہیں۔ جو آرٹ سے محبت کرتے ہیں۔ اور عملی انسان۔ اور ان میں سے ہمیں کسی ایک کو فلسفی کا نام دینا ہے۔"

"ہاں تم اس کی وضاحت کرو۔"

"مطلب، تو میرا خیال ہے۔ کہ وہ سب جو دیکھنے اور سُننے سے محبت کرتے ہیں۔ جو آرٹ کو پسند کرتے ہیں۔ جو رنگوں کی اشکال اور دوسری تمام فنکارانہ اشیاء کو چاہتے ہیں۔ وہ ایک طبقہ ہے۔ اصل حُسن تو اشیاء کے اندر ہوتا ہے۔ علم مقاہمت باطنی کا نام ہے اس لئے اگر وہ ظاہر تک ہی رہے تو پھر وہ اشیاء کے اصل حُسن کو نہ پا سکیں گے۔"

"ہاں یقیناً ــــ یہ تو وہی بات ہوئی جو تم کہہ رہے ہو۔"

"تو پھر وہ جو اصل تک رسائی کی صلاحیت رکھتے ہوں جو استغراق، تفکر سے مجرد حُسن تک پہنچ سکیں، ان کی تعداد تو بہت کم ہوگی۔"

"بلاشبہ وہ کم ہوں گے۔"

اس بحث میں سقراط ہمیں اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ سچا دانشمند اور فلسفی وہ ہے جو دانش اور اس کی تمام شاخوں اور متعلقہ موضوعات کا جویا ہو۔ جس نے اپنے آپ کو دانش کے حصول کے لئے وقف کر رکھا ہو۔ سچے فلسفی اور عام فلسفی میں یہ فرق ہے کہ عام فلسفی اپنے گرد و پیش کی چیزوں کے ظاہری حُسن اور نمود سے ہی تسکین حاصل کر لیتا ہے۔ جبکہ سچا فلسفی اس حُسن اور اشیاء کے باطن میں اُتر تا ہے۔ ان کے جوہر تک پہنچتا ہے۔ اور یوں وہ مجرد حُسن تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اشیاء کا اصل وجود ان کا باطن ہوتا ہے۔ وہی جوہر اور اصل ہے۔ اور سقراط اس بحث کو یہاں ختم کرتا ہے کہ وہ جو اصلی وجود کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ دانش کے عاشق یا فلسفی ہیں۔ وہ جو ظاہری وجود تک رہتے ہیں۔ ان کو فلسفی نہیں کہا جا سکتا۔

اس بحث سے جو موضوعات پھوٹتے ہیں۔ ان میں اہم ترین موضوع یہ ہے کہ علم کی اقسام کیا ہیں؟

علم کی اقسام کے سلسلے میں ایک تو علم ظاہری ہے۔ اور انفرادی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ دوسرا علم جو اصل ہے وہ علم باطنی ہے اور اجتماعی بھی۔ اس کو دوسرے لفظوں میں نظری اور عملی علم کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اور پھر ان کے ساتھ حقائق کا ربط بھی بڑا معنی رکھتا ہے۔ اور حقیقت تہہ دار ہوتی ہے۔ حقیقت اور علم کے بارے میں ہم افلاطون کے اس نظریے کو PLATONICRE ALISM کا نام دیتے ہیں۔ اور اس کے تحت افلاطون ریاست کے سربراہ کے ساتھ یہ شرط بھی لازم کر دیتا ہے۔ کہ وہ سب علوم پر حاوی ہو۔ یا یوں کہ وہ علم کی کلیت سے بہرہ مند ہو۔

کتابِ ششم

"ری پبلک" کے پانچویں حصے میں سقراط کے حوالے سے ہم فلسفی کی صحیح تعریف سے متعارف ہو چکے ہیں۔ اور اس نتیجے پر بھی پہنچتے ہیں کہ ریاست کی سربراہی کے لئے فلسفی سے موزوں حکمران نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں فلسفیوں کی جو تعریف پیش کی گئی۔ وہ کچھ یوں تھی۔ کہ وہ ہر طرح کے علم کی لگن اور پیاس رکھتا ہے۔ وہ حقیقی وجود کی حقیقت جاننے کا متلاشی ہوتا ہے۔ وہ جھوٹ اور بُرائی سے نفرت کرتا ہے۔ اور سچائی سے محبت کرتا ہے۔ وہ سچائی کے لئے ہر طرح کا ایثار دے سکتا ہے۔ وہ جسمانی لذتوں اور عیاشی سے اجتناب کرتا ہے۔ روپے پیسے کی طمع نہیں رکھتا۔ وہ وسیع النظرف، عالی رائے اور آزاد ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ وہ منصف اور آزاد خو ہوتا ہے۔ اس کی قوتِ فیصلہ تیز اور حافظہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ اس کے تمام اعمال میں ایک ہم آہنگی اور مستقل مزاجی ہوتی ہے۔

ایڈمنٹس کو یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ وہ یوں تو سقراط کے تمام دلائل سے متفق ہے لیکن عملی صورت یہ ہے کہ فلسفہ کے محنتی اور شائق طالب علم بعد میں بے کار، مایوس کن اور دنیا سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ سقراط جواب دیتا ہے کہ کسی حد تک یہ بات درست ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس کا الزام کس کے سر دھرا جائے گا۔ اس کا الزام فلسفہ پر تو عاید نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ سیاست اور موجودہ دَور کے سیاست دان اس صورتِ حال کے ذمہ دار ہیں۔ اس دَور میں سچے فلسفی کو بھی معاشرتی اور سیاسی اثرات سے محفوظ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ اور پھر وہ لوگ جو فلسفے کے سچے طالب علم اور جویا ہیں ان کی جگہ وہ لوگ لے لیتے ہیں۔ جن

---

[1] ری پبلک میں یہ بحث بے حد اہم ہے۔ اور اسی نظریے پر افلاطون نے خاص زور دیا ہے۔ طاقت اور دانش کا ایک ہی فرد (حکمران) میں یکجا ہونا۔ مثالی ریاست کے لئے ناگزیر ہے۔

کا فلسفہ کے ساتھ تعلق واجبی ہوتا ہے۔ اور وہ بے کار محض ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی وجہ سے فلسفے کی توقیر میں کمی آجاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ فلسفہ کے علم کے حصول میں تیزی دکھاتے ہیں۔ وہ بھی بعض اوقات رستہ گم کر بیٹھتے ہیں۔ بعض فلسفی جلد ہی سیاسی دلچسپیوں سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان خرابیوں کا علاج کیا ہے؟ انہیں کس طرح دور کیا جاسکتا ہے؟ اور یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ فلسفے کا طالب علم ان تمام رکاوٹوں کو دور کر کے، یا نظر انداز کر کے صحیح انداز میں علم حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے لئے کس طرح ایسے اصول بنائے جائیں۔ کہ جو اس کی راہ کو ہموار کردیں۔ کیونکہ ایسا کرنا بے حد ناگزیر ہے۔ جبکہ ہم یہ نتیجہ اخذ کر چکے ہیں کہ اس وقت تک کوئی ریاست مثالی حیثیت اختیار نہیں کرسکتی اور نہ ہی خوشحالی سے ہمکنار ہوسکتی ہے جب تک اس کا سربراہ یا حکمران فلسفی نہ ہو۔

سقراط اس سلسلے میں سب سے زیادہ امراء (سربراہوں رگارڈین) کی تعلیم و تربیت پر زور دیتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ کئی امتحانوں اور آزمائشوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اور پھر یہ کہ جب تک یہ سربراہ مکمل تعلیم سے آراستہ نہ ہوں گے۔ اس وقت تک تمام رکاوٹیں برقرار رہیں گی۔ تعلیم کے سلسلے میں سقراط جس اعلیٰ ترین تعلیم پر زور دیتا ہے۔ وہ ہے "خیر" کی تعلیم۔ اور یہ "خیر" ایک ایسی چیز ہے کہ انسان اسے محسوس کرتا ہے۔ اس کو سمجھتا ہے۔ لیکن اس کو اصطلاحی یا تعریفی زبان میں کبھی بیان کرنا ممکن نہیں ہوسکا۔

ایڈمنٹس یہاں سقراط سے سوال پوچھتا ہے کہ "خیر" ہے کیا؟

سقراط اس کے جواب میں اعتراف کرتا ہے کہ وہ واضح طور پر یا قطعی انداز میں اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن وہ الفاظ کے سہارے سے اسے کسی حد تک بیان کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

سقراط بتاتا ہے کہ دو عالم ہیں۔ ایک عالم ظاہری۔ جسے ہم آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ ایسی اشیاء پر مشتمل عالم جسے آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اور دوسرا عالم باطنی ہے۔ جسے وہ دانش کے جہان سے بھی تعبیر کرتا ہے۔۔ جسے صرف خاص ذہانت کے ذریعے ہی محسوس کیا اور اس حد تک پہنچا جاسکتا ہے۔ عالم ظاہری میں امیجز ہیں۔ سائے ہیں۔ عکس ہیں۔ اشیاء اور مادی اشیاء اور مادی اشیاء کے مختلف روپ اور شکلیں ہیں۔

دوسرا عالم۔ عالم باطنی یا عالم دانش ہے۔ جس تک علم کے ذریعے پہنچ سکتے ہیں۔۔ اس میں وہ جیومیٹری کو بھی ایک ایسا علم بتاتا ہے جس کے ذریعے ہم اشیائے باطن تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ علم بھی ہے جو ہمیں مادے کے اصل اور جوہر تک پہنچاتا ہے۔ اور اس عالم باطن یا دانش تک پہنچنے کے لئے پہلے ہمیں بعض مفروضوں کو قائم کرنا پڑتا ہے۔ جو بالآخر ہمیں نتائج تک پہنچا دیتے ہیں۔

جب ہم عالم ظاہر اور عالم باطن میں فرق محسوس کریں گے تو ہماری ذہنی کیفیت میں ایک تبدیلی ہوگی۔ اور ہم بعض عقائد اور اصولوں پر یقین کریں گے اور یوں فہم و فراست اور عقل و دلیل کے دروازے کھل جائیں گے!!

> ایک انصاف پسند شخص کن مواقع پر اپنے دوستوں کو بہترین طریقے سے فائدہ اور دشمنوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟

کتاب ہفتم

(نوٹ) "ری پبلک" کا ساتواں حصہ۔ "ری پبلک" کی رُوح ہے۔ فلسفہ کے طالب علموں، ناقدوں، مبصروں اور شارحین اور افلاطون پر کام کرنے والوں نے ساتویں کتاب کو ہمیشہ سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کتاب کی تلخیص قدرے تفصیل سے پیش کی جا رہی ہے۔ (س۔ ط)

سقراط کہتا ہے "ذرا تصور میں ان چند افراد کو لاؤ۔ جو ایک غار میں بند ہوں۔ اس غار کا منہ کھلا ہو۔ اور اس میں سے روشنی جھانکتی ہو۔ اور وہ لوگ جو اس غار میں مقید ہیں۔ وہ بچپن سے اس غار میں رہ رہے ہیں۔ ان کی گردنوں میں طوق اور ٹانگوں میں زنجیریں پڑی ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ مجبور ہیں کہ ہمیشہ ایک ہی جگہ بیٹھے رہیں۔ اور ایک ہی طرف دیکھتے رہیں۔ کیونکہ وہ طوق اور زنجیروں کی وجہ سے اپنی گردن موڑ کر بھی کسی دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے۔ اور اب ذرا تصور کرو کہ عقب میں آگ کا الاؤ روشن ہے جس کے شعلوں کو وہ دور ہی سے دیکھ سکتے ہیں اور پھر اس آگ کے الاؤ اور ان قیدیوں کے درمیان ایک راستہ بھی ہے جہاں سے لوگ گزرتے رہتے ہیں۔ اور پھر اس "دیوار" کے پیچھے سے انسان گزرتے ہیں اپنی اور ... اپنے مویشیوں کی شبیہیں اور مجسمے لے کر، اور یہ بھی تو سوچو کہ ان گزرنے والوں میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جو ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی جو خاموشی سے وہاں سے گزر جاتے ہوں گے۔

"سقراط تم ایک عجیب و غریب منظر کا نقشہ کھینچ رہے ہو" ایڈمنٹس نے کہا۔

"ہاں وہ قیدی ہماری طرح ہیں۔ ہم سے گہری مشابہت رکھتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ ان کا علم محدود ہے۔ وہ ایک ہی نظارے کے ناظر ہیں۔ ان کو تو اتنی سی 'آزادی' بھی نصیب نہیں کہ وہ گردن موڑ کر کسی دوسری طرف دیکھ سکیں۔ اچھا تو اب یہ بتاؤ کہ غار کے یہ قیدی آپس میں گفتگو کرتے ہوں گے تو کیا وہ ان اشیاء کے نام اپنے طور پر نہ رکھتے ہوں گے۔ جنہیں دیکھنے کے مواقع انہیں اس طرح سے ملتے رہتے ہیں۔"

"یقیناً وہ اس طرح سے تو گفتگو کرتے ہی ہوں گے۔"

"تو پھر یقیناً یہ لوگ اشیاء کے جن سایوں کو دیکھتے ہوں گے انہیں ہی حقیقی اشیاء سمجھتے ہوں گے۔"

"بلاشبہ وہ ایسا ہی کرتے ہوں گے!"

"اچھا تو اب ذرا تصور کرو کہ ان میں سے ایک کسی طرح ان زنجیروں اور طوق سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور آنکھیں کھول کر روشنی کی طرف دیکھتا ہے، گردن گھما کر ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد کھلی آنکھوں کے ساتھ اس آگ کی طرف دیکھتا ہے۔۔ اور یہ بھی فرض کر لیں کہ ان اعمال اور حرکات کے درمیان وہ مسلسل درد محسوس کرتا ہے۔ اور پھر دہکتی ہوئی آگ، اور چمکدار روشنی اس کی ان آنکھوں کو جو تاریکی کی عادی ہو چکی ہیں، چندھیا دیتی ہیں۔ اور وہ۔۔ ان ہیولوں اور سایوں کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جنہیں دیکھنے کا وہ مدتوں سے عادی ہو چکا تھا تو

اس وقت اگر اُس سے کوئی یہ سوال کرے کہ وہ پہلے جن چیزوں کو دیکھتا تھا وہ واہمے اور سائے تھے اور اب وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، وہ حقیقت سے قریب تر ہیں تو اس کا جواب کیا ہوگا۔ اور پھر مختلف اشیاء جو وہاں سے گزر رہی ہوں جب اُن کے بارے میں اس سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ چیزیں کیا ہیں؟ تو کیا وہ پریشان نہ ہو جائے گا؟ اور وہ انہی اشیاء کو سچی اور حقیقی نہ سمجھے گا جنہیں وہ ماضی میں دیکھتا رہا تھا۔

"ہاں تم بجا کہہ رہے ہو۔"

"اور فرض کرو اگر کوئی اسے زبردستی اس غار سے باہر دھکیل کر لے جائے اور وہ سورج دیکھے تو کیا اس کی آنکھیں چندھیا نہ جائیں گی۔ اور وہ چیزیں جو دراصل حقیقی ہیں۔ کیا وہ ان کے بارے میں پریشان ہوگا۔"

"ہاں اس کا پہلا ردِعمل تو کچھ ایسا ہی ہوگا۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب اس کو ان چیزوں کو دیکھنے کی عادت ہو جائے گی تو وہ اس قابل ہو جائے گا کہ بیرونی دنیا کی چیزوں کو دیکھ سکے۔ سب سے پہلے تو وہ سایوں ہیولوں اور اصل اشکال و اجسام کے فرق کو بڑی کامیابی سے محسوس کرے گا۔ پھر وہ پانی میں انسانوں اور دوسری اشیاء کے عکس کو دیکھ اور سمجھ سکے گا اور پھر صورتِ حال کو بھی پالے گا پھر وہ اپنی آنکھیں اوپر اٹھا کر چاند اور ستاروں کو دیکھ سکے گا۔ اور پھر یوں وہ دن کے وقت سورج اور اس کی روشنی کا نظارہ کر سکے گا۔"

سقراط غار کی اس الیگوری کو بتانے کے بعد ہمیں اس کے معنی تک لے جاتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ وہ شخص جو اس طرح سے غار سے باہر نکل آیا ہوگا وہ اس قابل ہو جائے گا کہ یہ سمجھ سکے کہ یہ سورج ہی ہے جو ان تمام اشیاء کا منبع اور سرچشمہ ہے جنہیں وہ دیکھ رہا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ یہ سورج ہی ہے جو کسی نہ کسی صورت میں اس آگ اور سایوں کا منبع ہے۔ جنہیں وہ غار میں مدتوں دیکھتا رہا تھا۔

جب اس "آزاد" شخص کو اپنے غار کے ساتھیوں کا خیال آئے گا تو وہ بلاشبہ ان پر رحم کھائے گا۔ کیونکہ اب اُسے یہ شعور حاصل ہو چکا ہے کہ وہ مکمل تباہی اور بربادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور پھر یہ کہ وہ اپنی لاعلمی کی گہرائی سے بھی ناواقف ہیں۔ اب ہمارا یہ فلسفی جس پر روشنی اور سایوں کی حقیقت کھل چکی ہے۔ اپنی زندگی کو پرانے انداز میں بسر نہ کر سکے گا۔ اب خواہ اُسے کتنا ہی لالچ، کتنا ہی بڑا اعزاز اور رتبہ کیوں نہ پیش کیا جائے۔ وہ پہلی زندگی کی طرف لوٹ کر نہ جائے گا۔ اور نہ ہی ان اشیاء کو "حقیقت" ہی سمجھے گا۔

یہ لازمی امر ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی "آزادی" اور روشنی کی دنیا میں لانا چاہے گا۔ اور اس مقصد کے تحت وہ غار میں واپس جائے گا لیکن جب وہ غار میں پہنچتا ہے تو خود اندھا اور بے بس ہو گیا ہے کیونکہ وہاں اُسے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا ہے۔ اب وہ ان چیزوں کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ سائے تو اُسے دکھائی ہی نہیں دیتے جو اس کے ساتھیوں کے لئے بڑی اہمیت اختیار کر چکے ہیں اور وہ انہی سایوں اور ہیولوں کو ہی "علم" سمجھتے ہیں۔ اور انہی کی تفسیر و توضیح میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے اس فلسفی کی آنکھوں میں تو "سورج" کی روشنی رچ چکی ہے۔ وہ اندھیروں اور تاریکیوں کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس کے ساتھی اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہ وہ باہر جا کر کیا "حاصل" کر کے آیا ہے۔ یہی نا کہ بینائی تک کھو چکا ہے

وہ ایک دوسرے کو اس کی مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی نے ایسی "آزادی" حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے ہلاک کر دیں گے۔

اس تمثیل (الیگوری) کی وضاحت سقراط یوں کرتا ہے کہ یہ غار "سنسنی، سرسری رائے" اور تبدیلی کی دنیا ہے۔ جبکہ اس غار کے باہر جو دنیا ہے۔ وہ علم کی دنیا ہے۔ اور صداقتوں کی دنیا ہے۔ اور ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔ اور اس غار سے باہر۔ بلندی کی طرف سفر۔ رُوح کا وہ سفر ہے۔ جس میں رُوح کی روشنی ملتی ہے۔ اس سفر کا اختتام یہ ہے کہ انسان "سورج" کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ جو علم، روشنی اور خیر کا منبع اور علامت ہے۔

یوں سقراط اس تمثیل کے حوالے سے تمام علوم کی بنیاد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور علوم کے جتنے تصورات ہیں۔ ان کی گہرائی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام علوم عقلیت پر مبنی ہیں۔ ایک سائنس کا درجہ رکھتے ہیں۔ کہ انہیں حاصل کرنے کے لیے۔ ان کی تہہ تک پہنچنے کے لئے لمبی اور پر صعوبت جدوجہد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اس تمثیل کے کئی پہلو ہیں اور اس میں معنی کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ اس تمثیل کے حوالے سے سقراط ہمیں یہ معنی بتاتا ہے۔ کہ ہمارے فلسفی اس دنیا میں "بے کار" ہو چکے ہیں۔ وہ جب روشنی میں جاتے ہیں تو بھی اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر روشنی سے تاریکی کی طرف سفر کرتے ہیں تو بھی اندھے ہو جاتے ہیں۔ اس میں پہلی قسم کا اندھا پن ایسا ہے کہ جس پر رشک کیا جا سکتا ہے اور دوسری قسم کا اندھا پن قابلِ رحم ہے۔ اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے سقراط ہمیں بتاتا ہے کہ اگر ہم سوچتے ہیں کہ ہم علم کو کسی رُوح میں داخل کر سکتے ہیں تو یہ سوچ غلط ہے۔ یہ اسی طرح ناممکن ہے۔ جیسے کسی اندھے کی آنکھوں میں روشنی سمونے کی کوشش کی جائے۔

"علم رُوح میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ رُوح میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ علم کو اپنے اندر سمو سکے۔ لیکن رُوح خوابیدہ ہوتی ہے۔ اسے بیدار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ وہ "روشنی" یا علم کی طرف اپنا رُخ کر سکے۔

"آنکھوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ روشنی کو برداشت کر سکیں۔ اور اسی طرح رُوح میں صرف یہ اُمنگ پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ سچائی کو قبول کر سکے۔"

اس تمثیل کے بعد سقراط وہ صفات بیان کرتا ہے۔ جو کسی ریاست کے سربراہ میں ہونی چاہئیں۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ بچپن کے زمانے میں ہی مستقبل کے سربراہوں اور حکمرانوں کو یہ تربیت دی جائے کہ وہ "غار" سے نکل کر بلندی کی طرف بڑھیں اور پھر ان لوگوں کے لئے کام کریں جو "تاریکی اور غار کے اسیر" ہیں۔

اس کے بعد سقراط سربراہوں اور نگہبانوں کے لئے ایک طرح کا نصاب مرتب کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ انہیں یہ تعلیم دی جائے کہ وہ خیر اور صداقت کو پا سکیں۔ وجود اور حقیقت کی دنیا کا شعور رکھتے ہوں۔ موسیقی اور ورزش کی تعلیم اور تربیت بھی ان کے لئے ناگزیر ہے اور پھر ریاضی کی تعلیم بھی ازبس ضروری ہے۔ علم ریاضی پر سقراط نے بڑی تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے اس علم کی اہمیت واضح کی ہے۔ اس کے بعد سقراط کہتا ہے۔

"انہیں میدانِ جنگ میں بھیجنا چاہیے تاکہ وہ جنگ کا مشاہدہ اور تجربہ کر

سکیں ۔ اور پھر جب ان کی عمر تیس برس ہو جائے تو انہیں اپنے علم اور دانش کے استعمال کی اجازت دی جائے ۔ تیس برس سے پہلے کی عمر میں علم اور تجربہ دونوں ناپختہ ہوتے ہیں ۔

کتاب ہشتم

ری پبلک کے آٹھویں حصے میں افلاطون نے اپنا نظریۂ تاریخ پیش کیا ہے ۔ افلاطون کا نظریۂ تاریخ دو عناصر پر مشتمل ہے جو ہمارے لئے اجنبی نہیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ۔ ریاست کے حوالے سے فرد کی شناخت اور دوسرا یہ کہ ہر طرح کی تبدیلی انحطاط اور زوال پہ منتج ہوتی ہے ۔ افلاطون نے اپنے نظریۂ تاریخ کے ان دو عناصر کو ایک خاص انداز میں پیش کیا ہے ۔ کہ دونوں عناصر ایک دوسرے کا ناگزیر جزو بن گئے ہیں ۔

افلاطون ریاست اور فرد دونوں کو یکساں اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے کا حصہ قرار دیتا ہے ۔ ریاستیں افراد کے مجموعے سے ہی تشکیل پاتی ہیں ۔ اس لئے جو عناصر یا اسباب افراد کی تباہی کا سبب بنتے ہیں ۔ وہی اسباب ریاستوں کی تباہی کے ذمہ دار ہوتے ہیں ۔ اس لئے جو بھی تبدیلی آئے وہ دونوں ۔ ریاست اور افراد کے لئے یکساں ہونی چاہیئے ۔ اگر فرد کی زندگی میں وہی تبدیلی پیش آئے جو ریاست کے اندر آتی ہے تو پھر دونوں ہم آہنگ نہ رہ سکیں گے ۔ اور اس کے نتیجے میں ریاست اور فرد دونوں کو زوال کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ اور ہر وہ چیز جس کا آغاز ہے ۔ اس کا ایک انجام بھی ہے ۔ اُسے زوال آشنا ہونا پڑتا ہے ۔

آٹھویں کتاب میں سقراط ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ طریقِ حکومت کیا ہیں ۔ ان میں وہ طبقۂ اشرافیہ کی حکومت ، ان مالدار لوگوں کی حکومت جن کے ہاتھ میں قوت ہو ۔ اور چند سرداروں کی حکومت اور شخصی اور مطلق العنان جابرانہ حکومت اور جمہوریت کا ذکر کرتا ہے ۔ جس طرح ریاست کا طریق حکومت پانچ طبقوں اور طریقوں میں سے کسی ایک پر ہوتا ہے ۔ اسی طرح افراد میں بھی ایسی ہی خصوصیات ہوتی ہیں ۔ اور وہ ان طریق حکومت کی نمائندگی کرتے ہیں

سقراط ہر طبقے کے افراد کا تفصیل سے جائزہ لیتا ہے ۔ اور ان تمام خطرات اور پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے ۔ جو ریاست کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں ۔ وہ بتاتا ہے کہ دولت کی محبت ۔ جو اس طرزِ حکومت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس میں قوت مالدار قوتوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے وہ ایک ایسی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ جس میں اقتدار چند سرداروں کے ہاتھوں میں آجاتا ہے ۔ اور پھر ایسا ہی قوت کا معیار مقرر ہو جاتا ہے کہ کس کی جائیداد کتنی زیادہ ہے ۔ اور یہ ایک بہت بڑی برائی ہے ۔ اور یوں ایسی ریاست میں غربت اور امارت ساتھ ساتھ چلتے ہیں ۔ اور یوں شہر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ۔ ایک حصہ امراء کا اور دوسرا غرباء کا اور یہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف سازش میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔

ایسی ہی صورتِ حال ۔ اس فرد کے ذریعے بھی پیدا ہوتی ہے ۔ جو اس طرزِ حکومت کو پسند کرتا ہے ۔ جس میں حکومت چند سرداروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے ۔ ایسے شخص کے اندر اقتدار کی ہوس بڑھ جاتی ہے ۔ وہ اپنا بہروپ بدلتا ہے ۔ اور ظاہر تو یہ کرتا ہے کہ وہ ریاست کی بہبود کے لئے کام کر رہا ہے ۔ لیکن در اصل وہ اپنے لئے دولت پیدا کرنے کے لئے لگا رہتا ہے ۔ دولت کے ساتھ یہ بے پایاں محبت ۔ بالآخر حکومت کو چند ہاتھوں تک محدود کر دیتی ہے ۔ اور یوں ریاست میں اس طبقے کے افراد میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ جو غریب ہوتے ہیں ۔ اور جو بعد میں ہتھیار اٹھا لیتے ہیں ۔ دولت اور سرمایہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ اور مساوات اور بنیادی حقوق کے طلبگار ہوتے ہوئے ان کے لئے جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں ۔ اور اس سے جو صورتِ حال پیدا ہوتی ہے ۔ وہ جمہوریت ہے ۔

یہ شخص ۔ جو "جمہوری فرد" ہے ۔ اس کے متعلق سقراط بتاتا ہے ۔ کہ ایسا شخص کسی مستقل اصول کی رہنمائی کے بغیر زندگی گزارتا ہے ۔ وہ زندگی سے یوں لطف اندوز ہوتا ہے کہ جیسے آج کے دن ہی سب کچھ مل جائے گا ۔ اس کی سوچ صرف اس دن تک محدود ہوتی ہے ۔ وہ ایک مسرت سے دوسری مسرت کا رُخ کرتا ہے ۔ اُسے کہیں قرار نہیں ۔ تمام سہولتیں اور مسرتیں اس کے لئے یکساں طور پر اچھی ہیں ۔ اور مختصراً یہ کہ اس کا نعرہ ہوتا ہے "آزادی اور مساوات" ۔

آزادی کے ساتھ یہ مبالغہ آمیز محبت ۔ جمہوریت کے ردِ عمل کو سامنے لاتی ہے ۔ اور وہ مطلق العنانی پر مبنی جابرانہ حکومت ہے ۔

کتاب نہم

"ری پبلک" کی نویں کتاب میں بھی یہ موضوع زیرِ بحث رہتا ہے ۔ اور سقراط ہمیں بتاتا ہے کہ "جابر اور مطلق العنان" فرد ۔ دراصل "جمہوری فرد" کا سچا سپوت ہوتا ہے ۔ جس کے اندر ایک عنصر ایسا ہوتا ہے جو بڑھتے اور پھولتے ہوئے اس پہ حاوی ہو جاتا ہے ۔ ہر طرح کی سفلی اور پست خواہشیں اس کے اندر سمائی ہوتی ہیں ۔ وہ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے تشدد پہ اتر آتا ہے ۔ یہ جابر ۔ مطلق العنان فرد ۔ بے انصاف ، ناقابلِ اعتماد ، بے عقیدہ اور ناپاک ہوتا ہے ۔ اور ایسی ہی ریاست کی بنیاد رکھتا ہے ۔

جس طرح ریاست ۔ خوش حال یا بدحال ہوتی ہے ۔ اُسی طرح ۔ فرد کی بھی یہی حالت ہوتی ہے ۔

افلاطون سقراط کے حوالے سے ہمیں اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ اشرافیہ (ارسٹوکریسی) کی حکومت ۔ تمام حکومتوں سے بہتر ہوتی ہے ۔ اور سب سے بدتر طرزِ حکومت اور فرد ۔ مطلق العنانیت اور مطلق العنان جابر ہوتا ہے ۔

سقراط ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی روح کے تین بنیادی خصائل ہوتے ہیں ۔ عقلیت پسند یعنی دانش سے محبت کرنے والی روح ، دوئم ۔ عزت اور وقار کی جویا روح اور اول سے محبت کرنے والی روح ۔ اور تیسری ۔ طامع آزما اور لالچ میں مبتلا روح ۔

اسی طرح مسرت کی بھی تین انواع ہیں ۔ جو روح کے ان تینوں خصائل کی طرح ہیں ۔ اور اس سے واضح ہے کہ فلسفی ۔ دانش اور علم کا جویا ہوتا ہے ۔ اور اس کا حصول ہی اس کی سب سے بڑی مسرت ہوتی ہے ۔ اور وہ آدمی جو سرکشی ہو وہ وقار کا طالب ہوتا ہے ۔ اور ایک وہ جو کہ دولت سے محبت کرتا ہے ۔

ان تینوں میں سے بہتر کون ہے؟ انصاف کیا جائے تو ۔ فلسفی سب سے بہتر ٹھہرتا ہے ۔ اور دوسرے نمبر پر وہ آتا ہے ۔ جو اقتدار اور وقار کا خواہاں ہوتا ہے ۔ اور تیسرے درجے پر دولت سے محبت کرنے والا ، اور اس سے ہم اس نتیجے پر بھی پہنچتے ہیں ۔ کہ دانائی ، وقار اور مسرت ۔ تینوں باہم پیوست ہیں ۔ جزو لاینفک ہیں ۔

"اصلی اور سچی مسرت کیا ہے" سقراط ہمیں بتاتا ہے کہ سچی مسرت دانش سے ہی ملتی ہے ۔

سقراط بتاتا کہ اس طرح پھر انسان ۔ تو انسان نہ ہوا بلکہ کوئی ایسا درندہ ہوا[ل] جس کے دھڑ پر کئی طرح کے سر ہوں ۔ اور اب چونکہ ہم ایک مثالی ریاست اور اس کے متعلقہ تمام پہلوؤں کے بارے میں پوری تفصیل اور جرح سے گفتگو کر چکے ہیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے ۔ کہ

ہر شخص کے لئے یہ بہتر ہے کہ اس پر مقدس اور راسخ اصولوں کے تحت' انصاف کی حکمرانی قائم کی جائے اور انصاف انسانی روح کے اندر سمویا نہیں جا سکتا تو بھی ۔ ۔۔۔ سماجی روابط میں انصاف کی روح کو جاری و ساری کیا جائے ۔ اور ہم میں ظاہری اور باطنی طور پر کوئی تضاد نہ ہونا چاہیئے ۔ بلکہ ظاہر و باطن میں ہم آہنگی ہونی چاہیئے ۔ اور یہی ایک منصف انسان کی سب سے صحیح تعریف ہے ۔

کتاب دہم

ری پبلک کی دسویں کتاب میں سقراط ۔ شاعری ، فطرت کی نقالی اور آرٹ کے متعلق بحث کرتا ہے ۔ اور وہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ آرٹ جو فطرت کی نقل ہوتا ہے ۔ وہ کیا ہوتا ہے ۔ اس ضمن میں سقراط کئی مثالوں سے اپنی بات سمجھانے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ مثلاً وہ بتاتا ہے کہ آرٹ کے تین مختلف مدارج ہوتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ایک چیز کو کس طرح استعمال میں لایا جاتا ہے ۔ اس سے کیا استفادہ کیا جا سکتا ہے ۔ دوسرا حصہ یہ کہ وہ چیز کیسے بنتی ہے ۔ اور تیسرا درجہ اس کی نقل کا ہے ۔ سقراط ہمیں بتاتا ہے کہ صرف ۔۔۔ استعمال کرنے والا ہی یہ جانتا ہے کہ صحیح چیز کیا ہے ۔ وہی تخلیق کار کو ہدایت دے سکتا ہے کہ وہ کس طرح بنائے ۔ بنانے والے کے ہاں ایک خاص حس ہوتی ہے ۔ لیکن وہ جو نقالی کرتا ہے ۔ وہ نہ تو اس حس کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی وہ یہ جانتا ہے کہ ایک چیز دراصل کیسے بنتی ہے ۔ وہ ان سب امور کے بارے میں مبہم سے تصورات ہی رکھتا ہے ۔

[ل] "ری پبلک" میں افلاطون نے جس چیز کو دراصل پیش کیا ہے وہ ایک ایسی ریاست ہے جس کا بنیادی روح انصاف ہو ۔ تھراسمکس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ آدمی تبھی مزے کی زندگی گزار سکتا ہے جب وہ بے انصاف بن جائے ۔ وہ کامیاب زندگی کے لئے بے انصافی کو لازمی قرار دیتا ہے ۔ اس ضمن میں اس نے دوغلے پن یا عیاری کو بھی قابل تعریف قرار دیا تھا ۔ کہ جب تک بے انصافیوں کا پول نہیں کھلتا اور اسے اس کے جرائم کی سزا نہیں دی جا سکتی اُسے یہی ظاہر کرنا چاہیئے کہ وہ منصف اور انصاف پسند ہے ۔ ری پبلک کے نویں حصے میں ہم اصل موضوع کی طرف پھر واپس آتے ہیں ۔ اور اب یہ مکالمہ اس مرحلے میں داخل ہو چکا ہے کہ تھراسمکس کے نظریے کو جھٹلایا جائے ۔

آرٹ کی اصل روح وہ عقلی پہلو ہے جو انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے ۔

اس حصے میں سقراط نے شاعری کی صنف پر بطور خاص بڑی کڑی تنقید اور بحث کی ہے ۔ اس بحث اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ری پبلک کے مفسروں ، مترجموں اور شارحوں نے صدیوں سے بہت کچھ لکھا ہے ۔ اور تائید و اختلاف کے سلسلے میں نئے نئے دلائل بھی دیئے ہیں ۔

سقراط شاعری پر سب سے بڑا یہ اعتراض کرتا ہے کہ چونکہ اس میں دوسروں کی حالت کا جذباتی اور ہمدردانہ بیان ہوتا ہے ۔ اس سے انسان اپنے مسائل کی طرف توجہ نہیں دے سکتا ۔ اور یوں اس کا ذہن کمزور پڑ جاتا ہے ۔ اس لئے ہمیں اپنے اذہان کے رجحانات اور دوسری وجوہات کو بھی نظر انداز کر کے یہ اصول وضع کرنا پڑے گا کہ ایک مثالی اور مکمل ریاست میں شاعروں کو صرف اتنی اجازت دی جائے گی کہ ۔۔۔ وہ

دیوتاؤں (خدا) کی حمد لکھ سکیں ۔

اکابرین کے کارناموں پر نظمیں لکھیں ۔

بڑے انسانوں کے عظیم کارناموں اور نیک کاموں کو منظوم کریں ۔

اور ہر وہ خیال جو ہماری ذہنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہو اس سے مکمل اجتناب کیا جائے ۔

اس موضوع کے نتائج کو سامنے لاتے ہوئے سقراط ہمیں اس حقیقت تک لے جاتا ہے ۔ انسانی روح لافانی اور ابدی ہے ۔

"ہر چیز میں ایک خاص بدی" خامی " یا کمزوری موجود ہوتی ہے ۔ جس سے وہ پوری چیز تباہ ہو جاتی ہے ۔ یا جیسے اندھے پن سے بصارت ' جیسے کیڑے سے گندم کی فصل ، گھن سے لکڑی ، اسی طرح وہ خامیاں یا برائیاں جو روح کے ساتھ منسلک ہیں ۔ وہ بے انصافی ' بے صبری ' بزدلی اور جہالت ہیں ۔

تو کیا یہ برائیاں روح کو تباہ کر سکتی ہیں ؟

" یقیناً نہیں ۔" سقراط بتاتا ہے " کیونکہ یہ روح کو لازمی طور پر تباہ کرنے کی صلاحیت اور قوت نہیں رکھتی ہیں ۔ جس طرح کوئی بیماری جسم کو تباہ کر دیتی ہے ۔ اس طرح روح کی کوئی خامی یا کمزوری روح کو تباہ نہیں کر سکتی ۔ کیونکہ روح جسم سے ایک مختلف "چیز" ہے ۔ اور چونکہ شر اور برائی روح تباہ نہیں کر سکتے ۔ اس لئے ظاہر ہوا کہ روح ۔۔۔ کہ کوئی اور چیز بھی تباہ نہیں کر سکتی ۔ اس لئے روح لازوال ہوتی ہے !!

اور یوں ری پبلک اپنے اختتام کو پہنچتی ہے کہ اصل جوہر انصاف ہے ۔ اصل قدر انصاف ہے ۔ اور انصاف ہی میں انسان کا سب سے بڑا اعزاز اور انعام پوشیدہ ہے ۔ دیوتا اور خدا ۔۔۔ منصف انسان کو اپنی نوازشات سے فیض یاب کرتے ہیں ۔ وہ جو منصف ہے ۔ خواہ وہ کیسی کیسی تکلیفوں سے ہی کیوں نہ گزرے ۔ وہ خدا کی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے ۔

اور اگر منصف انسان کو اس کا صحیح مقام اور رتبہ اس کی زندگی میں نہیں ملتا تو اس کی موت کے بعد ضرور ملتا ہے ۔ اور پھر یہ سب دنیوی اعزازات' نوازشات ان برکتوں اور نوازشات کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتے جن سے منصف انسان کو موت کے بعد دوسری زندگی میں نوازا جائے گا ۔

سچے اور منصف اور انصاف پسند کے لئے ۔۔۔ دوسرے جہان میں تمام نعمتیں اور آسائشیں انتظار کر رہی ہیں ۔ ●●